تُوبُوا إِلَى اللّٰہِ تَوْبَةً نَصُوحًا

سچی توبہ

توبہ کی تشریح، اس کا طریقہ، فضائل و برکات
سچے واقعات اور مغفرت کے لیے فکرِ آخرت

سید غلام دستگیر نقشبندی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	سچی توبہ
مصنف	سید غلام دستگیر نقشبندی
تاریخ اشاعت	جولائی 2008ء بار اول
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	TF38
قیمت	180/-

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-221201-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

بسم الله الرحمن الرحيم
الله
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القرآن :۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (الزمر۔۵۳)

(اے نبیؐ) آپ فرما دیں ''اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الحدیث:۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ۔

گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

عن ابن مسعودؓ (مشکوٰۃ ابن ماجہ و بیہقی) بحوالہ تفسیر مظہری جلد VIII صفحہ ۴۲۶۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ

پیش لفظ

اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ بار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے پیارے رسولِ مقبول نبی آخرالزماں ﷺ کا امتی ہونے کا شرف بخشا اور آپ کے وسیلۂ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم سے روشناس کرایا۔ یہ کلام ربانی نہ صرف دینی امور میں ہر مسلمان کیلئے راہنمائی کرتا ہے بلکہ دنیا میں رہنے بسنے کے اسلوب بھی سکھاتا ہے اور انسانی معاشرے میں مہذب زندگی بسر کرنے کیلئے راہنمائی کرتا ہے۔ لیکن حضرت انسان نے دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر خالق کائنات کو فراموش کر دیا ہے اور فکرِ آخرت سے غافل ہو کر سیلِ بے راہ روی میں بہتا چلا جا رہا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی کی تند و تیز ہوائیں اسے اپنی رو میں بہائے لئے جا رہی ہیں۔ روحانیت کا جنازہ نکل چکا ہے۔ خوبصورت چہرے اور تنومند جسم روح کی مردہ لاش کو اٹھائے پھر رہے ہیں۔ خصوصاً نوجوان طبقہ انتہائی بے راہروی کا شکار ہے۔ آخرت پر ایمان نہ ہونا یا ایمان کمزور ہونا انسان کیلئے توبہ استغفار کے دروازے بند کرنے کا بہت بڑا سبب ہے۔

زمانے کی اس بے لگام روش میں اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ نئی پود اور نوجوان طبقہ کو خوف خداوندی اور فکرِ آخرت سے آشنا کیا جائے تاکہ ہر فرد اپنی سابقہ زندگی کی خطاؤں اور لغزشوں سے تائب ہو کر اسلامی اسلوب حیات کی طرف مائل ہو اور آئندہ صالح زندگی بسر کر کے نہ صرف دونوں جہانوں میں سرخرو ہو بلکہ معاشرے کا صالح اور مفید رکن ثابت ہو۔

مندرجہ بالا مقاصد کے حصول کے پیش نظر رب کریم کے بھروسے زیر نظر کتاب کی تالیف کا کام شروع کیا۔ اپنی بے بضاعتی اور فقدانِ علم کا بھی احساس رہا لیکن رب ذوالجلال کی توفیق و عنایت سے راہنمائی ملتی رہی اور بفضل خداوندی یہ تالیف پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ کتاب ہذا کی تالیف و ترتیب میں تائب ہونے والے حضرات کی توبہ کے واقعات کے ذریعہ کہانی کا عنصر

بھی قائم رکھا گیا ہے۔ تاکہ قاری کی دلچسپی بھی قائم رہے اور وہ واقعہ سے سبق بھی حاصل کرے۔
اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبولیت کا شرف بخشے۔ قارئین کیلئے ہدایت اور اس خطا کار اور گنہگار مولف کتاب ہذا کیلئے صدقہ جاریہ اور نجات و مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

کتاب ہذا کی تالیف کے دوران استفادہ کیلئے جن کتب سے خوشہ چینی کی گئی بعض کتب سے اقتباسات لئے اور بعض سے اپنے علم میں اضافہ کیا اور تالیف کیلئے راہنمائی حاصل کی ان کی فہرست کتاب کے آخر پر دی گئی ہے۔ ان کتب کے مصنفین، مولفین اور مترجمین کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کی مغفرت کیلئے دعا گو ہوں۔ اللہ کرے ان کا یہ فیض عام جاری رہے اور لوگ اس صدقہ جاریہ سے مستفید ہوتے رہیں۔ نیز میں خصوصی طور پر شیخ طریقت و شریعت حضرت علامہ سید سعید الحسن شاہ صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود مسودہ پر نظر ثانی فرمائی۔

عبدالغنی فاروق صاحب کا خصوصی طور پر شکر گزار ہوں۔ ان کی تالیف ''ہم کیوں مسلمان ہوئے'' سے دوسرے مذاہب سے تائب ہونے والے نومسلم بھائیوں کے حالات زندگی پر مبنی کچھ واقعات سے استفادہ کرتے ہوئے کتاب ہذا کی زینت بنایا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔

قارئین سے بھی التماس ہے کہ اگر کہیں کوئی سقم ملے یا پروف ریڈنگ یا حوالہ جات کی غلطیاں پائیں تو اس بارے میں ضرور آگاہ فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جا سکے۔ شکریہ

سید غلام دستگیر نقشبندی

۷ ذیقعد ۱۴۲۸ھ

(۱۸ نومبر ۲۰۰۷ بروز اتوار)

بابِ اوّل

توبہ کی ضرورت واہمیت

ایک سچے مومن اور سالکِ راہِ طریقت کیلئے جو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا طالب اور متمنی ہوتا ہے اس سفرِ عزیز کیلئے پہلا قدم توبہ کا ہے۔ توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں اپنے جرم وگناہ پر نادم اور شرمسار ہونے اور اس سے کنارہ کش ہو کر رب کریم سے مغفرت اور بخشش طلب کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کا نام توبہ ہے۔

اس دینوی زندگی میں اپنی کج فہمی۔ جہالت یا حرص وہوا میں مبتلا ہو کر قصداً یا سہواً گناہ کا ارتکاب کر لیتا ہے لیکن جب اس کا ضمیر اسے جھنجھوڑتا ہے تو اسے اپنے کئے پر افسوس ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور جہالت اور غفلت کا حجاب اس کی آنکھوں سے ہٹ جاتا ہے تو وہ مضطرب اور پریشان ہو کر اپنی خطا کا اقرار کرتے ہوئے اور اپنے فعلِ عصیاں پر نادم ہوتے ہوئے سچے دل سے مغفرت کا طلبگار ہوتا ہے تو ربِ کریم کے دربارِ عفو کے دروازے کھلے پاتا ہے۔ رحمت خداوندی انتظار میں ہوتی ہے۔ کہ میرا بندہ خلوص دل سے میری طرف لوٹ کر تو آئے پھر دیکھے کہ میں کس طرح اس پر رحمتوں کی بارش برساتا ہوں اور اسکے دامن کی سیاہی دھو کر کس طرح عفو وکرم کے موتیوں سے مالا مال کر دیتا ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ "بے شک جب بندہ گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے

توبہ کرتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے"۔

(متفق علیہ)

رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کا اونٹ بے آب وگیاہ میدان میں کھو جائے اور اس کا کھانے پینے کا سامان بھی اسی اونٹ پر ہو اور وہ اس کو تلاش کر کے مایوس ہو چکا ہو یہاں تک کہ زندگی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے نیچے لیٹ جائے اور عین اس حالت میں دیکھے کہ اس کا اونٹ سامنے کھڑا ہے تو اس وقت جیسی خوشی اس شخص کو ہوگی اس سے کہیں زیادہ خوشی اللہ کو اپنے بھٹکے ہوئے بندے کے واپس لوٹ آنے سے ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ توبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مریدین کا پہلا قدم ہے اور سالکین کیلئے راہ طریقت کی ابتدا ہے۔ اور کسی آدمی کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ابتدائے آفرینش سے انتہائی عمر تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور ہمیشہ گناہوں میں مستغرق رہنا شیطان کا پیشہ ہے۔ گناہوں کو چھوڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور تائب ہونا حضرت آدم علیہ السلام اور اولاد آدم کا کام ہے۔

قصہ آدمؑ وابلیس

قرآن کریم میں قصہ آدم وابلیس بیان کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ہدایت کا راستہ متعین کرنے کیلئے بہت سے اسباق کا اہتمام کیا ہے سورۃ 'ص' میں یہ قصہ یوں بیان ہوا ہے۔

جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا

کرنے والا ہوں ۔پھر جب میں اسے درست کردوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے گر پڑنا سجدہ کرتے ہوئے پس سب فرشتوں نے اکھٹے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس نے تکبر کیا اور وہ ہوگیا کافروں میں سے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے ابلیس اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا جسے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔کیا تو نے تکبر کیا؟ (اپنے آپ کو بڑا سمجھا) یا تو بلند درجہ والوں میں سے ہے۔اس نے کہا میں اس آدم سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو راندۂ درگاہ ہے۔

اور بے شک تجھ پر میری لعنت روز قیامت تک ہوتی رہے گی اس نے کہا اے میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن (مردے) اٹھائے جائیں گے۔(اللہ نے) فرمایا'' تجھے وقت معین تک مہلت دی جاتی ہے۔اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں سب لوگوں کو گمراہ کرکے رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔(اللہ نے) فرمایا: پس حق یہ ہے اور میں حق ہی کہا کرتا ہوں کہ میں جہنم کو بھر دونگا تجھ سے اور ان سب لوگوں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ (سورہ صٓ۔۷۱تا۸۵)

شیطان لعین کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ جل جلالہ کا ارشاد یوں ہے۔اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ ؕ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا (بنی اسرائیل۔۶۵)
''بے شک میرے سچے بندوں پر تیرا کوئی بس اور زور نہیں اور تیرا رب کافی ہے کارساز''۔اس آیت مبارکہ میں بندوں کی نسبت اپنی طرف کرنا بطور شرف اور اعزاز کے ہے۔گویا اللہ کے خاص بندے شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتے اور اس کے

بچھائے ہوئے جال سے بچ نکلتے ہیں۔اس کی مثال ایک حدیث مبارکہ سے واضح ہوجاتی ہے۔جسے حضرت سعد بن ابی وقاص نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر راستہ میں چلتے ہوئے جب بھی شیطان تجھے ملتا ہے تو تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتا ہے۔

شیطانی طرزِ عمل اور انسانی طرزِ عمل: قرآن پاک کی مقدس آیات کا ترجمہ پیش کیا گیا۔ان آیات میں چند امور خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

1- اللہ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا۔

2- ابلیس نے تکبر کر کے آدم علیہ السلام پر اپنی برتری ظاہر کی اور کافروں میں سے ہو گیا۔

3- وہ حسد کا شکار ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو برتر سمجھا۔

4- وہ راندۂ درگاہ خداوندی ہوا اور حشر تک اس پر لعنت ہوتی رہے گی۔

5- بجائے اس کے کہ ابلیس اپنی خطا پر رب کریم سے معافی اور مغفرت کا طلبگار ہوتا اس نے باغیانہ طرز عمل اختیار کیا اور خود راہ راست پر آنے کی بجائے یہ روش اختیار کی کہ اللہ کے اطاعت گزار بندوں کو معصیت میں مبتلا کرنے کی کوشش کرے اور یہی نہیں بلکہ حسد کی آگ میں جل کر اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ میں ان سب کو ضرور گمراہ کرونگا سوائے ان کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔

قرآن پاک کے بیان کردہ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات روز روشن

کی طرح عیاں ہوگئی کہ شیطان کا طرز عمل اور وہ طرز عمل جو انسان کے لائق ہے دونوں میں واضح فرق ہے شیطان کی راہ یہ ہے کہ بندگی سے منہ موڑے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی اختیار کرے۔ تنبیہ کرنے کے باوجود ڈھٹائی اور تکبر کے ساتھ اپنے باغیانہ طرز عمل پہ اصرار کرتا چلا جائے اور جو لوگ طاعت اور فرمانبرداری کی راہ چل رہے ہوں ان کو راہ راست سے بھٹکا ڈالے اور معصیت کی راہ پر چلانے کی کوشش کرے۔

اس شیطانی طرز عمل کے خلاف جو راہ انسان کے لائق ہے وہ یہ کہ شیطانی طرز عمل کی مخالفت کرے۔ اپنے ازلی دشمن شیطان مردود کی چالوں کو سمجھنے اور ان سے بچنے کیلئے ہر وقت چوکنا رہے لیکن اگر کبھی اس کا قدم بندگی اور طاعت کی راہ سے ہٹ بھی جائے تو اپنی غلطی اور خطا کا احساس ہوتے ہی ندامت اور شرمساری سے اپنے رب کی طرف رجوع کرے معافی و مغفرت کا طلبگار رہو اور سچے دل سے توبہ کرے۔

امام غزالیؒ کا ارشاد ہے ”پس جس شخص نے اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کی اس نے اپنی نسبت حضرت آدم علیہ السلام سے درست کرلی اور جس شخص نے اپنی عمر گناہوں میں بسر کردی اس نے اپنی نسبت کو شیطان کے ساتھ مضبوط بنایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ توبہ انسانی ضرورت ہے اور سالکوں کا پہلا قدم ہے جب شریعت کے نور اور عقل کے نور کی مدد سے بیداری حاصل ہوگی تو وہ ہدایت اور ضلالت میں تمیز کرنے کے قابل ہو جائیگا۔ پس توبہ ایک فریضہ ہے جس کے معنی ضلالت اور گمراہی سے لوٹنا اور ہدایت کے راستہ پر قدم رکھنا ہے“۔

(کیمیائے سعادت)

رب کریم نے انسان کی ہدایت کیلئے جہاں اپنی کتب کا نزول فرمایا وہاں اپنے انبیاء اور رسول بھی بھیجے تا کہ الہامی کتب کے احکام پر عمل کر کے نوعِ انسانی کیلئے نمونہ پیش کریں اور انسان ان نفوس قدسیہ کی سیرت مطاہرہ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے کردار کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرے جو خالق کائنات کی رضا کے مطابق ہو۔

آپ نے شیطان مردود کے کردار کا مطالعہ کیا کہ وہ رب کائنات کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے ندامت محسوس کرنا تو درکنار تکبر اور نخوت میں مبتلا ہو کر راندۂ درگاہ ہوا لیکن دوسری طرف جدِّ بنی آدم حضرت آدم علیہ السلام کے کردار پر غور فرمائیں کہ جب حضرت آدم اور حوا علیہم السلام کو اپنی خطا کا احساس ہوتا ہے کہ ان سے اللہ رب العزت کے حکم کی نافرمانی ہوگئی ہے تو اپنے کیے پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے معافی اور مغفرت کے طلبگار ہوتے ہوئے پکار اٹھتے ہیں۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (اعراف۔۲۳)	اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

جب نوح علیہ السلام کی نافرمان اور کفر پر قائم رہنے والی قوم کیلئے طوفان نوح آیا اور وہی لوگ بچے جو صاحب ایمان کشتی نوح میں سوار تھے۔ غرق ہونے والے لوگوں میں حضرت نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا کنعان بھی تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے شفقت پدری سے مغلوب ہو کر پکارا۔

''اے رب میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر اور بڑا حاکم ہے (جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ''نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے (کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں۔ پس تو اس بات کا مجھ سے سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں تا کہ تو نادانوں میں سے نہ ہو جائے اس پر حضرت نوح علیہ السلام پکار اٹھے۔

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ٥ (ھود۔۴۷)

اے میرے رب میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے کہ میں تجھ سے ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سہواً ایک قبطی قتل ہو جاتا ہے تو احساس ندامت سے رحمان و رحیم کے حضور پکار اٹھتے ہیں۔

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ (القصص۔۱۶)

اے میرے رب بے شک میں اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں پس میری مغفرت فرما دے

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے طلب کرنے پر کوہ طور پر تشریف لے گئے اور وہاں اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا تو شوقِ دیدار انگڑایاں لینے لگا تو رب کریم سے عرض پرداز ہو کر سوال کیا:۔

رَبِّ اَرِنِیْ اے رب مجھے دیکھنے کی قوت عطا کر تا کہ میں تیرا دیدار کر سکوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

لَنْ تَرَانِیْ　　تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔　　(اعراف۔۱۴۳)

البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو۔ پس اگر وہ اپنی جگہ پر قائم رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلّی ڈالی اور اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو توبہ کرتے ہوئے عرض کیا۔

سُبْحٰنَکَ تُبْتُ اِلَیْکَ۔　پاک ہے تیری ذات میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت یونس علیہ السلام سے اجتہادی سہو ہو جاتا ہے تو مچھلی کے پیٹ میں گڑگڑاتے ہوئے اس بے نیاز کے حضور نیاز مندی سے التجا کرتے ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (انبیاء۔۸۷)　　تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے (ہر عیب سے) بے شک میں ہی قصوروار ہوں

اگرچہ انبیاء علیہم السلام تو معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ ان کے جو اعمال ہمیں بظاہر خطا نظر آتے ہیں ان کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے اور ان کے کردار کی یہ صورت ہم جیسے خطا کاروں کیلئے مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کیلئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے تاکہ جب کبھی بنی نوع انسان سے خطا سرزد ہو جائے تو شیطانی کردار سے بچے اور ہٹ دھرمی اور بغاوت کی روش اختیار کرنے کی بجائے اپنے پیش رو انبیاء علیہم السلام کی پیروی کرتے ہوئے اپنے کئے پر نادم ہو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار ہو۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (النسا:۱۱۰)　　جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ بخشش مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا اور نہایت مہربان پائے گا۔

رب کریم قرآن پاک میں بار بار ارشاد فرما رہا ہے اے میرے بندے

اگر تجھ سے خطا ہو ہی گئی ہے تو میری طرف لوٹ کے تو دیکھ میں بہت زیادہ بخشش کرنے والا بھی ہوں اور اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان بھی ہوں۔ انسان کس قدر کوتاہ اندیش ہوگا اگر اس کی رحمت کا دروازہ کھلا پا کر بھی فائدہ نہ اٹھائے اور اپنے عصیاں کے دفاتر صاف کر کے اپنی آخرت کا راستہ صاف نہ کرے اور خالق کائنات کا حکم بھی ہے کہ

وَ تُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعاً اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	اور اے ایمان والو تم سب لوگ اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم (دونو جہانوں میں) کامیاب ہو جاؤ۔ (النور۔۳۱)

قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْآ اِلَيْهِ ط اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ: (ھود۔۹۰)	اور تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر اسی کی طرف رجوع (توبہ) کرو۔ بے شک میرا رب بہت مہربان اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

"رحیم اور ودود۔ دونو مبالغے کے صیغے ہیں۔ رحیم کے معنی بہت زیادہ مہربان اور ودود کے معنی انتہائی پیار اور محبت کرنے والا ہے۔ اس کو اپنے بندوں سے پیار ہے وہ نہیں چاہتا کہ اپنے بندے کو خواہ مخواہ عذاب میں مبتلا کر دے۔ وہ بخشش اور مغفرت کے بہانے تلاش کرتا ہے تا کہ اس کے بندے عذاب سے بچ جائیں۔

رحمتِ حق بہانہ می جوید بہا نمی جوید

(اللہ کی رحمت بہانہ تلاش کرتی ہے۔ بخشش کا معاوضہ (قیمت) نہیں مانگتی)۔

جب بندہ اپنے سابقہ گناہوں اور برائیوں سے تائب ہو کر اظہار

ندامت کرتے ہوئے بخشش کا طلبگار ہوتا ہے تو رب کریم جو رحیم اور ودود ہے اس کی رحمت اسے اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے اور اس کے سحاب رحمت کے چھینٹے بندے کی سیاہ کاریوں کو دھو ڈالتے ہیں۔ نبی کریم کا ارشاد اس پر شاہد ہے۔

اللہ کا بندوں سے پیار

الحدیث! ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں کچھ جنگی قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ ان میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ کھو گیا تھا۔ اور وہ مامتا کی ماری تلاش میں سرگرداں اِدھر اُدھر بھاگ رہی تھی۔ اور بے چین تھی۔ جو بچہ بھی مل جاتا اسے اپنی چھاتی سے چمٹا کر دودھ پلانے لگتی۔ رسول کریم ﷺ نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا "کیا تم لوگ یہ توقع کر سکتے ہو کہ یہ ماں اپنے بچے کو خود اپنے ہاتھوں سے آگ ہی پھینک دے گی؟ ہم نے عرض کیا کہ ہرگز نہیں۔ خود پھینکنا تو درکنار بچہ خود گرتا ہو تو یہ اپنی حد تک تو اس کو بچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا. یعنی اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے بہت زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے سے رکھتی ہے (بخاری و مسلم)

بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو سو حصوں میں تقسیم کیا پھر ان میں سے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا۔ اسی ایک حصے کی برکت ہے کہ مخلوقات آپس میں رحم کرتی

ہے حتیٰ کہ ایک جانور (چوپایہ) بھی اپنے بچے پر سے اپنا کھرُ (پاؤں) اٹھالیتا ہے تا کہ اسے ضرر نہ پہنچ جائے۔

مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار ہی کی وجہ سے ہے کہ وہ بچوں کی پرورش کیلئے ماں باپ کے دل میں اولاد کی محبت اور پیار کے اسباب پیدا کرتا ہے آپ اندازہ لگائیں کہ وہ خود مخلوق کیلئے کتنا شفیق ہوگا۔ لیکن بندہ سچے دل سے اسکی طرف رجوع کرکے تو دیکھے۔

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے تیرے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم تیرا ہے یہ عدالت تیری

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جو رحمان ورحیم ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ نہ کسی کا حق رکھتا ہے اس کا سحابِ رحمت تو سب پر یکساں برستا ہے اسی کا ارشاد ہے۔

''اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دوگنا کر دیتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا کرتا ہے''۔ (النساء۔۴۰)

اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے سورۃ انعام میں ارشاد ہے

''اور جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کیلئے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کو اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا''۔

الحدیث:۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ کیا تو ایک کتاب میں جو عرش پر ہے لکھ دیا کہ اِنَّ رَحْمَتِی غَلَبَتْ عَلٰی غَضَبِیْ (میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے"۔

پھر اسکے رحم و کرم سے مستفید ہوتے ہوئے دنیا میں ہی پاک صاف ہو جائیں اور آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو جائیں۔

توبہ کی توفیق بھی رب کریم پرور حیم کے لطف و کرم سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اس میں بنیادی کردار ایمان کی پختگی ،تقوی اور خوفِ آخرت کا ہے۔ اگر ایک آدمی کا ضمیر زندہ ہے تو خوف آخرت اسے اپنے اعمال بد اور گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف مجبور کر دے گا تاکہ آخرت کی سخت سزاؤں اور دردناک عذاب سے بچنے کیلئے اس دنیا میں ہی پاک اور صاف ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کے دور مبارکہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ ﷺ کی صحبت فیض رساں سے براہ راست مستفید ہوتے تھے۔ ان کے ایمان آج کے مسلمانوں سے ہزار درجہ پختہ وارفع واعلےٰ تھے۔ وہ آپؐ کی صحبت مبارکہ میں یوں محسوس کرتے تھے۔ جیسے کہ جنت اور دوزخ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ ان سے کوئی جرم و گناہ صادر ہو جاتا تو حضور اقدس میں حاضر ہو کر اقبال جرم کر لیتے اور مغفرت کیلئے دعا کی التجا کرتے تاکہ آخرت کے المناک عذاب سے نجات حاصل کر لیں۔ ایک صحابی اور صحابیہ کی توبہ کے واقعات نقل کئے جاتے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ وہ نفوس قدسیہ توبہ کو کس قدر اہم اور ضروری خیال کرتے تھے جن دو نفوس کے واقعات یہاں درج کئے جا رہے ہیں ان میں سے ایک مرد تھا اور ایک عورت وہ دونو زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔

شریعت اسلامی میں زنا ایک جرم عظیم ہے اور بہت سے جرائم کا مجموعہ ہے اسی لئے اسلام نے ان جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کر دی ہیں۔ زنا کی سزا ان تمام جرائم کی سزا سے شدید تر اور زیادہ ہے۔ غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت کی سزا یہ ہے کہ دونو میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ اور شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا دونوں کو سنگسار کر دینا ہے اور ان جرائم کے تعین کیلئے قوانین بھی سخت ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ یا تو اس جرم کے چار عینی شاہد ہوں یا مجرم خود چار دفعہ اپنے اس گناہ کا اقرار کرے یعنی اقبال جرم کرے۔ اور اسلامی قانون میں یہ جرم قابل معافی نہیں۔

ماعز بن مالک کی توبہ

ان میں سے پہلا واقعہ ماعز بن مالک اسلمی کا ہے یہ قبیلہ اسلم کا ایک یتیم لڑکا تھا اور اس نے ہزال بن نعیمؓ کے ہاں پرورش پائی تھی۔ وہ ایک آزاد کردہ لونڈی سے زنا کر بیٹھا۔ حضرت ہزالؓ نے کہا کہ جا کر نبی کریم ﷺ کو اپنے گناہ کی خبر دے شاید آپؐ تیرے لئے دعائے مغفرت فرما دیں۔ اس نے جا کر مسجد نبوی میں حضور سے کہا "یارسول اللہ ﷺ! مجھے پاک کر دیجئے میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ آپ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا۔ وَیحک اِرجِع فَاستَغفِرِ اللّٰہ وَ تُبْ اِلَیہِ. اے جوان چلا جا اور توبہ و استغفار کر۔ مگر اس نے پھر سامنے آ کر بات کہی اور آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ اس نے تیسری بار وہی بات کہی اور آپ نے پھر منہ پھیر لیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو متنبہ کیا کہ اب اگر چوتھی بار تو نے ایسا ہی کیا تو تجھے رجم (سنگسار) کر دیا جائیگا۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور

چوتھی بار بھی وہی الفاظ کہہ دیئے۔ اب حضور ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور مختلف سوال کر کے تصدیق فرماتے رہے۔ تصدیق کے بعد آپ نے پوچھا تیری شادی ہو چکی ہے اس نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا تو نے شراب تو نہیں پی۔ اس نے کہا نہیں۔ ایک شخص نے اٹھ کر اس کا منہ سونگھا۔ اور اس کی تصدیق کر دی۔ پھر آپ نے اس کے محلے والوں سے تصدیق کی کہ یہ دیوانہ تو نہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کی عقل میں کوئی خرابی نہیں دیکھی۔ آپ نے ہزالؓ سے فرمایا لو سترتہ بتوبک کان خیر الک ، کاش تم نے اس کا پردہ رکھا ہوتا تو تمہارے لئے اچھا تھا۔ پھر آپ نے ماعز کو رجم کرنے کا فیصلہ صادر فرما دیا۔ اور اسے شہر سے باہر لے جا کر سنگسار کر دیا گیا۔ جب پتھر پڑنے شروع ہوئے تو ماعز بھاگا اور اس نے کہا "لوگو! مجھے رسول اللہ کے پاس لے چلو میرے قبیلہ کے لوگوں نے مجھے مروا دیا انہوں نے مجھے دھوکا دیا کہ رسول اللہ مجھے قتل نہیں کرائیں گے"۔ مگر مارنے والوں نے اسے مار ڈالا۔ بعد میں جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا تم لوگوں نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا۔ اسے میرے پاس لے آتے شاید وہ توبہ کرتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا۔

بخاری شریف میں جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جب رجم (سنگساری) سے ماعز بن مالک کی موت واقع ہو گئی تو نبی کریم ﷺ نے ماعز کو خیر سے یاد فرمایا اور اس کی نماز جنازہ خود پڑھائی مسلم شریف میں حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "ماعز بن مالک کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک پوری امت پر تقسیم کر دی جائے تو سب کیلئے کافی ہو۔

غامدیہ کی توبہ

دوسرا واقعہ غامدیہ کا ہے جو قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ قبیلہ غامد کی ایک عورت تھی۔ اس نے بھی آ کر چار مرتبہ اقرار کیا کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور اسے ناجائز حمل ہے آپ نے اس سے بھی پہلے اقرار پر فرمایا۔ "ویحک ارجعی فاستغفری الی اللہ وتوبی الیہ" اری: چلی جا۔ اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر۔ مگر اس نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے ماعز کی طرح ٹالنا چاہتے ہیں میں زنا سے حاملہ ہوں یہاں چونکہ اقرار جرم کیساتھ حمل بھی موجود تھا اس لئے آپ نے اس قدر جرح نہ فرمائی جو ماعز کے ساتھ کی تھی۔ آپ نے فرمایا اچھا نہیں مانتی تو جا اور وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی اور کہا اب مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا جا اس کو دودھ پلا۔ دودھ چھڑانے کے بعد آنا۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی اور ساتھ روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لیتی آئی بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر حضور ﷺ کو دکھایا اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے اور دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے تب آپ نے بچے کو پرورش کیلئے ایک شخص کے حوالے کیا اور اس عورت کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

حدیث بخاری شریف میں جابر بن عبداللہ ہی سے روایت ہے کہ جب غامدیہ مر گئی تو حضور ﷺ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

صحیح مسلم شریف میں عمران بن حصین کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے غامدیہ کی نماز جنازہ کے موقع پر عرض کیا یا رسول اللہ کیا اب اس زانیہ کی نماز جنازہ

بھی پڑھی جائے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا!

لقد تابت توبة لو قسمت بين اهل المدينة لو سعتهم. اس نے وہ توبہ کی ہے کہ اگر تمام اہل مدینہ پر تقسیم کی دی جائے تو سب کیلئے کافی ہو (سبحان اللہ)۔

سچی توبہ کیلئے عجلت

اگر چہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کے جرائم و گناہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہیں اور کسی کو اس کی سیاہ کاریوں کا علم نہیں ہے لیکن رب قدیر علیم و بصیر اور دلوں کے بھید جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ ہمارے ہر قول و فعل بلکہ ہمارے دلوں کے ارادوں تک سے باخبر ہے۔ ہماری لغزشیں، خطائیں گناہ اور سیاہ کاریاں اس سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور جزا اور سزا کے دن پرسش بھی ہوگی۔

اور انسان کی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ صبح زندہ ہے تو شام کا کوئی بھروسہ نہیں رات کو تندرست سویا ہے تو کسی کو یقین نہیں کہ صبح کو زندہ اٹھے گا یا یہ جانِ مستعار جان آفریں کے سپرد کردے گا اور توبہ کرنے کا وقت بھی میسر نہ ہوگا۔ اس لئے دانشمندی اور دور اندیشی یہی ہے کہ فکر آخرت کے پیش نظر وقت کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے۔ غفور الرحیم سے مغفرت طلب کرے اور سچے دل سے توبہ کرے اگر توبہ نہیں کرتا تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے مندرجہ ذیل آیات وحدیث مبارکہ توبہ کی اہمیت اور ضرورت پر بین دلیل ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

۱) وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (حجرات۔۱۱)

اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ نہ کریں وہ لوگ ظالم ہیں۔

۲) يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ٥ (تحریم۔۱)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو خالص توبہ۔

ارشاد نبویؐ ہے

يَا اَيُّهَا النَّاسُ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ فَاِنِّيْ اَتُوْبُ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ. (مسلم)

اے لوگو! اللہ کی طرف لوٹ آؤ اور اپنے گناہوں کی معافی چاہو۔ میں دن میں سو بار مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

باب دوم

توبہ کی تعریف وتشریح

قرآن پاک میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحاً ط عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھَارُ۔

(التحریم۔۸)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کے حضور خالص توبہ کرو امید ہے تمہارا رب تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہتی ہونگی۔

توبۃ نصوح: اس آیت مبارکہ میں توبۃ نصوحا کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں نصح کے معنی عربی زبان میں خلوص اور خیر خواہی کے ہیں۔ خالص شہد کو جسے موم اور دیگر آلائشوں سے پاک وصاف کر دیا گیا ہو عسلِ ناصح کہا جاتا ہے۔ اگر نصوحا کے معنی اس لحاظ سے لئے جائیں تو مقصد یہ ہوگا کہ انسان ایسی توبہ کرے کہ اس میں ریا اور نفاق کا شائبہ تک نہ ہو۔

ادھڑے ہوئے یا پھٹے ہوئے کپڑے کو سی کر مرمت کرنے کو نصاحۃ الثوب کہا جاتا ہے۔ اگر نصوحا کو ان معنوں میں لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ انسان خود اپنے نفس کے ساتھ خیر خواہی کرے اور اپنے آپ کو بد انجامی سے بچا لے اور گناہ سے دین متین، تقویٰ اور شرعی حیثیت میں جو شگاف پڑ گیا ہے توبہ کے ذریعے سے اس کی مرمت اور اصلاح کر دے۔

اگر نصیحت کے معنوں میں لیا جائے تو مقصد یہ ہوگا کہ توبہ کر کے اپنے کردار اور اطوار کو ایسا سنوار لے کہ دوسروں کیلئے نصیحت کا موجب ہو اور ایسا مثالی نمونہ بن جائے کہ دوسرے لوگ اسے دیکھ کر اپنی اصلاح کر لیں۔ یہ تو تھے وہ مطالب و معانی جن کی وضاحت لغوی اعتبار سے کی جا سکتی ہے۔ اب رہا اس کا شرعی مفہوم تو اس کی تشریح ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے جو ابن ابی حاتم نے زِرّ بن حُبیش کے واسطے سے نقل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے توبۃ نصوح کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سوال کیا تھا آپ نے فرمایا۔ ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو۔ پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو۔ یہی مطلب حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہے اور ایک روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے توبۃ نصوح کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ توبہ کے بعد آدمی گناہ کا اعادہ تو درکنار اس کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے۔ (ابن جریر)

ایک حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت معاذ ابن جبل نے عرض کیا ''یا رسول اللہ توبۃ نصوح کسے کہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''بندے سے گناہ سرزد ہو تو اس پر نادم اور شرمسار ہو بارگاہ الٰہی میں معذرت طلب کرے اور پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو جس طرح کہ دودھ دوبارہ کھیری (ھوانے) میں نہیں جا سکتا ہے۔

بعض بزرگان دین نے توبہ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ توبہ سے مراد

نیّتہً اور عملاً گناہوں کو ترک کرنا ہے اور نیّتہً اور عملاً عبادت اور طاعت کی طرف متوجہ ہونا ہے حضرت سہل بن عبداللہؒ کا ارشاد ہے کہ توبہ سے مراد برے اور مذموم احوال سے پسندیدہ اور محمود احوال کی طرف منتقل ہونا ہے۔ علامہ بغویؒ نے شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعودؓ سے موقوف روایت نقل کی ہے کہ توبہ شرمندگی اور ندامت کا نام ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہو جاتا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ (مشکوٰۃ)

ارشاد ربانی اور احادیث بالا کی روشنی میں جو سچے دل اور خلوص کے ساتھ اللہ غفور الرحیم کے حضور توبہ کرتا ہے اللہ اسے پروانہ مغفرت بھی عطا کرتا ہے۔

کِفل کی سچی توبہ

مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں کفل نام کا ایک آدمی تھا جو ہر طرح کے گناہ میں ملوث تھا۔ اور کبھی توبہ اور رجوع الی اللہ کا خیال تک نہیں کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک عورت اس کے پاس آئی جس کے ساتھ بدکاری کرنے کیلئے ساٹھ دینار پر معاملہ طے کیا لیکن عین بدکاری کے وقت عورت کے اندر کپکپی پیدا ہوگئی اور وہ رو پڑی۔ اس نے پوچھا تم روتی کیوں ہو؟ کیا میں نے تجھے مجبور کیا ہے؟۔

اس نے کہا نہیں لیکن یہ ایک ایسا کام ہے جو میں کبھی نہیں کیا اس کیلئے محض محتاجی نے آمادہ کیا تھا۔

اس نے کہا کہ ”جبکہ تم نے یہ کام ابھی تک نہیں کیا تو اب نہیں کرو گی“۔ اس کے بعد وہ اس کے پاس سے ہٹ گیا اور کہا کہ جاؤ یہ ساٹھ دینار بھی میں نے

تمہیں دیئے۔ اور اللہ سے توبہ کی کہ اب کفل کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

اس کے بعد اسی رات اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے دروازے پر صبح کو یہ عبادت لکھی ہوئی تھی۔ "اللہ عزوجل نے کفل کے گناہ بخش دیئے"۔

حضرت علیؓ کا ارشاد

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو جلدی جلدی توبہ کے یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہے۔

1- جو گناہ ہو چکا اس پر نادم ہو۔

2- جو فرض رہ گئے ان کی ادائیگی کرو۔

3- جس کا حق مارا اسے لوٹا دے۔

4- جس کو تکلیف پہنچائی اس سے معافی مانگ۔

5- پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ گناہ کا اعادہ نہیں کرے گا۔

6- اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے جس طرح تو نے اسے اب تک معصیت کا عادی بنائے رکھا۔ جس طرح تو اسے گناہوں کی لذت سے لطف اندوز کرتا رہا اب نفس کو اطاعت کی تلخی کا خوگر بنا۔

اللہ کے برگزیدہ بندے جب اپنے خالق و مالک کی طرف لوٹتے اور

رجوع کرتے ہوئے سچے دل سے تائب ہوتے ہیں تو کمزوریوں اور کوتاہیوں کا احاطہ کرتے ہوئے ہر قسم کی تلافی کا اہتمام کرتے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توبہ

توبہ کرنے والوں کے سردار دین حق کے علمبردار مقبول بارگاہِ الٰہی حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیا اور پیشوائے اصفیا ہوئے ہیں آپ کا شمار مشائخ کبار میں ہوتا ہے۔ان کے حدیث کے شاگردوں میں حضرت سفیان ثوریؒ ،سفیان بن عیینہؒ، عبدالرزاقؒ ،امام شافعیؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، اصمعیؒ ،حمیدیؒ جیسے اکابرین شامل ہیں۔

عبداللہ بن مبارکؒ کہا کرتے تھے کہ روئے زمین پر کوئی شخص فضیل بن عیاضؒ سے زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔

اسحاق بن ابراہیمؒ کا قول ہے کہ میں نے سب سے زیادہ خدا ترس فضیل کو پایا۔صحیح الحدیث اور راور صدوق اللسان تھے۔خلیفہ ہارون الرشید کا بیان ہے کہ فضیل بن عیاض سے زیادہ پرہیز گار کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ کی توبہ کا حال اس طرح بیان ہوا ہے کہ پہلے آپ ڈاکوؤں کے سردار تھے لیکن اس پیشے کے باوجود طبیعت میں بہت مروّت تھی۔جس کے پاس تھوڑی پونجی ہوتی اس سے درگزر کرتے اور ہر شخص کے پاس تھوڑا سا زادراہ رہنے دیتے بچوں اور عورتوں کو نہ چھیڑتے۔اللہ تعالیٰ نے اس مروت کے سبب توبہ کی توفیق عطا کی اور مقبولوں کا سردار بنا دیا۔ایک رات ایک قافلہ جا رہا تھا ان میں ایک شخص قرآن پاک کی آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الحدید۔۱۶)

ترجمہ:۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل یادِ الٰہی کیلئے جھک جائیں۔

یہ آیت سن کر آپ کی حالت متغیر ہوگئی اور فوراً پکار اٹھے ''ہاں ہاں وہ وقت آ گیا ہے۔ آپ روئے جاتے اور کہتے ''ہائے کب تک میں اس کام میں مبتلا رہوں گا''۔ آپ نے سچے دل سے توبہ کی جس کسی کا مال لوٹا تھا۔ اسے تلاش کر کے مال واپس کیا اور جس کسی کا دل دکھایا تھا اسے راضی کیا اور حتی الوسع لوگوں کے نقصان کی تلافی کی۔ لیکن ایک یہودی کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا۔ وہ آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا اگر مجھے راضی کرنا ہے تو ریت کے فلاں ٹیلے کو اٹھا کر دوسری طرف رکھ دے۔ آپ نے منظور کر لیا اور ریت اٹھا کر دوسری طرف رکھنا شروع کر دی۔ قادر مطلق کی قدرت کا ایسا اظہار ہوا کہ رات کو شدید آندھی آئی اور صبح تک ریت کا وہ ٹیلہ دوسری طرف لگ گیا۔ اب یہودی کہنے لگا میں نے یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک میرا مال آپ واپس نہیں کریں گے میں معاف نہیں کرونگا۔ لیکن اب آپ کے پاس تو کچھ ہے نہیں۔ دیکھئے میرے تکیے کے نیچے زر کی تھیلی پڑی ہے وہ اٹھا کر آپ مجھے دے دیں میں اسے آپ کی طرف سے ادائیگی سمجھ لوں گا۔ اس طرح میری قسم بھی پوری ہو جائے گی اور میں معاف کر دونگا۔ آپ نے اس کے تکیے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور تھیلی نکال کر یہودی کو دے دی۔ یہودی نے اسے کھول کر دیکھا تو وہ سونے سے بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر یہودی کہنے لگا ''مجھے کلمہ پڑھایئے میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں کیونکہ میں نے تورات میں پڑھا تھا کہ جس کی توبہ قبول ہوتی ہے وہ اگر مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو وہ سونا بن جاتی ہے میں نے یہ آزمانے کیلئے تھیلی میں ریت بھر دی تھی۔ وہ ریت

آپ کے ہاتھ لگنے سے سونے میں تبدیل ہوگئی ہے۔اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کی توبہ سچی ہےاور آپ کا دین بھی سچا ہے۔

چند ضروری امور بسلسلہ توبہ

توبہ در حقیقت کسی معصیت (گناہ) پراس لئے نادم ہونا ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی ہے مگر کسی گناہ سے اس لئے پرہیز کرنے کا عہد کر لینا کہ وہ صحت کیلئے نقصان دہ ہے یا کسی بدنامی یا مالی نقصان کا موجب ہے تو یہ بات توبہ کے زمرے میں داخل نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ جس وقت آدمی کو احساس ہو جائے کہ اس سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نافرمانی ہوگئی ہے اسی وقت اسے توبہ کر لینی چاہیے اور جس شکل میں بھی ممکن ہواس کی تلافی کر دینی چاہیےاسے ٹالنا یا کسی اور وقت پر اٹھا رکھنا بہت بڑی خطا ہے کیونکہ کیا خبر موت اس کو توبہ کی مہلت ہی نہ دے۔

تیسرے یہ کہ توبہ کر کے بار بار اسے توڑتے جانا اور اسی گناہ کا اعادہ کرتے جانا توبہ کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے کیونکہ توبہ کی اصل روح گناہ پر ندامت اور شرمساری ہے اور بار بار کی توبہ شکنی اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر شرمساری کا عنصر موجود نہیں اور در حقیقت اس کے دل میں خوف خدا اور خوف آخرت نے جڑ ہی نہیں پکڑی۔

اس باب کے شروع میں تحریر کردہ توبۃ نصوح والی آیت میں امید کا صیغہ ذکر کر کے یہ شعور دلانا مقصود ہے کہ گناہوں کا بخشنا اس کا فضل واحسان ہے بندوں کی توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بھی

واجب نہیں کی جاسکتی۔ بندے کو ہر حالت میں خوف اور امید کی حالت میں خوف اور امید کے درمیان ہونا چاہیے۔

وَادْعُوْهُ خَوْفاً وَّطَمَعاً اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (اعراف ۵۶)

اور اسے پکارو ڈرتے اور امید رکھتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے

ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ اپنی امت کے اطاعت گزاروں کو کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں مین قیامت کے روز بندے کو حساب کیلئے کھڑا کرونگا۔ اگر عذاب دینا چاہوں گا تو اسے عذاب دوں گا۔ اور اپنی امت کے نافرمانوں سے کہو کہ مایوس نہ ہوں کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ بخش دیتا ہوں اور مجھے کچھ پرواہ نہیں ہوتی۔

تین دیوان

بزاز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز بنی آدم کے تین دیوان (رجسٹر) پیش کئے جائیں گے۔ ایک دیوان میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں گی۔ ایک دیوان میں عمل صالح ہوگا۔ ایک دیوان میں اس کے گناہ ہوں گے۔ نعمتوں کے دیوان میں سب سے چھوٹی نعمت سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے عوض میں عمل صالح لے لو۔ وہ تمام اعمال صالحہ کو گھیر لے گی اور کہے گی تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا حق نہیں لیا۔ گناہ باقی رہ جائیں گے اور تمام اعمال صالحہ ختم ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر رحم کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو فرمائے گا اے

میرے بندے میں نے تیری نیکیوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے اور تیری برائیوں کو معاف کر دیا ہے اور اپنی نعمتیں تجھے عطا کر دیں۔ (حلیۃ الاولیاء جلد ۵)

عمل پر بھروسہ نہیں

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کسی کو بھی اس کا عمل نجات نہیں دے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو بھی؟ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے بھی نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی خصوصی رحمت اور فضل میں لپیٹ رکھا ہے۔

(صحیح بخاری) اس مضمون میں کثیر احادیث ہیں۔

بزرگان دین کے اقوال (بسلسلہ توبہ)

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ گناہوں پر نادم ہونا گناہوں کو مٹاتا ہے لیکن نیکیوں پر غرور یا فخر کرنا انہیں برباد کرتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا توبۃ نصوح یہ ہے کہ بندہ گذشتہ عمل پر شرمندہ ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

کلبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بندہ زبان سے استغفار کرے دل سے شرمندہ ہو اور اعضاء کو اس عمل سے روک دے۔

قرظی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ توبۃ نصوح میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ زبان سے استغفار کرے۔ اعضاء کو اس عمل سے روک دے۔ دل سے اس عمل کی طرف رغبت نہ کرے اور برے دوستوں سے دور رہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے عبادت بغیر توبہ کے صحیح

نہیں کیونکہ خدا نے توبہ کو عبادت پر مقدم کیا ہے۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ سے لوگوں نے پوچھا ''اگر گناہ گار توبہ کرے تو قبول ہوتی ہے یا نہیں؟ فرمایا توبہ وہی کرتا ہے۔ جسے وہ توفیق دے کہ توبہ کرے پھر جب توفیق دے دیتا ہے تو توبہ قبول کیوں نہ کریگا۔

حضرت ابو علی جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جو بندہ مالک کے دروازے پر پڑا ہے تو مالک لازماً اس کے لئے دروازہ کھولے گا۔

حضرت حاتم آصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''پانچ باتوں میں جلدی واجب ہے اول مہمان کے آگے کھانا رکھنے میں دوم میت کی تجہیز و تکفین کرنے میں سوم جوان لڑکی کے نکاح کرنے میں چہارم قرض ادا کرنے میں پنجم توبہ و استغفار کرنے میں۔

حضرت ذالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے دل کی توبہ حرام چھوڑنے میں ہے۔ آنکھ کی توبہ حرام چیز نہ دیکھنے میں ہے، کان کی توبہ یہ ہے کہ بیہودہ کلام نہ سنے، پیٹ کی توبہ حرام مال نہ کھانے میں ہے۔ شرم گاہ کی توبہ حرام کاری سے بچنے میں ہے ہاتھ پاؤں کی توبہ حرام جگہ نہ جاتے میں ہے۔

سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ توبہ کے بعد پھر گناہ کرنا ستر گناہوں کے برابر ہے۔ حضرت جنید بغدادی نے توبہ کے بارے میں فرمایا توبہ میں تین باتیں ہونی چاہیں اول ندامت دوسرے اس بات کا مصمم ارادہ کہ آئندہ خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کریں گے۔ تیسرے یہ کہ ماضی میں کئے ہوئے گناہوں کے کفارے کا خیال کرے۔

توبہ کی قبولیت کا اختیار

خالق کائنات رب العزت جس نے ساری کائنات کو تخلیق کیا۔ اعمال کے سلسلہ میں نیکی اور بدی کا وجود پیدا کیا اور اعمال نیک و بد کے صلہ کیلئے جنت و دوزخ پیدا کئے گئے اور صاحب اختیار وہی ذات باری ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور توبہ قبول کرنے کا اختیار بھی اسی ستار اور غفار کو ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ ھُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَاْ خُذُ الصَّدَقَاتِ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ہ (التوبہ ۱۰۴)

کیا وہ نہیں جانتے کہ وہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبول فرماتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے

اور جب یہ لوگ کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنی جان پر ظلم کر لیں (تو فوراً) اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں تو اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے؟ اور جو کچھ ان سے سرزد ہوا اس پر اصرار نہیں کرتے باوجود علم ہونے کے۔ (آل عمران۔۱۳۵)

اس آیت کریمہ میں سوالیہ جملہ "اللہ کے سوا گناہوں کو کون بخشتا ہے؟" معنی کے لحاظ سے بڑی گہرائی کا حامل ہے یعنی اس ذات وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی اس قدرت کا حامل نہیں ہے کیونکہ لوگ جو لوگوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں دراصل وہ اپنے حقوق معاف کرتے ہیں۔ وہ ذنوب اور معاصی (گناہوں)

کو معاف نہیں کرتے جو کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاف کرنے والا انسان اس امید پر معاف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے معاف کر دے گا۔

قرآن کریم میں سورۃ بقرہ میں ارشاد رب ذوالجلال ہے۔

البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں اور ظاہر کر دیں (جواب تک چھپاتے رہے ہیں) تو میں ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہوں۔ (سورہ البقرہ۔۱۶۰)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں آخری دو الفاظ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ میں رب ذوالجلال کی صفات تامہ کا ذکر ہے کہ میں بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہوں یعنی توبہ قبول کرنے کا اختیار بھی میرے پاس ہی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "بے شک جب بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن حکیم میں رب کائنات کا مزید ارشاد ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الشوریٰ۔۲۵)

اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور گناہوں سے درگذر کرتا ہے اور جو کچھ تم تم کرتے ہو وہ (سب) جانتا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ میں بھی یہی وضاحت موجود ہے کہ یہ صرف اسی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جس کو توبہ قبول کرنے کا اختیار ہے۔ وہ نہ صرف اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے بلکہ ان کی خطاؤں کی پردہ پوشی بھی کرتا

ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے بخشش کا پروانہ بھی عطا کرتا ہے۔ اور وہ سب اعمال جو ہم سے صبح و شام صادر ہوتے ہیں خواہ وہ ہزار پردوں میں چھپ کر کیئے ہوں وہ سب اس کے علم میں ہیں ہمارا ہر کام ہر فعل اس پر عیاں ہے وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔

وہی حاکموں کا حاکم وہی قادر و توانا
وہی کار سازِ مطلق وہی واحد و یگانہ
وہ منعمِ حقیقی وہی ہے حکیم و دانا
ہے دلوں میں یاد اس کی شب و روز والہانہ
کبھی کر ثمر نواز! میری مشکلیں بھی آساں
کہ سنا ہے ڈھونڈتی ہیں تیری رحمتیں بہانہ

باب سوم

گناہ

توبہ چونکہ گناہوں سے کی جاتی ہے اس لئے گناہ کے بارے میں معلومات کا حصول ضروری ہے۔ اس امر کی وضاحت کیلئے اس باب میں گناہ کی حقیقت اور اس سے متعلقہ دیگر ضروری امور کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ظاہری اور باطنی گناہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ط اور تم ظاہری گناہ کو بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ کو بھی
اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَیُجْزَوْنَ بلاشبہ جو لوگ گناہ کر رہے ہیں ان کو ان کے کئے
بِمَا كَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ ۝ (الانعام:۱۲۰) کی عنقریب سزا ملے گی۔

اللہ عزّ وجلّ اپنے بندوں پر کس قدر مہربان ہے کہ وہ ان کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک دیکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندو! ان ظاہری گناہوں کو بھی چھوڑ دو جن کو مخلوق دیکھتی ہے ان گناہوں کو بھی چھوڑ دو جن کو صرف میں دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اصل معاملہ اور فیصلہ تو میرے ہاتھ میں ہے۔

دنیا کے کسی نظام حیات میں ایسی جامعیت نہیں جیسی کہ اللہ کے دین اسلام میں ہے اس کی ہر بات جامع، کامل اور مکمل ہے وہ یہ نہیں چاہتا کہ صرف ظاہر کو سنوار لو اور در پردہ جو جی چاہے کرتے رہو۔ اور نہ یہ چاہتا ہے کہ باطن کو سنوار لو اور ظاہری طور پر جو جی چاہے کرتے رہو۔ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ تمہارا ظاہر بھی آراستہ ہو اور باطن بھی منور ہو پھر انسان کامل ہوتا ہے۔

علماء کرام ظَاهِرَ الْاِثْمِ سے مراد وہ گناہ لیتے ہیں جو ظاہری اعضاو

جوارح سے کئے جاتے ہیں اور بَـاطِنَهٗ سے وہ گناہ مراد لیتے ہیں جن کا تعلق دل و دماغ اور نفس سے ہے اور قصد و نیت سے کئے جاتے ہیں۔

ظاہری گناہوں کو تو اکثر لوگ جانتے ہیں کہ اس سے مراد شرک، کفر، زنا، چوری، قتل، شراب، سود خوری، جوا اور رشوت وغیرہ ہیں۔ باطنی گناہ تکبر، انانیت، حسد، بغض، کینہ، ریا کاری اور خود پسندی وغیرہ ہیں۔

ہر گناہ کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جب تک دونو کو نہ چھوڑا جائے ترک گناہ کا عمل مکمل نہیں ہوتا مثلاً ایک آدمی حرام ذرائع سے مال و دولت کماتا ہے۔ مخلوق کے حقوق مارتا، رشوتیں لیتا اور دیتا ہے میراث کی جائیداد اور مال خورد برد کر دیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ گناہ کا ظاہر ہے گناہ کا باطن یہ ہے کہ اس کے دل میں مال کی ایسی محبت ہے جیسی اللہ سے ہونی چاہیے۔ اسی طرح دوسرے گناہوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ درحقیقت تمام گناہوں کا باطن ماسویٰ اللہ کی محبت ہے اور ماسویٰ کی گرفتاری اور دنیا کی محبت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے سوا کو اس کا شریک بناتے ہیں۔ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی چاہیے۔

اور ارشاد نبویؐ ہے!

حُبَّ الدُّنیَا رَاسُ کُلِّ خَطِیئَةٍ   دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

گناہ کی حقیقت اور تشریح

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ (اثم) وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور لوگوں کے اس پر مطلع ہونے کو تو برا سمجھے۔ (صحیح مسلم کتاب البر)

گناہ کی اصلیت یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے خواہ یہ حدود حلال کو حرام کرنے میں ہوں یا حرام کو حلال کرنے سے متعلق ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ اوامر ونواہی کی خلاف ورزی کرنا یا اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے باہر نکل جانا گناہ کہلاتا ہے۔ خواہ وہ عقیدہ کے گناہ ہوں یا عمل کے ذاتی اعمال کے گناہ ہوں یا لوگوں کے حقوق کے۔

اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب قرآن کریم میں گناہ کیلئے ذَنب، سیّئة، کُفر فِسق، فُجور، عِصیان، اِثم اور بَغیُ وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

کُفر، فِسق، عِصیان: ۔ تینوں سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانا اور اوامر ونواہی سے روگردانی کرنا ہے تفسیر مظہری میں سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۷ کی تشریح کے تحت علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ نے وضاحت فرمائی ہے کہ آیت کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ فسق کفر سے خفیف اور عصیان سے قبیح ہے اس سے مراد ہے جماعت سے نکل جانا اور عقائد میں ایسی بدعت کا ارتکاب کرنا جس کے باعث اسے کافر قرار نہ دیا جاسکے۔ یہ درجہ کفر سے کم اور اعضاء کی نافرمانی سے زیادہ ہے

فُجُور: ۔ (تقوی کا متضاد) کھلا گناہ۔

اِثم: ۔ اثم سے مراد ہر وہ کام ہے جو موجب گناہ ہو یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ الضحاک فرماتے ہیں کہ الاثم وہ گناہ ہے جس پر حد نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اثم سے مراد شراب ہے اثم کے اصل معنی کوتاہی کے ہیں۔ اِثمہ اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو تیز چل سکتی ہو مگر جان بوجھ کر سست چلے۔ اسی سے اس لفظ سے گناہ کا مفہوم پیدا ہوتا ہے یعنی انسان اپنے رب کی اطاعت اور

فرمانبرداری میں قدرت اور استطاعت کے باوجود کوتاہی کرے اور اللہ کی رضا کو پہنچنے میں جان بوجھ کر قصور دکھائے۔اس میں ناجائز فعل۔گناہ اور جرم شامل ہیں جن کا اثر انسان کی اپنی ذات سے ہو۔**بغیٌ** سے مراد وہ گناہ ہیں جن کے اثرات دوسروں تک پہنچیں۔اس میں کبر۔ظلم۔شرک اور افترا علی اللہ ہیں نیز عادل حاکم کے خلاف بغاوت وغیرہ شامل ہیں۔**ذنبٌ** سے مراد مطلق گناہ کے ہیں۔

سَیِّئة :۔سَیِّاٰت چھوٹے گناہوں کو کہا جاتا ہے جیسے کہ بری نظر سے دیکھنا۔چھونا بوسہ لینا اور ان کے مشابہ دیگر اعمال۔ایسے تمام چھوٹے گناہوں کو نماز روزہ اور اذکار سے مٹ جاتے ہیں۔

گناہ کی اقسام

بلحاظ شدت گناہ کی دو اقسام ہیں (i) گناہ کبیرہ (ii) گناہ صغیرہ

اسی طرح بلحاظ حقوق بھی گناہ کی دو اقسام ہیں (i) گناہ بسلسہ حقوق اللہ (ii) گناہ بسلسلہ حقوق العباد۔

اوّلاً پہلی دونو اقسام یعنی کبائر اور صغائر کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا۔

(سورۃ النساء۔۳۱)

اگر تم بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہاری خفیف برائیوں کو تمہارے حساب سے ساقط کر دینگے اور تمہیں عزت کی جگہ (جنت) میں داخل کرینگے

کبائر

كُلَّ مَا نُهِيَ مِنْهُ فَهُوَ كَبِيْرَةٌ یعنی وہ تمام کام جن سے منع کیا گیا ہو وہ سب کبیرہ ہیں۔ (عبداللہ بن عباسؓ) ''ہر وہ فعل گناہ کبیرہ ہے جسے قرآن وسنت کی نصِ صریح نے منع کیا گیا ہو۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے کوئی سزا مقرر کی ہو یا اس پر آخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہو۔ یا اس کے مرتکب پر لعنت کی ہو یا نزول عذاب کی خبر دی ہو ایسے تمام اعمال گناہِ کبیرہ میں شمار ہوتے ہیں اور باقی جتنے بھی افعال شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ صغائر کی تعریف میں آتے ہیں۔ لیکن صغیرہ گناہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کی تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتائی تو آپ نے فرمایا کہ سات نہیں سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ امام ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب الزّ واجر میں جو تفصیل بیان کی ہے اس سے کبائر کی تعداد چار سو سڑسٹھ (۴۶۷) تک پہنچتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف مقامات پر حالات کی مناسبت سے ان کی تعداد کہیں تین، کہیں چھ کہیں سات اور کہیں اس سے بھی زیادہ فرمائی ہے اس سے علمائے امت نے یہ سمجھا کہ اس سے کسی عدد پر انحصار کرنا مقصود نہیں بلکہ مواقع اور مناسبت کے لحاظ سے جتنا مقصود سمجھا گیا فرما دیا۔

رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں بھی جو سب سے بڑے ہیں میں تمہیں ان سے باخبر کرتا ہوں وہ تین ہیں:۔

1- اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔

2- ماں باپ کی نافرمانی۔

3- جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹ بولنا۔آپ ﷺ نے آخری جملہ قول الزّور بار بار فرمایا (بخاری۔مسلم)

آپ ﷺ سے کسی نے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر پوچھا اس کے بعد کونسا بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کو اس خطرہ سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے کھانے میں شریک ہوگا تمہیں اس کو کھلانا پڑے گا۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد کونسا سب سے بڑا گناہ ہے۔فرمایا ''اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرنا۔ (بدکاری خود ہی ایک بڑا جرم ہے اور پڑوسی کے اہل وعیال کی حفاظت بھی چونکہ اپنے اہل وعیال کی طرح انسان کے ذمے لازم ہے۔اسی لئے یہ جرم دگنا ہوگا۔ (بخاری ومسلم۔ترمذی۔نسائی۔احمد)

اسی طرح دوسرے کے ماں باپ کو گالی دینا۔شرک۔قتل ناحق۔یتیم کا مال ناجائز طریقے سے کھانا۔سود کھانا۔میدان جہاد سے بھاگنا۔پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ بیت اللہ کی بے حرمتی کرنا صحیح حدیث کی رو سے کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں۔

روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ کوئی شخص دارالکفر سے ہجرت کرنے کے بعد دوبارہ دارالہجرۃ کو چھوڑ کر دارالکفر میں چلا جائے۔

دیگر روایات میں یہ صورتیں بھی کبیرہ گناہوں میں شامل ہیں جھوٹی قسم کھانا۔ضرورت سے زیادہ پانی کو روک رکھنا اور ضرورت مندوں کو نہ دینا۔ جادو سیکھنا اور جادو کا عمل کرنا۔

فرمایا شراب پینا اکبر الکبائر ہے۔ فرمایا شراب ام الفواحش ہے کسی مسلمان بھائی پر ایسا الزام لگانا جس سے اس کی آبروریزی ہوتی ہو۔

فرمایا جس شخص نے بغیر کسی شرعی عذر کے دونمازوں کو ایک وقت میں جمع کیا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور اس کے عذاب اور سزا سے بے خوف ہو جانا بھی کبیرہ گناہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ وارث کو نقصان پہنچانے اور اس کا حصہ میراث کم کرنے کیلئے وصیت کرنا بھی کبائر میں سے ہے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ چغلی کھانے والا جنت میں نہ جائے گا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "خائب و خاسر ہوئے اور تباہ ہو گئے" یہ کلمات تین بار دہرائے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ محروم القسمت اور تباہ حال کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا۔ "ایک وہ شخص جو تکبر کے ساتھ تہبند۔ کرتہ۔ عبا یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکائے۔ دوسرے وہ آدمی جو اللہ کی راہ میں خرچ کر کے احسان جتلائے۔ تیسرے وہ آدمی جو بوڑھا ہونے کے باوجود بدکاری میں مبتلا ہو۔ چوتھے وہ آدمی جو بادشاہ یا افسر ہونے کے باوجود جھوٹ بولے۔ پانچویں وہ آدمی جو عیال دار ہونے کے باوجود تکبر کرے۔ چھٹے وہ آدمی جو کسی امام کے ہاتھ پر محض دنیا کی خاطر بیعت کرے۔ (صحیح مسلم)

نسائی اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ چند آدمی جنت میں نہ جائیں گے۔ شرابی، ماں باپ کا نافرمان، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا، احسان جتانے والا، جنات و شیاطین یا دوسرے ذرائع سے غیب کی خبریں بتانے والا۔ دیوث

یعنی اپنے اہل وعیال کو بے حیائی سے نہ روکنے والا۔

مسلم شریف میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس شخص پر جو کسی جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کیلئے قربان کرے۔

فواحش کے گناہ عام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سخت ہیں۔ اور ایک متعدی مرض کی مانند ہوتے ہیں۔ فواحش کا لفظ ان کاموں کیلئے بولا جاتا ہے جن میں بے حیائی ہو جیسے زنا اور اس سے قبل کے مراحل۔ نیز وہ اعمال جو ڈھٹائی کے ساتھ اعلانیہ کئے جائیں ان کا وبال بھی شدید اور پورے انسانی معاشرے پر پڑتا ہے۔

مختصر یہ کہ کبیرہ گناہوں کا شمار ایک مشکل امر ہے۔ مزید بروئے روایات احادیث اللہ کی ذات یا صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ قصداً کسی فرض نماز کو چھوڑنا۔ ناحق قتل کرنا۔ حرام کاری۔ چوری۔ شراب نوشی۔ ماں باپ کی نافرمانی۔ جھوٹی قسم۔ جھوٹی گواہی۔ جادو کرنا۔ سود کھانا۔ ناجائز۔ یتیم کا مال کھانا۔ میدان جہاد سے بھاگنا۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا۔ کسی کا مال ناجائز طور پر غصب کرنا۔ عہد شکنی کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا۔ گالی دینا۔ کسی کو ناجائز مجرم قرار دینا وغیرہ۔

صغائر

کبیرہ گناہوں کے علاوہ دوسرے گناہ جو شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہیں وہ صغیرہ یا صغائر کہلاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جن گناہوں کو صغیرہ کہا جاتا ہے۔ ان کے ارتکاب میں سستی روا رکھی جائے اور ان کو معمولی سمجھ کر ارتکاب کرتے ہوئے پروانہ کی جائے یا ان کے کرنے کیلئے آدمی بے باک ہو جائے۔ یہ امر پیش نظر رہے کہ ایک صغیرہ گناہ پر اصرار اور اس کو جاری رکھنا

اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔

کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ بڑے گناہ اور چھوٹے گناہ کی مثال ایسی ہے جیسے بڑا بچھو اور چھوٹا بچھو یا آگ کی بڑی چنگاری اور چھوٹی چنگاری۔ اور انسان تو دونوں میں سے کسی کو بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اسی امر کے پیش نظر میرے شیخ و مرشد صوفی عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی گناہ کو ترک کرنا کوئی نیکی کرنے سے بدرجہا افضل ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ لوگو تم ایسے اعمال کر رہے ہو جو تمہاری آنکھوں میں بال سے بھی باریک ہیں لیکن ہم رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں انہیں سخت نقصان دہ اور ہلاک کرنے والے کام سمجھا کرتے تھے۔

(بخاری و مسند احمد)

حضرت ابن کعبؓ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ گناہوں کو ترک کیا جائے۔ جو لوگ گناہوں کو نہیں چھوڑتے ان کی عبادت مقبول نہیں۔

گناہوں کی اقسام کبائر اور صغائر کے بعد اب گناہوں کی ان دو اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے۔

حقوق اللہ اور حقوق العباد

حقوق اللہ

حقوق اللہ سے مراد بندے کے ذمہ وہ فرائض ضروریہ ہیں جن کا تعلق بندے اور اللہ کے درمیان ہے جیسے کہ نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ رمضان شریف

کے روزے رکھنا وغیرہ یہ سب توبہ واستغفار کرنے۔ اللہ کے حضور گڑگڑانے۔ آہ وزاری کرنے اور نیک اعمال کرنے سے معاف ہوسکتے ہیں۔

حقوق العباد

حقوق العباد سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا تعلق بندے اور دوسرے لوگوں اور مخلوق خدا سے ہے۔

مثال کے طور پر کسی کا مال چوری کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا۔ بہتان باندھنا۔ کسی کو دھوکہ دینا۔ ظلم کرنا۔ قتل کرنا وغیرہ ان گناہوں کی معافی اس وقت تک نہ ہوگی۔ جب تک ان کا پورا بدلہ نہ دیا جائے یا معافی مانگ کر مدعی کو راضی کیا جائے

قیامت خسارے کا دن ہے اس کیلئے سامان اسی دنیا سے کرنا چاہیے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونو کو پیش نظر رکھے۔ ذیل میں اسی مقصد کے پیش نظر ایک سبق آموز اور فکر انگیز حدیث درج کی جاتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ "تم جانتے ہو مفلس شخص کون ہوتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال و متاع نہ ہو ہم اس کو مفلس سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا۔ مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی کسی پر بہتان باندھا۔ کسی کو مارا یا قتل کیا کسی کا مال ناحق لے لیا۔ (یہ حق داران سب جمع ہونگے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا۔ کوئی روزہ کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنات جب سب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس ظالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ

اسے جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔ (مسلم۔ترمذی)

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہیے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا کردے یا معاف کرا کے سبکدوش ہوجائے ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار (روپیہ پیسہ) تو ہونگے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا۔ اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکا دیا جائے گا۔ اعمال صالحہ ختم ہوجائیں گے تو اسکے حق کے بقدر مظلوم کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے۔ (مظہری)

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَار.

حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے "کہ اگر تو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ تیرے اور تیرے رب کے درمیان ستر گناہ ہوں تو یہ آسان ہے بنسبت اس کے کہ تیرے اور دوسرے انسان کے درمیان (صرف) ایک گناہ ہو۔ یعنی حقوق اللہ میں سے ستر ادا نہ کئے ہوں تو ان پر اتنی سخت گرفت نہ ہوگی۔ جتنی گرفت حقوق العباد میں سے ایک حق پامال کرنے پر ہوگی۔

محرکات عصیاں

وہ عوامل جو کسی گناہ کے ارتکاب میں ایک محرک کا کام دیتے ہیں یا وہ اسباب جن سے کوئی گناہ کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے دو قسم کے ہیں۔

1- ظاہری عوامل 2- باطنی عوامل

ظاہری عوامل

ظاہری عوامل میں سب سے پیش پیش دنیا کی رغبت اور مال و دولت کا لالچ ہے۔ فی زمانہ ہر شخص یہ خواب دیکھتا ہے کہ وہ صبح اٹھے تو اس کی ملکیت میں

کاریں، کوٹھیاں، بڑی بڑی حویلیاں ہوں وہ ملوں، فیکٹریوں کا مالک ہو۔ مال و دولت کی ریل پیل ہو اور اس کے آگے پیچھے بیشمار نوکر چاکر ہوں۔ انسان جب لذات دنیا میں کھو جاتا ہے تو جلبِ مال وزر اسے روحانیت کے پاکیزہ جذبات اور ماحول سے دور کر دیتی ہے۔ نیک و بد اور خیر و شر کی تمیز کا احساس اس کے دل سے ختم ہو جاتا ہے اور فانی دنیا کے حصول کیلئے کسی برائی کے ارتکاب سے گریز نہیں کرتا۔ اللہ رب ذوالجلال کے اوامر و نواہی کی بھی پروا نہیں کرتا اور شریعت کی حدود کو پھاند کر ہر جائز و ناجائز فعل کر گزرتا ہے اس کے پیش نظر صرف اور صرف دنیاوی مفادات کا حصول ہوتا ہے وہ شریعت مطہرہ کی حدود اور احکامات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے نیکی اور بدی کی تمیز اس کے نزدیک ختم ہو جاتی ہے آقائے دوجہاں ﷺ کا ارشاد ہے۔

حُبُّ الدُّنيا رَاسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

دنیا کی پرتعیش آسائشات کا حصول اور مال واولاد کی محبت، نمود و نمائش کا ماحول اور مغربی تمدن کے اثرات اور عوامل اسے راہ راست سے بھٹکا دیتے ہیں اس ناپائیدار اور نابکار دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر گناہ کی ظلمتوں اور برائیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گم ہوتا چلا جاتا ہے خوف خدا اور فکر آخرت اس کے دل سے نکل جاتے ہیں۔ قلب سیاہ ہو جاتا ہے نور حق کی روشنی سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور زمانے کی روش اور گندے ماحول کے رسوم و رواج کی تیز رو میں بہہ نکلتا ہے اور اسلام کے پاکیزہ شعار سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔

جاہ و منصب کی طلب اور ہوس بھی اس میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اعلیٰ عہدوں اور مناصب کے حصول کیلئے وہ ناجائز ذرائع رشوت و سفارش وغیرہ کے

استعمال میں گریز نہیں کرتا نیز سادگی کی زندگی سے انحراف اور کنارہ کشی بھی گناہوں میں مبتلا ہونے کے اسباب میں سے ہے۔

باطنی عوامل

متاع دنیا اور گناہ کی رغبت دلانے والے باطنی عوامل میں شیطان اور نفس امارہ شامل ہیں۔ یہ دونوں انسان کے حقیقی دشمن ہیں اور انسان کے دل و دماغ میں وسوسے پیدا کر کے اسے گناہوں کی دلدل میں پھنسا دیتے ہیں۔ انسان کا دل فی ذاتہ فطرتاً پاکیزہ اور نورانی ہوتا ہے اور روحانی کیفیات و تجلیات کا مرکز ہوتا ہے۔ لیکن ابلیس اور نفس امارہ دونوں ایسے روحانی دشمن ہیں کہ انسان کو راہِ راست سے بھٹکانے کیلئے ہمہ وقت آمادہ اور مستعد رہتے ہیں اور اسے گمراہ کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

ابلیس (شیطان):۔ انسان کو شیطانِ لعین کی انسان دشمنی سے آگاہ اور خبردار کرنے کیلئے قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ (البقرہ ۱۶۸،۱۶۹)

اور شیطان کی قدم بہ قدم پیروی نہ کرو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے بے شک وہ تمہیں حکم دیتا ہے صرف برائی اور بے حیائی کا اور یہ کہ تم بہتان باندھو اللہ پر جو تم نہیں جانتے۔

سورۃ مائدہ میں مزید ارشاد ہے۔

”شیطان تو یہی چاہتا کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض پیدا کردے اور تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے پس کیا تم اب باز آجاؤ گے“۔ (المائدہ۔۹۱)

مندرجہ بالا آیات قرآنی کی وضاحت سے شیطان کی حقیقت اور اس کی انسان دشمنی واضح ہو جاتی ہے۔ شیطان کے بارے میں ابن الجوزیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

(یَجْرِیْ مَجْرِی الدَّمْ) اور یہ حیرت کی بات نہیں کیونکہ شیطانی ارواح جسم میں ہوا کی طرح سرایت کر جاتی ہیں اور موقع کی مناسبت سے اپنا عمل جاری رکھتی ہیں۔ شیطان کے بارے میں ایک اور آیت میں ارشاد ہے۔

اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط (الاعراف۔27) بے شک وہ (شیطان) تمہیں دیکھتا ہے اور اس کا کنبہ (لشکر) جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے (1)

ابلیس کے وساوس سے بچاؤ کی صورت

ذکر الٰہی:۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''شیطان بنی آدم کے دل پر جم کر بیٹھتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب وہ (ذکر سے) غافل ہوتا ہے تو وسوسے ڈالتا ہے''۔

اس حدیث مبارکہ سے شیطان کے وساوس سے بچنے کا علاج تو دریافت ہو گیا کہ اسے اپنے جسم و روح، خیال، دماغ اور دل سے دور کرنے کیلئے

---

(1)۔ حضرت ذوالنون مصریؒ کا ارشاد ہے کہ وہ (شیطان) تجھے دیکھتا ہے اور تو اسے نہیں دیکھ سکتا اس لئے تو ایک ایسی ہستی کی پناہ میں آ جا جو تیرے دشمن (شیطان) کو دیکھتی ہے اور وہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ (مظہری)۔ گویا استعاذہ (اعوذ باللّٰہ پڑھنا) اللہ کی پناہ میں آنا شیطان کے وسوسوں کا بہترین علاج ہے۔

اللہ کا ذکر ایک مکمل اور شافی علاج ہے اور یہ شیطان اور اس کے لشکر کے خلاف ایک بہت بڑا دفاع ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل رہنا گویا شیطان کو دعوت دینا ہے جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اور اس کی یاد سے غافل ہو جاتے ہیں شیطان آن کے دل و دماغ پر قبضہ جما کر انہیں اپنی آماجگاہ بنا لیتا ہے اور اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ وہ انسان کو اللہ کی یاد سے غافل رکھے اور بلا روک ٹوک اسے اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں میں مبتلا کر کے اس کی عاقبت اور اخروی زندگی برباد کر دے۔ اس کی یاد سے غفلت برتنے والوں کیلئے قرآن پاک میں ان الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ٥ (سورۃ الزخرف۔۳۶)

اور جو شخص رحمٰن کے ذکر سے اندھا بن جاتا ہے (یعنی غفلت اختیار کر لیتا ہے) تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔

معلوم ہوا کہ شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں پہلی چیز استعاذہ یعنی شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اور دوسری یہ کہ اللہ عزوجل کا ذکر۔ ذکر کے سلسلہ میں اللہ کی یاد۔ اس کے ذاتی اور صفاتی ناموں کا تکرار۔ کلمہ طیبہ کا ذکر۔ قرآن پاک کی تلاوت اور نماز بھی شامل ہے۔

اللہ جل جلالہ سے دعا ہے کہ وہ شیطان کے وساوس سے محفوظ رکھے۔

نفسِ امّارہ: شیطان سے بھی بڑا انسان کا دشمن نفسِ امارہ ہے۔

نفس ایک جسم لطیف اور روح حیوانی ہے اور اسکا طبعی میدان، حیوانی خواہشات، اخلاق رذیلہ اور شہوات کی جانب ہے۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَ مَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّیْ ط (سورہ یوسف)

بے شک نفس تو لازماً برائی کا حکم دیتا ہے مگر (وہی بچتا ہے) جس پر میرا رب رحم کرے۔

گویا بنیادی طور پر انسان کے خمیر میں ودیعت کردہ نفس امّارہ ایسے مادہ سے تیار کیا گیا ہے جو اسے گناہ۔ نافرمانی اور فسق و فجور کی جانب راغب اور آمادہ کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اس سے مستثنٰی ہیں۔ ان کا نفس مسلسل مجاہدہ، عبادت، ریاضت، یادالٰہی اور تقویٰ کی بدولت نفس لوامہ اور مسلسل ریاضت، دوامِ ذکر سے رزائل سے پاک ہو کر نفس کاملہ اور مطمئنہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے ایسے نفس کا حامل اس وقت نہ صرف مومن صادق بلکہ ولی کامل ہوتا ہے۔

نفس امّارہ انسان کا شیطان سے بھی بڑا دشمن ہے۔ شیطان سے تو لاحول پڑھنے سے بھی نجات مل جاتی ہے لیکن یہ اندرونی دشمن نفس امارہ تو احساس تک نہیں ہونے دیتا اور انسان کی عاقبت تباہ کر ڈالتا ہے۔ فرشتوں میں سب سے برگزیدہ شخصیت عزازیل کی تھی لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا جسد بنایا اور اس میں روح پھونکی اور فرشتوں سے کہا کہ اس کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا لیکن ابلیس نے نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے استفسار پر اس نے جواب دیا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے اسے مٹی سے پیدا کیا اور مجھے آگ سے اس وقت تک شیطان کا وجود نہ تھا۔ یہ صرف اس کا نفس امارہ تھا جس نے عزازیل کو اکسایا کہ تو آدم سے برتر ہے سجدہ نہ کر۔ چنانچہ اس نے تکبر کا اظہار کرتے ہوئے اللہ

تعالیٰ کی حکم عدولی کر کے کفر کا اظہار کیا اور راندہ درگاہ ہوگیا۔ نفس امارہ کی اکساہٹ نے اسے اعزازیل سے ابلیس اور شیطان بنادیا۔

نفس ہمیشہ انسان کو برائی کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور پے در پے برائیاں کرتے کرتے انسان کا دل سیاہ ہوجاتا ہے اور پھر کسی کار خیر اور نیکی کی رغبت دل سے ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ پڑ جاتا ہے۔ اسی کے بعد اگر وہ اسے چھوڑ دے اور معافی مانگ لے تو وہ دھبہ ختم کردیا جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ گناہ کرتا رہے تو دھبہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے پورے دل پر چھاجاتا ہے اسی حالت کا نام رین ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلىٰ قُلُوْ بِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (سورۃ تطفیف)

ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے۔

جب دل کی یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو حق بات اس میں سرایت نہیں کرتی اس ظلماتی کیفیت کو دور کرنے کیلئے اور تزکیہ نفس کیلئے اللہ تعالیٰ کا ذکر بہترین علاج ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لِكُلِّ شَیْءٍ ثِقَالَةٌ'' وَثِقَا لَةُ'' الْقَلْبِ ذِكْرُ اللّٰهِ

ہر چیز کو چمکانے کیلئے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے اور دل کو چمکانے (زنگ میل دور کرنے) والی چیز اللہ کا ذکر ہے۔

ثابت ہوا کہ اللہ کے ذکر سے برائیوں کی ظلمت اور سیاہی دور ہوجاتی

ہے اور دل دوبارہ پاک وصاف اور نورانی ہو جاتا ہے۔

سابقہ صفحات میں شیطان کے شر اور وساوس کے دور کرنے کیلئے ذکر اللہ کی اہمیت واضح کی جا چکی ہے اس طرح انسان کے دونوں باطنی اور روحانی دشمنوں شیطان اور نفس امارہ کیلئے جو نسخہ کیمیا ہاتھ آیا وہ ہے اللہ کا ذکر۔ جتنا اللہ تعالیٰ کا زیادہ ذکر کیا جائے گا اتنا ہی انسان شیطان اور نفس امارہ کے مکروفریب سے بچتا رہے گا اور نیکیوں کی توفیق حاصل رہے گی۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَر اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔

تمام اعمال سے بہتر عمل

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”کہ تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جو تمام اعمال سے بہتر ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک پاکیزہ اور تمہارے درجوں کو بہت زیادہ بلند کرنے والی اور سونے چاندی کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے سے بھی بہتر اور (جہاد میں) تم دشمنوں کو قتل کرو اور وہ تمہیں قتل کریں اس سے بھی بہتر ہو۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ کا ذکر“ سب سے افضل و اعلیٰ ہے (ترمذی)

ترے سوا سنا ہی نہیں اس صفات کا ۔۔۔ حقا شریک کوئی نہیں تیری ذات کا

تسبیح تری ذات کی ورد زباں رہے ۔۔۔ ثابت ہے جب تلک رشتہ حیات کا

مضرات گناہ

مضرات گناہ سے مراد ہے گناہ کے نقصانات گناہ سراسر گھاٹا اور نقصان ہی نقصان ہے۔ گناہگار کو دنیا میں بھی ذلت اور خواری حاصل ہوتی ہے اور

آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے گناہ کے مضرات شمار سے باہر ہیں۔ چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1- گناہ کا مرتکب ہونے والا علم کی حقیقی دولت سے محروم رہتا ہے کیونکہ علم نور خدا ہے اور نور خدا گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔ اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رباعی شاہد ہے۔

شَکَوْتُ اِلیٰ وَکِیعٍ سُوْءَ حِفْظِیْ ۔۔۔ فَاَوْصَانِیْ اِلیٰ تَرْکِ الْمَعَاصِیْ

لِئَنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِنَ اِلٰہٖ ۔۔۔ وَنُوْرُ اللّٰہِ لَا یُعْطِیْ لِعَاصِیْ۔

(امام شافعیؒ)

ترجمہ:۔ میں نے وکیع سے اپنی یادداشت کے کم ہونے کا شکوہ کیا تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی نصیحت کی۔ کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گنہگار کو عطا نہیں کیا جاتا۔

2- گناہ سے روزی میں برکت کم ہو جاتی ہے جبکہ تقویٰ اور پرہیز گاری سے روزی میں برکت زیادہ ہوتی ہے سورۃ طلاق میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو اللہ سے ڈرے اسے ہر تنگی سے فراخی دی جاتی ہے اور اللہ ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا"۔

3- ایک گناہ کرنے سے دوسرے گناہ کیلئے جرأت ہوتی ہے اور اس طرح پے در پے گناہوں سے خوفِ خدا دل سے نکل جاتا ہے اور گناہوں کے ارتکاب پر دلیری اس کا نامۂ اعمال سیاہ کرنے میں اضافہ کرتی ہے۔

4- گناہوں سے دل کی ظلمت بڑھتی چلی جاتی ہے اور بالآخر وہ سیاہ ہو جاتا ہے اور کارہائے خیر کی رغبت ختم ہو جاتی ہے۔

5- گناہگار نیکی اور بدی کے امتیاز سے محروم ہو جاتا ہے۔ گناہ کرتے کرتے گناہ کے ساتھ ایسی رغبت ہو جاتی ہے کہ برائی کا احساس تک نہیں رہتا۔ اور اس قماش کے لوگ اپنے گناہ اور جرم کے اظہار سے ندامت اور شرم محسوس کرنے کی بجائے فخریہ طور پر اس کا ذکر دوسرے لوگوں سے کرتے ہیں۔

6- جب انسان گناہ کا عادی ہو جاتا ہے تو توبہ کی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتا اور دل توبہ کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی عاقبت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔

7- گناہ کرنے سے دونو جہاں کی ذلت وخواری مقدر بن جاتی ہے۔ عوام کی نظر میں ذلیل وخوار ہوتا ہے۔ اور اس کی ہدایت کے مواقع مفقود ہو جاتے ہیں۔ مَنْ یُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهُ (جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں)۔

8- گناہ کا وبال صرف گنہگار تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ وباء دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور دیکھا دیکھی معاشرہ برائی کی راہ پر چل نکلتا ہے۔

9- حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ چوپائے، کیڑے، سانپ اور بچھو بھی گنہگاروں سے پناہ مانگتے ہیں۔ ان کی شامت سے پانی بند اور قحط سالی ہو جاتی ہے۔

گناہوں کا کفارہ اور مغفرت

جیسا کہ اس باب کے شروع کے صفحات میں سورۃ النساء کی آیت مبارکہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو

چھوٹی برائیوں کو تمہارے حساب سے ساقط کردیا جائے گا۔ اس کی شرح یوں ہے کہ اللہ رب العزت غفور الرحیم ہے۔ وہ چھوٹے گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے انہیں معاف کردیتا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتی ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ وضو کرتے ہوئے ہر عضو کے دھونے سے اس عضو کے گناہ جھڑ جاتے ہیں پھر جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

بروئے قرآن کریم:۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں۔ (ھود۔۱۱۴)

لیکن ان سب سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ کبیرہ گناہ تو سچی توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے وضو نماز اور دیگر نیک اعمال کرتا ہے تو اس کے صغیرہ گناہوں کا بھی کفارہ نہیں ہوگا۔ کبیرہ تو اپنی جگہ موجود ہیں ہی۔

ابن ادھمؒ کی نصیحت

حضرت ابراہیم بن ادھمؒ سے ایک شخص نے عرض کیا یا شیخ میں نے اپنے اوپر بہت ظلم کیا ہے مجھے کوئی نصیحت کیجئے تا کہ اس پر عمل کروں۔ آپ نے فرمایا ''اگر تو چھ خصلتوں کو قبول کرلے تو اس کے بعد تو جو کچھ بھی کرے گا اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

اوّل:۔ یہ کہ جب تو معصیت (گناہ) کرے تو خدا کی روزی نہ کھا۔ اس نے کہا کہ جب رازق وہی ہے تو کہاں سے کھاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بات اچھی

نہیں کہ آقا کی نافرمانی بھی کرے اور اسی کی روزی بھی کھائے۔

دوم:۔ یہ کہ اگر معصیت کرنا چاہتا ہے تو اس کے ملک سے باہر نکل جا۔ اس نے کہا کہ: شرق و مغرب شمال و جنوب سب کا مالک اللہ ہی ہے آخر میں کہاں جا سکتا ہوں فرمایا یہ بات اچھی نہیں کہ تو اسی کے ملک میں رہے اور اسی کی نافرمانی کرے۔

سوم:۔ یہ کہ جب تو گناہ کرنا چاہے تو ایسی جگہ کر جہاں وہ تجھ کو نہ دیکھے۔ اس نے کہا وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ ایسی جگہ کونسی ہے جہاں وہ موجود نہ ہو۔ فرمایا یہ بات اچھی نہیں کہ تو اس کو حاضر و ناظر بھی جانے اور پھر بے دھڑک ہو کر گناہ بھی کرے۔

چہارم:۔ یہ کہ جب ملک الموت تیری روح قبض کرنے آئے تو اس سے کہہ دے کہ تجھے توبہ کرنے کی مہلت دیدے۔ اس نے کہا کہ وہ تو میری بات قبول نہیں کریگا۔ موت کا وقت تو مقرر ہے۔ فرمایا اگر تم کو یہ اختیار نہیں کہ توبہ کیلئے مہلت مانگ لو تو اس وقت کو غنیمت جانو اور ملک الموت کے آنے سے پہلے توبہ کر لو۔

پنجم:۔ یہ کہ جب تیرے پاس منکر نکیر آئیں تو ان کو اپنے پاس سے دور کر دے اس نے کہا بھلا مجھ میں اتنی طاقت کہاں؟ فرمایا اگر یہ طاقت نہیں تو ان کے سوالوں کے جواب دینے کیلئے اپنے آپ کو تیار کر۔

ششم:۔ یہ کہ قیامت کے دن جب حکم ہوگا کہ گنہگاروں کو دوزخ میں لے جاؤ تو اس وقت کہنا میں نہیں جاتا۔ اس نے کہا میرے کہنے کا کیا ہے وہ تو مجھے زبردستی گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ فرمایا اگر یہ حال ہے تو پھر گناہ سے باز کیوں نہیں آتے۔

اس شخص پر حضرت کی ان عارفانہ باتوں کا اس قدر اثر ہوا کہ اس نے زارزار رونا شروع کر دیا۔ سچے دل سے توبہ کی اور مرتے دم تک اس پر قائم رہا۔

گناہ کبیرہ ہو یا صغیرہ انسان کو تباہی کے دہانے پر لے جاتا ہے انسان کو چاہیے کہ توبہ و استغفار کرتا رہے۔ اللہ کے اوامر و نواہی اور شریعت مطاہرہ کی پابندی کرے۔ ابلیس اور نفس امارہ کے شر سے بچنے کیلئے ہمہ وقت اس کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے اور اللہ کی پناہ اور تائید کا طلبگار رہے نیز حقوق العباد کا خصوصی طور پر خیال رکھے۔

اقوال بزرگان (بسلسہ گناہ)

1- تمام گناہوں سے جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے لیکن ماں باپ کی ناراضگی کی سزا موت سے پہلے دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔ (الحدیث)

2- فرزندان نافرمان اور قرابت توڑنے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا (الحدیث)

3- دنیا کی محبت ہر برائی کا جڑ ہے۔ (الحدیث)

4- سود کا ایک درہم خدا کے نزدیک زنا سے چھتیس گنا بڑا ہے (الحدیث)

5- آگ خشک گھاس کو اتنی جلدی نہیں جلاتی جتنی جلدی غیبت انسان کی نیکیوں کو مٹا دیتی ہے۔ (الحدیث)

6- بدبخت وہ ہے جو خود تو مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے۔ (ابوبکر صدیقؓ)

7- توبہ کی تکلیف سے گناہ کو ترک کر دینا سہل ہے۔ (عمر فاروقؓ)

8- جو شخص گناہ کرتے وقت اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اسے آفات سے بچاتا ہے۔ (عمر فاروقؓ)

9- مت رکھ امید کسی سے مگر اپنے رب سے اور مت ڈر کسی سے مگر اپنے گناہ سے۔ (عثمان غنیؓ)

10- گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹاتا ہے لیکن نیکیوں پر غرور یا فخر کرنا انہیں برباد کر دیتا ہے۔ (علی شیر خداؓ)

11- وہ گناہ جس کے پہلے خوف ہو اور آخر میں توبہ وہ بندے کو اللہ کے قریب کر دیتا ہے اور اللہ اسے معاف کر دیتا ہے لیکن جس گناہ کے اول و آخر میں بے خوفی اور خود بینی ہو وہ خدا سے دور کر دیتا ہے۔ (امام جعفرؒ)

12- عبادت پر ناز کرنے والا گنہگار ہے اور گناہ پر عذر کرنے والا اور نادم ہونے والا قابل معافی اور فرمانبردار ہے۔ (امام جعفرؒ)

13- عبادت بغیر توبہ کے صحیح نہیں کیونکہ اللہ نے توبہ کو عبادت پر مقدم رکھا ہے (امام جعفرؒ)

14- گناہ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اسے چھوٹا نہ سمجھو جس نے گناہ کو چھوٹا جانا اس نے اللہ کو چھوٹا جانا۔ (اویس کرنیؒ)

15- جس شخص کے علم نے اسے گناہ اور فواحش سے باز نہ رکھا اس سے بڑا زیاں کار کون ہے؟ (امام ابوحنیفہؒ)

16- جو شخص یہ جانتا ہے کہ اسے اٹھائیں گے اور اس سے حساب لیں گے اور پھر بھی وہ گناہوں سے نہیں چوکتا وہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے دل میں مطلق ایمان نہیں۔ (ابو حفص حدادؒ)

17- جس کے گناہ کے بعد ندامت اور توبہ ہو وہ خود بینی کی ہزار عبادت سے بہتر ہے۔ (ابن عطارؒ)

18- توبہ وہی کرتا ہے جسے اللہ توفیق دے اور جس کو توفیق دے دیتا ہے اس

کی توبہ قبول کیوں نہ کرے گا۔ (رابعہ بصریہ)

19- راہ حق کے سالکوں اور سچے مسلمانوں کا پہلا مقام توبہ و استغفار ہے۔
(علی ہجویریؒ)

20- جب بندہ اپنے برے حال اور برے افعال پر غور کرے اور ان سے نجات چاہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اسباب توبہ آسان کر دیتا ہے پھر اسکے گناہوں کی شامت سے رہائی دیتا ہے۔ پھر اسے اپنی اطاعت کی حلاوت عطا فرماتا ہے۔ (علی ہجویریؒ)

21- ارادہ گناہ اور اسباب گناہ موجود ہونے کے باوجود اگر گناہ سے پرہیز کیا جائے تو یہ بہت بڑی توبہ ہے۔ (علی ہجویریؒ)

22- انسان کا سونا ایسا ہونا چاہیے کہ وہ اس سونے کو آخری سونا سمجھے اور گناہوں سے توبہ کرے۔ (علی ہجویریؒ)

23- وعظ خالص اللہ کیلئے کر ورنہ تیرا گنہگار رہنا ہی بہتر ہے۔ (عبدالقادر جیلانیؒ)

24- اللہ والے طاعتیں کرتے ہیں اور اس پر بھی خوف رکھتے ہیں اور تم گناہ کرتے ہو پھر بھی بے خوف ہو۔ (عبدالقادر جیلانیؒ)

25- جب کوئی بندہ گناہ کرتے وقت دروازہ بند کر لیتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو نے لوگوں سے شرم کے سبب دروازہ بند کر کے گناہ کیا لیکن مجھ سے شرم نہ کی میں تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ تو نے مجھے اپنے ہم جنسوں سے بھی کم تر سمجھا۔ (شیخ عبدالقادر جیلانیؒ)

26- توبہ کر کے پھر گناہ کرنا ستر گناہوں کے برابر ہے۔ (عبدالقادر جیلانیؒ)

27- جس گناہ کے بعد ندامت نہ ہو اندیشہ ہے کہ وہ تجھے اسلام سے باہر نہ کر دے۔ (مجدد الف ثانیؒ)

مناجات بدرگاہِ الٰہی

یہی آرزو ہے یہی التجا یہی جستجو ہے یہی مدعا
ملے نارِ دوزخ سے یارب نجات حیاتِ دو روزہ ہے آخر ممات
ہوئے آکے ہستی میں کیا کیا قصور تو ستّار ہے میں سراپا قصور
جہاں سے چلا ہوں بہت رو سیاہ اٹھائے ہوئے سر پہ بارِ گناہ
تیرا بحرِ رحمت ہے بے انتہا گناہوں کی میرے حقیقت ہے کیا
مرے جرم عصیاں کی کچھ حد نہیں ترے لطف و احساں کی کچھ حد نہیں
بجز یاس و حسرت نہیں کوئی ساتھ ریاضِ جہاں سے چلا خالی ہاتھ
کیا تو نے دنیا میں سب کچھ عطا ہوا کچھ نہ مجھ سے سوائے خطا
جہاں میں رہا صرف عصیاں مدام بجز رو سیاہی نہ تھا کوئی کام
کٹی عمر غفلت میں صبح و مسا ہوا کچھ نہ حقِ عبادت ادا

عنایت کا تیری طلبگار ہوں
گنہگاروں میں گنہگار ہوں

(صفدر رامپوری)

باب چہارم

توبہ کے محرکات

انسان بنیادی طور پر خطا کا پتلا ہے۔اس مادی دنیا میں رہتے ہوئے بعض اوقات بلاضرورت اپنی خواہشات کو بڑھاتا چلا جاتا ہے فانی دنیا کی عارضی چمک دمک اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اور وہ زمانے کی رو میں بہہ کر اپنے وسائل کی حدود کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا معیار زندگی بلند کرنے اور جھوٹے پندار کو قائم رکھنے کیلئے ہر جائز و ناجائز طریقے سے مالی منفعت کی دوڑ میں سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ جاتا ہے۔ رشوت، خیانت، چوری، بددیانتی اور دھوکہ دہی سے گریز نہیں کرتا۔ اسی طرح نفسانی خواہشات میں اندھا دھند مبتلا ہو کر بے شمار اخلاقی برائیوں کے ظلمت کدہ میں گم ہو جاتا ہے اور یوں وہ روز بروز گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

لیکن انسان کی زندگی میں بعض موڑ ایسے بھی آجاتے ہیں کہ وہ دوبارہ سنبھل جاتا ہے اور سیدھی راہ پر چل نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق وعنایت اس کے شامل حال ہو جاتی ہے یا بعض حادثات اس کے توبہ کرنے اور رب ذوالجلال کی طرف رجوع کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔

اسی طرح بعض محرکات ایسے ہیں جن سے انسان توبہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے جیسے خوف خدا، فکر آخرت، جنت کی تحریص، عذاب دوزخ کا خوف، کلام الٰہی کی جادو اثر تحریک، بزرگان دین کے حالات زندگی کا مطالعہ، اپنے ضمیر کی تنبیہ، بزرگانِ دین کی دعائیں، صالحین کے کردار اور حسن سلوک کا تاثر وغیرہ

اب ان محرکات کوفرداً فرداً تفصیل کے ساتھ تحریر کیا جاتا ہے۔

1۔ خوفِ خدا و فکرِ آخرت

رب ذوالجلال کا ارشاد ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ٥ وَّ يَبْقٰى وَ	جو کچھ اس (سرزمین) پر ہے فنا ہونیوالا ہے
وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِ	اور باقی رہے گی تیرے رب کی ذات عظمت
كْرَامِ ٥ (الرحمٰن ۲۶،۲۷)	اور احسان والی ہے۔

ہر جن وانس کا مرنا اور روز حشر دوبارہ زندہ کیا جانا۔ قیامت کا وقوع پذیر ہونا۔ جنت و دوزخ کا موجود ہونا اور روز حشر ہر شخص کا اپنے دنیوی اعمال کیلئے جوابدہ ہونا ہمارے ایمان کا لازمی جزو ہے۔ اور انسان کو یونہی بیکار نہیں پیدا کیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَيَحْسَبُ الْاِ نسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ٥ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ (القیامہ۔۳۶)

انسان کا یہ خیال لغو اور بے معنی ہے کہ اسے یونہی نظر انداز کر دیا جائیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ ذی شعور مخلوق یعنی انسان جس کو اشرف المخلوقات بنایا اور گوناگوں صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا اس کی باز پرس نہ کرنا اور یونہی نظر انداز کر دینا حکمت الٰہیہ کے سراسر خلاف ہے۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان کو اس دنیا میں ویسے ہی مہمل چھوڑ دیا جائے بلکہ اس دنیا میں بھی اسے بعض احکام بجالانے کا حکم دیا گیا ہے اور بعض امور سے اسے روکا بھی گیا ہے اور قیامت کے دن اسے زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کے

حضور پیش کیا جائے گا۔

اخروی نجات کیلئے صرف ایمان لانا کافی نہیں بلکہ نیک اعمال بھی ضروری ہیں کتاب اللہ میں بار بار یہ الفاظ دہرائے گئے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔۔۔۔ یعنی اخروی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کیلئے صاحب ایمان کیلئے اعمال صالح بھی لازمی ہیں اور اسکی آزمائش بھی ہوگی ارشاد باری تعالیٰ ہے کیا لوگوں نے گمان کرلیا کہ وہ اس پر ہی چھوڑ دیئے جائیں گے۔ کہ انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لائے ہیں وہ آزمائے نہیں جائیں گے اور البتہ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا پس اللہ ضرور معلوم کرلے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں۔ اور وہ ضرور معلوم کرلے گا جو جھوٹے ہیں جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا انہوں نے گمان کرلیا کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے برا فیصلہ ہے جو وہ کرر ہے ہیں۔ جو کوئی اللہ سے ملاقات کی امید رکھتا ہے تو بے شک اللہ کا وعدہ ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

(عنکبوت ا۔۵)

مزید ارشاد ہے:۔

وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا جو تم کرتے تھے

(النحل۔۹۳)

یعنی تمہارے اعمال کی بازپرس ضرور ہوگی اگر انسان کا ایمان پختہ اور ضمیر زندہ ہے تو رب ذوالجلال کے حضور پیش کیئے جانے کے تصور ہی سے دل کانپ اٹھتا ہے اسی تصور اور خیال کے پیش نظر وہ برائی سے کوسوں دور بھاگتا ہے اور گناہوں سے توبہ اور استغفار کرتا ہے اور اللہ کی رضا کے حصول کیلئے اللہ کے

اوامر ونواہی کی تعمیل اور نیک اعمال میں ہمہ تن مصروف ہو جاتا ہے۔

اور جو رب ذوالجلال کے حضور حاضر ہونے سے خوف زدہ ہو جاتا ہے رب کریم اس کیلئے انعامات کے دروازے کھول دیتا ہے۔

وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ○ (الرحمٰن۔۴۶) اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔

حضرت عطاء سے منقول ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز قیامت کے بارے میں سوچنے لگے۔ میزان، جنت، دوزخ وغیرہ اور واقعات ہائلہ پر غور کرتے کرتے لرز اٹھے اور کہنے لگے "اے کاش میں چارہ ہوتا اور کوئی جانور آ کر مجھے چر لیتا یا میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے جلال اور ہولِ قیامت کا خیال کر کے بے قرار ہوتے رہے"۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ (درالمنثور)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک نوجوان تنہائی میں ایک عورت سے مصروف گفتگو تھا۔ دونوں کا ارادہ ارتکاب گناہ کا تھا کہ اچانک اذان کی آواز کان میں پڑی۔ نوجوان کے دل پر خوف خدا اس قدر طاری ہوا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اسے دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ کو واقعہ کا علم ہوا تو اس کی قبر پر گئے اور فرمایا اے جوان! جو خوف خدا کرے اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔ قبر کے اندر سے آواز آئی کہ مجھے دونوں ہی ملی ہیں۔

ہر حالت میں خوفِ خدا

اگر کوئی شخص کثرت سے نیک اعمال کرتا بھی ہے تو بھی اسے خوف خدا سے بری الذمہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اللہ سے ڈرنے والوں کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی طاعت وفرمانبرداری میں جو نیک اعمال کرتے ہیں ان پر فخر نہیں کرتے۔ غرورِ تقویٰ اور پندارِ خدارسیدگی میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی خوفزدہ رہتے ہیں کہ خدا جانے ان کے اعمال بارگاہِ صمدیت میں قبولیت کا درجہ حاصل کرتے بھی ہیں یا نہیں۔

ترمذی۔ ابن ماجہ اور حاکم نے ایک حدیث میں نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ قرآن پاک کی آیات مبارکہ (سورہ مومنوں آیات ۵۷ تا ۶۰)

ترجمہ:۔ "بیشک جو لوگ اپنے رب سے ڈرے، سہمے رہتے ہیں اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے ربّ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں کرتے۔ اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ وہ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں"

(سورۃ مومنون ۵۷۔۶۰)

کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص چوری، زنا اور شراب نوشی کرتے ہوئے اللہ سے ڈرے۔ جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! "نہیں اے صدیق کی بیٹی اس سے مراد وہ شخص ہے جو نماز پڑھتا ہے۔ روزے رکھتا ہے۔ زکوٰۃ دیتا ہے اور پھر اللہ عزوجل سے ڈرتا ہے"۔ "حضرت حسن بصریؒ نے جواب فرمایا ہے کہ مومن طاعت کرتا ہے پھر بھی ڈرتا ہے اور منافق معصیت کرتا ہے پھر بھی بے خوف رہتا ہے"۔ بلاشبہ مومن کی یہی شان ہونی چاہیے۔

امام احمدؒ نے بروایت حازمؒ کتاب الزہد میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کے پاس ایک دفعہ جبریل امین آئے تو وہاں کوئی شخص خوفِ خدا سے رو رہا تھا تو

جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہوگا مگر خدا اور آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا" (مظہری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں نہ جائے گا جب تک کہ دوہا ہوا دودھ واپس تھنوں میں نہ لوٹ جائے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کر دی ہے ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے دوسرے وہ جو اسلامی سرحد کی حفاظت کیلئے رات کو بیدار رہے۔ (بیہقی، حاکم)

حضرت نضر بن سعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس قوم میں کوئی اللہ کے خوف سے رونے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات عطا فرمائے گا۔

خوفِ خدا ذریعہ نجات

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی اچھا اور نیک عمل نہیں کیا تھا۔ اس نے اپنے گھر والوں کو یہ وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دیں پھر اس کی نصف راکھ خشکی پر اڑا دیں اور نصف سمندر میں پھینک دیں۔ قسم بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر قابو پالیا تو بالیقین وہ اس کو ایسا شدید عذاب دے گا جیسا پوری کائنات میں کسی کو نہ دے۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو گھر والوں نے ایسے ہی کیا جیسے اس نے وصیت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا تو اس نے جو خاک اس میں تھی وہ جمع کر دی اور پھر خشکی کو حکم دیا تو اس نے

بھی وہ سب راکھ جمع کردی جو اس میں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اس نے عرض کیا اے میرے پروردگار! تو بہتر جانتا ہے میں نے یہ فقط تیرے خوف اور ڈر کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت فرمادی۔ اسے بخش دیا۔ (صحیح مسلم)

سبحانہ اللہ! یہ ہے خوفِ خدا کا انعام

شعلہ نار عقوبت سے جو ڈرے اہل گناہ

ابر بن کے برسنے لگی رحمت تیری

امام احمد نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے منبر پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ٥ ۔ اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کو دو جنتیں ملیں گی۔ (الرحمٰن۔۴۶)

ابو درداء کہتے ہیں کہ میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔ تو آپ نے دوبارہ فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ٥ میں نے بھی تیسری بار پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگرچہ اس نے زنا کیا یا چوری کی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوالدرداء! تیری ناک خاک آلود ہو اگرچہ اس نے ایسا بھی کیا تب بھی رب تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرنے والے کیلئے دو جنتیں ہونگی۔ (مشکوٰۃ)

خوف خدا اور خوفِ آخرت ہی نیک اعمال کی رغبت دلانے کیلئے اہم کردار ادا کرتے ہیں اس لئے روز مرہ موت کو یاد کرنا روز قیامت کو اور قبر کے عذاب کا تصور کرنا توبہ کی طرف رجوع کیلئے موثر محرک کا کام کرتے ہیں۔

ہر روز۔ روزِ حشر!

کوئی "چوہدراہٹ" "نہ" "شیخی" چلے گی قیامت کے دن صرف نیکی چلے گی

جو سوچو تو ہر دن قیامت کا دن ہے نہ ٹوٹے قیامت تو مہلت کا دن ہے

غنیمت بس اِک دن کی مہلت کو جانو مرے پیارے بوڑھو! ارے نوجوانو!

کھڑے ہو کے اِک صف میں سر کو جھکاؤ کھلا در ہے توبہ کا سجدے میں جاؤ

سب اپنے گناہوں کی مانگو معافی بس اِک سجدہ کافی ہے باقی اضافی

گنوا دی جو مہلت تو پچھتاؤ گے تم قیامت کے دن کیا صلہ پاؤ گے تم

یہ سب مال و دولت یہ عزت یہ شہرت یہ صحت اور طاقت یہ سب عیش و راحت

کھلی آنکھ کا ہے یہ خوابیدہ منظر ذرا بند آنکھوں سے جھانک اس کے اندر

یہ ہیرے یہ موتی یہ چاندی یہ سونا پلازے یہ کاریں یہ سپنا سلونا

یہ سب آل و اولاد ہے اک کھلونا تجھے حشر میں پیش تنہا ہے ہونا

سیاست تجارت امامت حکومت وکالت خطابت ادب اور صحافت

ذرا پنے شعبے میں خود کو پرکھ لے ہر اک فرد اپنا عمل آگے رکھ لے

تو ہر دن معافی کی مہلت رہے گی نگاہوں میں تصویر جنت رہے گی

عمل سے ہی ملتی دنیا میں جنت

کرو یاد ہر روز روز قیامت

خوف خدا اور اصلاح نفس کا صلہ

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝

(النازعات ۔۴۰۔۴۱)

اور جو ڈرتا رہا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور نفس کو روکتا رہا ناجائز خواہش سے۔ پس یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔

خوف خدا کتنی بڑی نعمت ہے۔ کہ جسکے دل میں اس جبار و قہار رب ذوالجلال کا خوف طاری ہو گیا اور وہ اس کے حضور اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہونے کی غرض سے پیش ہونے سے لرز اٹھا۔ اس کیلئے جنت کی خوشخبری ہے۔ اس سے پہلی آیت مبارکہ میں بغیر کسی اور شرط کے صرف خوف خدا پر دو جنتوں کی خوشخبری تھی۔ لیکن اس آیت کریمہ میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انسان خوفِ خدا کے ساتھ اپنے نفس کو ناجائز خواہشات (1) سے روکتا رہا تو پس اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔ خوف خدا ہی دراصل نفس کو اتباع ھویٰ سے روکنے والا توبہ کے زینے کا پہلا قدم اور مالک حقیقی اور خالق کائنات کی طرف ندامت کیساتھ رجوع کرنے کی بنیاد ہے۔

---

(1)۔ **خواہش نفس** ہی درحقیقت تمام ممنوعات اور محرمات کی بنیاد ہے ابوبکر وراق نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس سے بری کوئی چیز پیدا نہیں فرمائی۔

فاسق اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی اطاعت واجب ہے۔ وہ عذاب آخرت کا علم رکھتے ہیں برے اخلاق و اعمال کا بھی انہیں علم ہے۔ پھر بھی خواہش نفس اور شہوات کے اتباع کی وجہ سے وہ شریعت کے احکام پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ واجبات کو چھوڑ دیتے ہیں۔ محرمات اور مکروہات کا ارتکاب کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔

توبہ کرنے والوں کیلئے عام معافی کا اعلان عرب کے بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کا سبب بنا۔ اسی نے ان کو امید کی روشنی دکھائی اور اصلاح احوال پر آمادہ کیا۔ اگر ان سے کہا جاتا کہ جو گناہ تم کر چکے ہو اسکی سزا سے کسی صورت نہیں بچ سکتے تو وہ مایوس ہو کر ہمیشہ کیلئے برائی کے بھنور میں پھنس جاتے اور ہمیشہ کیلئے اصلاح سے محروم ہو جاتے۔ مجرم انسان کو معافی کی امید ہی برائی سے نکال سکتی ہے۔ مذکورہ آیت میں خوف خدا کے بعد دوسری شرط نفس امارہ کو ھوٰی سے روکنا ہے ھوا کے معنی نفس کا پسندیدہ چیز کی طرف مائل ہونا ہے۔ ھوٰی کے لغوی معنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے ھوٰی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دنیا میں انسان کو ہر مصیبت کی طرف اور آخرت میں ھاویہ (دوزخ) میں ڈالتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰

1- خواہش نفس جس کی پیروی کی جائے۔ 2- ایسا بخل جس کی اطاعت کی جائے۔

3- انسان کا اپنے آپ پر خوش ہونا (خود پسندی) اور یہ تینوں میں سے شدید ہے (شعب الایمان)

علامہ ثناء اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ تینوں چیزیں خواہش نفس کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔

مخالفت نفس کے تین درجے:۔

ادنیٰ درجہ:۔ اس کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی ان باطل عقائد سے بچ جاتے جو نصوص ظاہرہ اور عقائد میں اسلاف کے خلاف ہو۔ اسی سے وہ اچھا مسلمان بنتا ہے۔

متوسط درجہ:۔ اس کا متوسط درجہ یہ ہے جو مقاتلؒ نے کہا کہ ایک انسان گناہ کا ارادہ کرے پھر اس کو یہ بات یاد آجائے کہ اس کو اللہ کے سامنے حساب دینا ہے تو وہ اسے ترک کر دے۔ (تفسیر بغوی)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمارے سردار، ہمارے قبلہ، شیخ اجل حضرت بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا قریب ترین طریقہ نفس کی مخالفت ہے۔ اس میں شریعت کے احکام کی زیادہ رعایت کی جائے۔

اس مقام پر سب سے محفوظ قلعہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ایسے شیخ کے ساتھ وابستہ کر لے جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو۔ پھر کوئی بھی عمل اس کے حکم اور اجازت کے بغیر نہ کرے۔ حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اگر ایسا شیخ نہ مل سکے تو انسان کیا کرے فرمایا وہ کثرت سے استغفار کرے یا ہر نماز کے بعد بیس دفعہ استغفار پڑھے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا "میرے دل میں کچھ کدورت آجاتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کے حضور روزانہ سو بار مغفرت طلب کرتا ہوں"۔ (تفسیر مظہری)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۱

اعلیٰ درجہ:۔ تیسرا اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان مشتبہ امور کو بھی چھوڑ دے اور جس مباح اور جائز کام کے کرنے سے کسی ناجائز کام میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو اس جائز کام کو بھی ترک کر دے۔ جیسا کہ نعمان رضی اللہ عنہ بن بشیر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو مشتبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بچا لیا۔ اور جو مشتبہات میں داخل ہو گیا وہ محرمات میں بھی داخل ہو جائے گا۔ جس طرح ایک چرواہا جو چراگاہ کے اردگرد جانور چراتا ہے۔ امکان ہے کہ وہ چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ)

غیر ضروری چیز کی خواہش کو ترک کرنا بھی اسی میں شامل ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسراف میں یہ بھی شامل ہے کہ جس چیز کی تجھے خواہش ہو اسے کھا لے۔ (ابن ماجہ)

جنت کی تحریص اور عذابِ دوزخ کا خوف

اخلاق کے نقطہ نظر سے خیر وشر، نیکی و بدی کے فرق اور امکانات عمل کا لازمی تقاضا ہے کہ اچھے اور برے لوگوں کا انجام یکساں نہ ہو۔ نیکوں کو ان کی نیکیوں کی جزا ملے اور بروں کو ان کی برائیوں کی سزا ملے۔ اگر ایسا نہ ہوتو اچھے اور برے اعمال کی تمیز ہی دنیا سے ختم ہو جائے۔ وہ فاسق و فاجر جو زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے رہے اور داد عیش دیتے رہے کیا ان کی زندگی اور موت ان لوگوں جیسی ہوسکتی ہے جو تمام عمر اطاعت گزار رہے؟ اللہ رب العزت کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے رہے اور سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا رہے۔ ہرگز نہیں۔ اوّل الذکر لوگ دوسرے بندگان خدا کے ہم پلہ کبھی نہیں ہوسکتے۔ ربّ ذوالجلال قرآن پاک میں سورۃ 'ص' میں ارشاد فرماتا ہے۔

''کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے
اور ان کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں۔
کیا متقیوں کو ہم فاجروں (گنہگاروں) کے برابر کر دیں؟
(ہرگز نہیں)'' آیات۔ ۲۶، ۲۷

ان آیات سے اس امر کی واضح طور پر نشاندہی ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی محاسبہ نہ ہو اور انسانی افعال کی کوئی جزا اور سزا نہ ہوتو اس سے رب ذوالجلال کے عدل و انصاف کی نفی ہو جائے۔ اور دنیا سے اچھائی اور برائی کی تمیز ختم ہو کر رہ جائے۔ اسی امر کی وضاحت اور نیک اعمال کی رغبت کیلئے مندرجہ ذیل آیت کریمہ شاہد ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ط (مومنون۔۱۱۵)

کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ ہم نے تمہیں (یونہی) فضول پیدا کیا تھا اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے۔

مکافاتِ عمل کے اسی تقاضے کے پیشِ نظر رب جلّ وعلیٰ نے جنت و دوزخ کی تخلیق فرمائی اور انہیں نیک و بد اعمال کرنے والوں کا مستقر بنایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ہ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ہ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ہ (انفطار۱۳ تا۱۵)

بے شک (اس دن) نیک لوگ عیش و آرام میں ہونگے اور بدکار لوگ قیامت کے روز یقیناً جہنم میں داخل ہونگے۔

اور اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی۔ اس دن انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ۔ وہ کہیگا کاش میں نے اس (اُخروی) زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ پس اس دن اللہ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے سکے گا۔ (الفجر۔۲۳تا۲۵)

روزِ حشر نیک اعمال کرنے والوں کو کوئی غم و حزن نہ ہوگا اور انہیں نعمتوں والی جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے داخل کر دیا جائے گا قرونِ اولیٰ میں کفار و مشرکین کے ایمان لانے اور اسلام میں داخل ہونے میں ایک یہ عامل بھی سب سے بڑا محرک تھا۔

طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک حبشی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ آپ ہم سے حسنِ صورت اور حسین رنگ میں بھی ممتاز ہیں اور نبوت و رسالت میں بھی اب اگر میں اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان رکھتے ہیں اور وہی عمل

کروں جو آپ کرتے ہیں۔ تو کیا میں بھی جنت میں آپکے ساتھ ہو سکتا ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہاں ضرور'' (یعنی اس حبشیانہ شکل و صورت سے نہ گھبراؤ) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت میں کالے رنگ کے حبشی سفید اور حسین ہو جائیں گے اور ایک ہزار سال کی مسافت سے چمکیں گے اور جو شخص لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه کا قائل ہو اس کی فلاح و نجات اللہ کے ذمہ ہو جاتی ہے اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھتا ہے اس کے نامہء اعمال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

یہ سن کر مجلس میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ جب اللہ تعالیٰ کے دربار میں حسنات کی اتنی سخاوت ہے تو پھر ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں یا عذاب میں کیسے گرفتار ہو سکتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا حقیقت یہ کہ قیامت میں بعض آدمی اتنا عمل اور حسنات لے کر آئیں گے کہ اگر ان کو پہاڑ پر کھ دیا جائے تو پہاڑ بھی ان کے بوجھ کا متحامل نہ ہو سکے۔ لیکن جب اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آتی ہیں اور ان سے موازنہ کیا جاتا ہے تو انسان کا عمل ان کے مقابلہ میں ختم ہو جاتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو اپنی رحمت سے نوازیں۔

حبشی نے حیرت سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری آنکھیں بھی ان نعمتوں کو دیکھیں گی جن کا آپ کی آنکھیں مشاہدہ کریں گی۔ آپ نے فرمایا ''ہاں ضرور'' ۔ یہ سن کر حبشی نومسلم نے رونا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ روتے روتے وہیں جان دے دی۔ اور آنحضرت ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس کی تجہیز و تکفین فرمائی۔

کیا عجب کہ ہم گناہگار بھی بخشے جائیں
تیری رحمت کا اشارا ہو تو جنت کیا ہے

علامہ بغوی نے ایک بڑی پیاری حدیث نقل کی ہے کہ ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ منزل کو پالیتا ہے۔ خبردار اللہ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

سورہ الطور میں ارشاد رب ذوالجلال ہے۔

"قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو کھلے ورق پر لکھی گئی ہے اور قسم ہے بیت معمور کی اور بلند چھت کی اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہوا ہے یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ کوئی اسے ٹالنے والا نہیں"۔ (سورۃ الطور۔ ۱ تا ۸)

ان آیات مبارکہ میں رب ذوالجلال نے پانچ عظیم الشان چیزوں کی قسم کھا کر اس حقیقت کو واضح کیا کہ ترے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

جزیرہ نما عرب کے بگڑے ہوئے معاشرے کو راہ راست پر لانے اور سدھارنے کیلئے خوف خدا اور عذاب دوزخ کی وعید نہایت موثر ثابت ہوئی۔ دورِ نبوت کے بے شمار واقعات اس کے شاہد ہیں۔

جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ میں مدینہ طیبہ آیا تا کہ حضور ﷺ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کروں۔ میں وہاں اس وقت پہنچا جب حضور ﷺ اپنے صحابہ کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کی آواز مسجد سے باہر

آرہی تھی۔ میں نے آپ کی سورہ الطور کی مذکورہ بالا آیات کی قرأت یہاں تک سنی۔ جب میں نے اسے سنا تو میرا دل گویا پھٹا جارہا تھا۔ میں اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ میں (ان آیات میں) عذاب نازل ہونے کے ڈر سے مسلمان ہوگیا۔ میرا یہ خیال بھی نہیں تھا۔ کہ میں اپنی جگہ سے اٹھ سکوں گا۔ بلکہ میرا خیال تھا کہ عذاب (اس سے) پہلے ہی نازل ہوجائے گا۔

دور نبوی ﷺ کا ایک اور واقعہ ملاخطہ ہو۔

ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز میں مسجد نبوی ﷺ سے عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹا تو دیکھا کہ ایک عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے۔ میں اسکو سلام کرکے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کرکے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا چاہتی ہے؟ وہ کہنے لگی میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا۔ ناجائز حمل ہوا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی اور کہنے لگی ''افسوس یہ حسن آگ کیلئے پیدا ہوا تھا'' صبح نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ کے فارغ ہوا تو میں نے حضور کو رات والا قصہ سنایا آپ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ تم نے بڑا غلط جواب دیا۔ کیا تم نے قرآن میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ..... اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ط (سورۃ فرقان ۶۸ تا ۷۰)

(اور جولوگ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔۔۔۔۔۔۔اور اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور نہ ہی زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی یہ کام کرے گا وہ سزا پائے گا۔ اور قیامت کے روز اس کیلئے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا۔ اور وہ ذلیل وخوار ہو کر اس میں ہمیشہ رہے گا۔ مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کئے۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا)

حضور کا یہ جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ وہ رات کو عشاء ہی کے وقت ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکار رسالت مآب ﷺ نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے میرے لئے معافی کا دروازہ کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو بیٹے سمیت آزاد کر دیا۔

شعلہ نارِ عقوبت سے جو ڈرے اہل گناہ
ابر بن کے برسنے لگی رحمت تیری

آیات قرآنی

(ترجمہ):۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (النساء۔۵۷)

☆ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہ لوگ بہترین خلائق ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہمیشگی والی جنتیں ہیں جن

کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ جن (باغات) میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور یہ اس سے راضی ہوئے۔ یہ (انعام) ہے اس کیلئے جو اپنے پروردگار سے ڈرے۔ (البینۃ ۷۔۸)

☆ اور جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (بنی اسرائیل۔۱۰)

☆ اللہ تعالیٰ نے ان منافق مردوں، عورتوں اور کافروں سے جہنم کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی ان کیلئے موزوں ہے ان پر اللہ کی لعنت اور انہی کیلئے دائمی عذاب ہے۔ (التوبہ۔۶۸)

آیاتِ قرآنی کے سحر انگیز اثرات

قرآن پاک اللہ تعالیٰ جل شانہ کا کلام ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر اور ثانی نہیں ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے کلام کو تمام کلاموں پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ خود اللہ تعالیٰ کو مخلوق پر ہے۔ (ترمذی و بیہقی۔مظہری)

حضرت نبی کریم ﷺ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل اور سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے جب آپ نے اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور مشرکانہ عقائد میں ڈوبی ہوئی بدراہ قوم کو توحید کا پیغام سنایا تو اس کی زد چونکہ اس گمراہ قوم کے جھوٹے خداؤں پر پڑی تو ساری قوم آپ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور حق کی آواز کو دبانے کیلئے قرآن پاک کے معجز اثر کلام کو خود ساختہ کہنے لگے تو رب کریم نے ان کے اس جھوٹے الزام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا یہ وہ کلام ہے کہ

جس کی تخلیق وتصنیف کسی انسان کے بس کی بات نہیں اور اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو اس کلام جیسی کم از کم ایک سورۃ ہی بنا لائیں۔

قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ (اے نبی ان سے) کہہ دیجئے کہ ایسی ایک سورۃ ہی بنا لائیں۔ (یونس۔۳۸)

رسول برحقؐ سالہا سال تک نہ صرف مشرکین عرب بلکہ ساری دنیا کو چیلنج کرتا اور دعوت دیتا رہا کہ اگر وہ قرآن پاک کو اللہ جل شانہ کا کلام تسلیم کرنے سے انکاری ہیں تو قرآنی آیات کی مثل کوئی ایک سورۃ ہی بنا کر لائیں لیکن عرب کے بڑے بڑے فصحا، بلغا اور قادر الکلام شعرا ایسا نہ کر سکے اور انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کلام کسی انسان کا تخلیق کردہ نہیں اور جو کوئی بھی اس کلام معجز اثر کو سن لیتا۔ اس سچے دین کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا اور آج بھی دیگر اقوام دینِ اسلام اور قرآنی پیغام کی حقانیت کا اقرار کر رہی ہیں اور دھڑا دھڑ دائرہ اسلام میں داخل ہو رہی ہیں اکثر اقوام خصوصاً عیسائی اور ہندو مت کے لوگ اسلام پر ریسرچ کر رہے ہیں اور اس دین متین کو فطرت کے قریب اور حقیقت پر مبنی پا کر دین اسلام قبول کر رہے ہیں۔ قرون اولیٰ اور موجودہ دور کے چند واقعات ملاحظہ کریں۔

نبی کریم ﷺ کے دور مبارکہ میں کفار اور مشرکین مکہ بھی قرآن پاک کی آیات مبارکہ کے سحر انگیز اثرات کو تسلیم کرتے تھے لیکن وہ اپنی انا اور جھوٹے پندار کے تحفظ کی خاطر اسلام کے روز روشن کو تاریکیِ شب کہنے پر مجبور تھے۔ مگر حق کے آفتاب عالم تاب کے سامنے باطل کے چراغ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔

طوعاً و کرہاً ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کلام کسی انس و جن کے بس کی بات نہیں۔ حضرت لبید بن ربیعہ جو سبعہ معلقات کے شعرا میں سے تھے وہ دائرہ

اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سناؤ۔ اس پر آپ نے سورہ بقرہ پڑھی اور عرض کیا "میں شعر نہیں کہنے کا جبکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سورہ بقرہ سکھادی ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سرہانے کھڑا ایک شخص کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اس سے سبب دریافت فرمایا۔ اس نے کہا کہ میں بطارقہ روم میں سے ہوں۔ مجھے عربی زبانیں آتی ہیں۔ میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس آیت پر غور کیا اس میں وہ احوال دنیا وآخرت جمع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل فرمائے تھے وہ آیت یہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (سورہ نور۔۵۲)	اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور پرہیز گار رہے سو وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔

کفار کے سردار ولید کا اعتراف حقیقت

آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے تیسرے سال بحکم رب جلیل جب آپ نے اعلانیہ تبلیغ اسلام شروع کی اور لوگ کلام اللہ سے متاثر ہو کر کفر و شرک سے تائب ہو کر اسلام میں داخل ہونے لگے تو ایک روز قریش ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید بڑے سرداران قریش میں سے تھا۔ بڑا رئیس اور فصاحت و

بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ایام حج قریب تھے۔ولید قریش سے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ایام حج قریب ہیں عرب کے قبائل تم سے مدعی نبوت (حضرت محمد ﷺ) کے بارے میں دریافت کریں گے۔تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کرلو۔اس پر قریش نے مختلف رائیں پیش کیں کہ وہ کاہن ہے، دیوانہ ہے، شاعر ہے، جادوگر ہے، ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کر کے کہا!

اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں اس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع۔وہ دیوانہ بھی نہیں۔ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے اس میں دیوانے کا غیض وغضب نہیں نہ دیوانہ کا خلجان ووسوسہ ہے۔نہ وہ شاعر ہے ہمیں تمام اقسام شعر، رجز، قریض، ہزج، مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں اس کا کلام شعر نہیں نہ ہی وہ جادوگر ہے ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں۔یہ جادوگروں کا پھونک مارنا نہیں اور نہ ان کا رسیوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے۔

اللہ کی قسم اس کے کلام میں بڑی خلاوت ہے اس کے کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اس کی فرع پھل ہے ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔اس کے بارے میں صحت سے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو وہ "جادوگر ہے" اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں، بھائی بھائی میں، میاں بیوی میں اور خویش واقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔

قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ کی رائے

اسی طرح قریش کے ایک سردار عتبہ بن ربیعہ کی رائے بھی ولید کی رائے سے ملتی جلتی ہے ایک روز آنحضرت ﷺ مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے

قریش نے عتبہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے آپ کے سامنے کئی باتیں پیش کر کے کہا کہ ان میں سے کوئی ایک پسند کر لیجئے آپ نے اس کے جواب میں سورۃ حٰمٓ السجدہ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ عتبہ نے قریش سے جا کر کہا۔ اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثال کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میرا کہا مانو اس شخص کو جو کرتا ہے کرنے دو اور اس سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے جو کلام اس سے سنا ہے۔ اس کی بڑی عظمت و شان ہوگی۔ اگر عرب اس کو مغلوب کر لیں تو تم غیر کے ذریعے سے اس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کا ملک تمہارا ملک ہے اور اس کی عزت تمہاری عزت ہے اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے۔

قریش یہ سن کر کہنے لگے کہ اس نے تو اپنی زبان سے تجھ پر بھی جادو کر دیا ہے عتبہ نے کہا اس کے بارے میں میری یہی رائے ہے اب تمہاری مرضی جو چاہو کرو۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا قبول اسلام

صحیح مسلم میں حدیثِ اسلامِ ابوذر غفاری میں خود ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا کہ مجھے مکہ میں ایک کام ہے تم بکریوں کی حفاظت کرنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا تو میں نے پوچھا تو نے کیا کیا؟ وہ بولا میں نے مکہ میں ایک شخص سے ملاقات کی جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے پوچھا کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ لوگ کہتے ہیں ''وہ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ جادوگر ہے۔ پھر انیس خود ہی جو کہ ایک بڑا شاعر تھا کہنے لگا۔

"اللہ کی قسم میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہوا ہے اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی قسم میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے میرے بعد یہ کسی سے نہ بن پڑے گا کہ وہ کہے کہ وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم وہ سچے نبی ہیں اور کافر بے شک جھوٹے ہیں۔

اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ یہ سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مکہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس لوٹے تو ان کے اسلام کی خبر سن کر انیس اور ان کی والدہ بھی اسلام لے آئے پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے تو آدھی قوم ایمان لے آئی۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اسی طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس ؐ نے فرمایا:۔

غِفَّارَ غَفَرَ اللّٰہُ لَھَا وَ اَسْلَمَ سَالَمَھَا اللّٰہُ۔

یعنی اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے۔

حضرت عمر ابن الخطابؓ کا قبول اسلام

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے قبل اسلام اور رسول پاک ﷺ کے بہت بڑے دشمن تھے لیکن کلام اللہ کے جادو اثر الفاظ نے عمر ابن الخطاب کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور جاں نثار بن گیا۔ یہ مشہور واقعہ جس کو عام طور پر اہل سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ حضرت عمرؓ انتہائی سختیوں کے باوجود جب ایک مسلمان کو بھی منحرف نہ کر سکے تو خود رسول اکرم ﷺ کو قتل کر کے اسلام کے چراغ کو گل کرنے کا ارادہ کیا اور ننگی تلوار کمر سے حمائل کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے۔ راستے میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے انہوں نے پوچھا عمر! کہاں کا ارادہ ہے۔ جواب دیا کہ مسلمانوں کے نبی کا سر قلم کرنے کیلئے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر آپ سیدھے بہن کے گھر پہنچے۔ وہاں ان کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید بیٹھے ہوئے حضرت خباب بن ارت سے ایک صحیفے کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آتے ہی بہن نے صحیفہ فوراً چھپا لیا مگر حضرت عمر ان کے پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انہوں نے پہلے کچھ پوچھ گچھ کی اس کے بعد بہنوئی پر پل پڑے اور انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ بہن نے چھڑانا چاہا تو انہیں بھی مارا یہاں تک کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ آخرکار بہن اور بہنوئی دونوں نے کہا کہ ہاں ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔ حضرت عمر بہن کا خون بہتا دیکھ کر کچھ پریشان ہو گئے اور کہنے لگے اچھا مجھے بھی وہ چیز دکھاؤ

جو تم پڑھ رہے تھے۔ بہن نے پہلے ان سے قسم لی کہ وہ اسے پھاڑ نہ دیں گے پھر کہا کہ غسل کیے بغیر تم اس پاک صحیفے کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ حضرت عمر نے پہلے غسل کیا پھر صحیفہ لیکر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں سورہ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ حضرت فاطمہؓ نے اس سورہ کی چند پہلی آیات کی تلاوت کی جس نے عمر کی دنیا بدل کر رکھ دی (1) ان کا پتھر دل پسیج گیا اور پھر کفر و شرک سے توبہ کی اور خباب بن ادرت کے ہمراہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

کلام اللہ کا اثر (عرب کے مشہور جادوگر کا قبول اسلام)

اسلام کی ترقی کفار کو بہت ناگوار گزرتی تھی۔ وہ ہر طرح کے حیلوں بہانوں سے آپ کی مخالفت میں کوئی نہ کوئی شوشہ چھوڑتے رہتے تھے۔ کبھی آپ کو ساحر کبھی جادوگر اور کبھی شاعر و مجنون ظاہر کرتے۔ ایک دفعہ مکہ معظمہ میں عرب کا مشہور جادوگر ضماد ازدی آیا تو ان کافروں نے اسے بتایا کہ محمد پر جادو کا اثر ہے۔ اس جادوگر نے کہا کہ میں محمد ﷺ کا علاج کر سکتا ہوں۔

وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا ''اے محمد (ﷺ) آؤ میں تمہیں منتر سناؤں تا کہ تمہارا علاج ہو جائے۔

آپ نے فرمایا تم پہلے مجھ سے سن لو'' آپ نے اسے قرآن پاک کی

---

(1) علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ وہ ایک مسلمان بیٹی کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

نمی دانی کہ سوز قرأت تو   دگر گوں کرد تقدیر عمر را

تشریح: اے مسلمان بیٹی تو اس زمانہ کی خرافات میں کھو کر رہ گئی ہے۔ تو نہیں جانتی کہ تیری قران خوانی میں وہ سوز تھا کہ جس نے عمرؓ کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

چند آیات سنائیں۔ ضماد ازدی نے نہایت توجہ کے ساتھ آیات کو سنا اور پکار اٹھا۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت سے جادوگر، کاہن اور شاعر دیکھے ہیں لیکن دل پر اثر کرنے والا ایسا کلام تو میں نے کہیں نہیں سنا۔ یہ کلمات تو سمندر کی طرح گہرے اور رواں ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ میں آپ کی بیعت کروں۔

اس طرح وہ جادوگر جو اللہ کے پیارے پیغمبر کا علاج کرنے کیلئے آیا تھا کلمہ پڑھ کر خود مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

یہ تھے مشرف بہ اسلام ہونے والے ان لوگوں کے حالات جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے کلامِ بے مثل کے اعجاز سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور کلام اللہ کو سن کر انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کلام پاک کسی انسان کے بس کی بات نہیں اور جس ہستی پر یہ نازل کیا گیا ہے وہ بھی اللہ کا رسول اور سچا نبی ہے۔

اب آنے والے صفحات میں موجودہ دور کے ان خوش نصیب حضرات و خواتین کے حالات اختصار کے ساتھ قلم بند کئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی خوب چھان پھٹک کی اور بالآخر تسلیم کرنا پڑا ہے اسلام ہی دین بر حق ہے۔ اور انہیں اسلامی برادری میں شامل ہوئے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔ اس سلسلے میں بھی جہاں وہ اسلام کے عقیدہ توحید، اخوت و مساوات اس کے انفرادی اور اجتماعی کردار روحانی اور جسمانی قدروں کے تناسب اور دیگر صفات سے متاثر ہوئے وہاں سب سے بڑھ کر قرآن پاک کے اعجاز کی مقناطیسیت نے ان کے قلوب واذہان کو مسخر کیا اور وہ اس سچے دین اسلام میں شامل ہونے پر مجبور ہو گئے۔

ان نو مسلم خوش نصیب شخصیات کا تعلق بھارت کے علاوہ امریکہ، انگلستان، فرانس اور پولینڈ کے ممالک سے ہے۔

محمد امین (انگلستان)

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کیلئے اور ہزار ہا درود وسلام حضرت محمدؐ اور دیگر انبیائے کرام پر۔ آج میں اپنے مسیحی بھائیوں پر یہ امر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے دین اسلام کو طویل اور گہرے غور وفکر کے بعد قبول کیا ہے۔ مجھے کبھی کسی مسلمان نے اسلام کی دعوت نہیں دی، بلکہ میری چالیس سالہ تحقیق نے ثابت کر دیا کہ یہ مذہب افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، اس کے برعکس مسیحیت افراط وتفریط میں مبتلا ہے اور اس نے انبیاء کی اصل تعلیم کو مسخ کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں نے اسے ترک کر دیا۔

میرے والد ولیم جان شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میری والدہ ایڈمرل فنز چارج کے۔ سی۔ وی۔ او کی اکلوتی بیٹی اور فیلڈ مارشل ہز رائل ہائی نس سابق ڈیوک آف کیمبرج کی پوتی تھیں۔ یہ ڈیوک آف کیمبرج ملکہ وکٹوریہ کے رشتہ میں بھائی لگتے تھے۔ میری پیدائش 1907ء میں فرانس میں ہوئی میرے والد کی خواہش تھی کہ میں پادری بنوں اور خداوند یسوع مسیح کی منادی کروں، چنانچہ میں آٹھ برس کا تھا جب انہوں نے مجھے اس مقصد کیلئے کلیسا کے حوالے کر دیا، جہاں پچیس برس کی عمر تک مذہب عیسوی کی تعلیم دی گئی اور میں نے اس میں اتنی استادانہ مہارت حاصل کر لی کہ دور دور سے مرد اور عورتیں میرا لباس چھونے اور برکت حاصل کرنے کیلئے آنے لگیں۔

مجھے مطالعے کا شوق تو تھا ہی، ایک روز ایک دوست کی لائبریری میں سیل کا ترجمۂ قرآن جو دیکھا تو اسے لے کر پڑھنے بیٹھ گیا۔ یہ قرآن سے میرا پہلا

براہِ راست تعارف تھا، اس سے قبل میں نے اسلام اور قرآن کے بارے میں جو کچھ پڑھایا سنا تھا اس کا تاثر بڑا ہی منفی تھا۔ سیل نے بھی ترجمے میں جگہ جگہ مخاصمانہ تنقید و تبصرے کا انداز اختیار کیا تھا، مگر اس کے باوجود توحید خداوندی کا ایک نہ مٹنے والا نقش میرے دل میں بیٹھتا چلا گیا اور میں بالکل نئی روشنی سے آشنا ہوا۔

اس کے بعد تو یہ حال ہوا کہ اسلام کے بارے میں مجھے جو کتاب بھی ملتی وہ پڑھ ڈالتا مگر مشکل یہ تھی کہ ان کتابوں کے بیشتر مصنفین تعصب اور تنگ نظری کا شکار تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ لوگ اسلام کے بارے میں اچھی رائے قائم کریں تاہم قرآن سے شناسائی ہوئی اور میں نے انجیل پر نئے سرے سے غور شروع کیا تو اس کے تضادات کھل کر سامنے آنے لگے۔ مثال کے طور پر حضرت مسیح کہتے ہیں کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا (متی ۱۵۔۲۴) جبکہ قرآن کے مطابق پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پھر یوں بھی انجیل متی باب ۵ آیت ۱۷۔۱۸ کی رو سے حضرت مسیح موسوی شریعت کے پابند تھے۔ جبکہ حضرت محمد ﷺ ایک مکمل خود مختار ضابطہ لے کر آئے تھے۔ میرے دل میں اسلام کیلئے محبت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

میں ایک تبلیغی قافلے کے ساتھ کراچی میں مقیم تھا۔ جب برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی اور پاکستان کی نئی اسلامی مملکت وجود پذیر ہوئی تو خوراک، لباس اور نقد رقمیں لے کر عیسائی مشنریاں میدان میں کود پڑیں اور سادہ دل مسلمانوں کو ہمدردی کے نام پر اپنے جال میں پھانسنے لگیں۔ بچپن میں تعلیم کے دوران بتایا گیا

تھا کہ مسلمان قرآن اور تلوار پر ایمان رکھتے ہیں۔ عیسائیت کی نجات اسی میں ہے کہ قرآن میں شگاف ڈال دیا جائے۔ (یعنی مسلمانوں میں تفرقے ڈالے جائیں) اور تلوار کو کند کر دیا جائے (یعنی مسلمانوں کو کمزور اور بے بس بنا دیا جائے) عیسائی پادری برملا کہتے تھے کہ ہمارا مقصد مریضوں کا علاج نہیں، بلکہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کے کانوں تک مسیح کی آواز پہنچ جائے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان توحید خداوندی کے عقیدے سے ہٹ جائیں گے اور تین خداؤں کا تصور ان کا ایمان متزلزل کر دے گا۔ یہ منظر میں نے 1947ء کے زمانے میں عام دیکھا جب امداد کے پردے میں بہت سے مسلمانوں کا ایمان لوٹا گیا اور انہیں عیسائی بنانے کی کوشش کی گئی۔

اسی زمانے میں لاہور کے ایک عالم دین مولانا محمد علی سے مناظرے کی صورت میں میری طویل گفتگو ہوئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اسلام کا نظریہ توحید اور اللہ کی ربوبیت کا عقیدہ کتنا جاندار، فطری اور جامع ہے جبکہ اس کے مقابلے میں مسیحیت کا نظریہ محبت اور خدا کے لئے باپ ہونے کا تصور غیر عقلی اور غیر فطری ہے اور سراسر بے ہودگی کا حامل ہے۔ دل کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹتے جا رہے تھے۔

اب میں نے عیسائیت کا تنقیدی مطالعہ شروع کیا تو بعض خوفناک قسم کے انکشاف ہوئے۔ مجھے تعلیم دی گئی تھی کہ میں گناہ کی وجہ سے اور گناہ کے نتیجے میں پیدا ہوا ہوں، اس کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ میرے ماں باپ پر بہتان باندھا گیا ہے اور ان کی توہین کی گئی ہے۔

پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ سارے انسانوں کی طرح میں بھی فطرتاً

گنہگار ہوں خدا نے گناہ کو میری فطرت اور جبلت کا ایک لازمی جزو بنایا ہے، اس لئے میں گناہ کے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق بہت زیادہ گناہ کر کے اور بہت بڑا گنہگار بن کر میں خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب بنوں گا۔ مجھے انسانی سرشت کا یہ نقشہ بڑا ہی بھدا اور مضحکہ خیز نظر آیا۔ اس میں خالق حقیقی پر افترا بھی باندھا گیا ہے اور اس کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔ یہ عقیدہ اسلام کی تعلیم کے کس قدر خلاف ہے جو بعد میں مجھے معلوم ہوئی کہ تمام بچے فطرت اسلام پر پیدا ہوتے ہیں اور ان کے والدین انہیں عیسائی، یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

بائبل کی مختلف آیتوں نے خدائے رحیم و کریم کی جو تصویر پیش کی ہے وہ کسی خونخوار دیو، کسی مغلوب الغضب ہستی اور مایوس انسان سے ملتی جلتی ہے۔ یعنی خدا نے نوع انسان کو پیدا کیا مگر انسانوں نے بعد میں اس کام کو اتنا بگاڑا کہ اس نے مایوس اور غضب ناک ہو کر یہودیوں کے سوا تمام دوسری قوموں کو تباہ کر دینا چاہا اور اس قصد کیلئے یہودیوں کو حکم بھی دے دیا کہ وہ ہر انسان کو قتل کر دیں اور اپنے سوا کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔

پھر بائبل کے مطابق خدا نے انسانوں کی ہدایت کیلئے بے شمار پیغمبر بھیجے مگر انسان ضدی واقع ہوا ہے اور ہدایت کو قبول نہیں کرتا، اس لئے خدا نے بنی نوع انسان کو ابدی جہنم میں دھکیل دینا چاہا مگر خداوند کے اکلوتے بیٹے نے نسل انسانی کی حمایت کی اور اپنی قربانی دے کر اسے جہنم کے عذاب سے بچا لیا۔ اس عقیدے میں اللہ تعالیٰ کی جو تصویر کشی کی گئی ہے اس کی وضاحت کی ضرورت نہیں مایوسی، ظلم و غضب، بے انصافی اور ایسی ہی منفی و غیر فطری خصوصیات خدا کی

طرف منسوب کی گئی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

عیسائیت کی تاریخ میں یہ امر بھی اچنبھے کا کوئی پہلو نہیں رکھتا کہ مسیحیت کے انتہائی عروج کے زمانے میں جس کسی نے اپنے اطمینان اور تسلی کیلئے ان عقائد پر جرح کی، اُسے زندہ جلا دیا گیا یا حوالہ زنداں کر دیا گیا اور اس زمانے میں بھی دنیا کے مختلف حصوں میں جتنا ظلم، عیسائیوں نے کیا ہے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تمام عیسائی مذاہب تثلیث کو بنیادی عقیدے کی حیثیت سے مانتے ہیں کائنات کے نظام پر غور کیا، اسلام کی تعلیمات سے مقابلہ کیا تو اس سارے عقیدے کی چولیں ہلتی ہوئی نظر آئیں۔ باپ بیٹا اور روح القدس کا تصور سراسر غیر عقلی اور غیر فطری ہے اور اس تصور نے پوری عیسائی دنیا کو فی الواقع دہریت والحاد کی گود میں لا ڈالا ہے۔

بائبل ایمان کی عجیب وغریب کسوٹی پیش کرتی ہے۔ حضرت مسیح صاف لفظوں میں کہتے ہیں (انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۷۔۱۸) ''اور ایمان لانے والوں کے درمیان یہ معجزے ہوں گے وہ میرے نام سے بدروحوں کو نکالیں گے۔ نئی نئی زبانیں بولیں گے۔ سانپوں کو اٹھالیں گے اور اگر کوئی ہلاک کرنے والی چیز پئیں تو انہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ وہ بیماروں پر ہاتھ رکھیں گے تو اچھے ہو جائیں گے'' متی کی انجیل باب ۱۷ فقرہ ۱۹۔۲۰ میں ایک واقعہ کے ضمن میں آتا ہے ''تب شاگردوں نے یسوع کے پاس خلوت میں کہا کہ ہم اس (بدروح) کو کیوں نہ نکال سکے؟ اس نے ان سے کہا اپنے ایمان کی کمی کے سبب سے، کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا

تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہو گی''۔

اب ایمان کی اس کسوٹی کو دیکھئے اور پوری عیسائی تاریخ کا مطالعہ کیجئے آپ کو دور دور تک ایک بھی ایسا عیسائی نظر نہ آئے گا جو اس معیار پر پورا اترتا ہو۔ صاف ظاہر ہے یا تو یہ معیار غلط ہے یا پھر کسی عیسائی میں مطلوبہ ایمان رائی کے برابر بھی موجود نہیں جبکہ اس کے برعکس اسلامی تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ خدا کے بندوں نے جو اشارہ کیا ہے، مظاہر قدرت نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ اصل میں ان مثالوں سے یہ بات روشن ہوتی چلی گئی کہ عیسائیت کے مختلف اصولی مسائل اور عقائد اکثر پہلوؤں سے انسانی ضمیر و وجدان سے ٹکراتے ہیں اور عقلِ عام انہیں قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے۔

شب و روز کا یہ مشاہدہ میرے لئے سخت تکلیف کا باعث تھا کہ عیسائیت رنگ و نسل کے فتنے میں بہت بری طرح ملوث ہے۔ سیاہ فام عیسائیوں کے گرجے سفید فام عیسائیوں سے الگ ہیں اور اگر کسی مقام پر ایک ہی گرجا ہے تو سفید فام اگلے حصے میں مخملیں صوفوں اور کرسیوں پر براجمان ہو کر عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ سیاہ فام پچھلے حصے میں دریوں یا لکڑی کے تختوں پر بیٹھتے ہیں، اس کے مقابلے میں اسلام میں گورے کالے یا عربی و عجمی کا کوئی امتیاز نہیں۔ مسجد میں سب مسلمان بلا تمیز نسل و رنگ ایک صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے دنیا کے مختلف ممالک میں یہی دیکھا ہے کہ سارے مسلمان خواہ وہ افغان ہوں یا عرب، ترک ہو یا مصری، مراکشی ہوں یا انڈونیشی یا پاکستانی سب ایک دوسرے کو دین کی بنیاد پر بھائی بھائی سمجھتے ہیں اور محض طبقے کی وجہ سے ان میں

باہم کوئی تفریق نہیں۔

تلاشِ حق کا آخری مرحلہ

مجھ پر عیسائیت کی ایک ایک کمزوری واضح ہوگئی اور اسلام کی خوبیاں اجاگر ہوئیں تو میں نے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کی زندگی کا مطالعہ شروع کیا اور بہت جلد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ آپ کی زندگی دنیا جہان کی خوبیوں کا زندہ جاوید مرقع ہے اور اتنی بھرپور و مکمل ہے کہ قیامت تک کیلئے پوری بنی نوعِ انسان کی رہنمائی کرسکتی ہے جبکہ اس کے برعکس حضرت مسیح کی زندگی کا ایک پہلو بھی نکھر کر سامنے نہیں آتا اور کوئی انسان دنیاوی یا روحانی طور پر ان سے استفادہ نہیں کر سکتا۔

میرے خاندان والوں نے میرے بدلتے ہوئے رجحانات کو بھانپ لیا تھا۔ انہوں نے تہدید آمیز خط بھی لکھے جس میں مجھے ڈرایا گیا تھا کہ اگر میں نے مسیح کی الوہیت سے انکار کیا تو میری نجات کی کوئی صورت نہیں رہے گی مگر اب میں ان باتوں کو حد درجہ احمقانہ اور مضحکہ خیز سمجھتا تھا اور اسلام سے زیادہ دیر تک دور رہنا سراسر نقصان دہ خیال کرتا تھا۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ 1964ء میں، میں نے عیسائیت کو چھوڑ دیا اور ۔۔۔۔ اسلام قبول کرلیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا کرے اور دین اسلام کی برکتوں سے مستفید ہونے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

سسٹر امینہ (امریکہ)

محترمہ امینہ جنان کا تعلق امریکہ سے ہے۔انہوں نے 1977ء میں اسلام قبول کیا تھا۔اس سے قبل وہ امریکہ کے سنڈے سکولوں میں عیسائیت کی تعلیم دیا کرتی تھی۔قبول اسلام کے بعد انہیں غیر معمولی قسم کی قربانیاں دینی پڑیں مگر انہوں نے کسی موقع پر حوصلہ مندی اور استقامت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا چنانچہ اپنے بے پناہ حلم،شفقت،خوش طبعی،حسنِ اخلاق اور انسانی احترام کی وجہ سے وہ اپنے حلقۂ تعارف اور خواتین میں Smiling Lady یعنی متبسم خاتون کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں،اسی خوش خلقی اور کریم النفسی کی وجہ سے لوگ انہیں عقیدت سے سسٹر امینہ کہتے ہیں اور حالانکہ گزشتہ دو برس سے ان کی ریڑھ کی ہڈی میں درد ہے اور وہ بیساکھیوں کا سہارا لینے پر مجبور ہیں مگر نہ تو وہ نماز پنج وقتہ کو قضا ہونے دیتی ہیں اور نہ دینِ حق کی تبلیغ میں کوتاہی ہوتی ہے۔چنانچہ وہ اس معذوری کے باوجود ہزاروں میل کا سفر طے کر کے فروری 90ء میں پاکستان آئیں اور اسلام پر اپنے محکم یقین سے بے شمار خواتین اور مردوں کو متاثر کر گئیں وہ ایک باعمل خاتون ہیں اور قرآن وسنت کے ایک ایک حکم کو بجالانے کو کوشش کرتی ہیں۔سفر پاکستان میں ان کے ساتھ ان کا دس سالہ بیٹا ''محمد'' بھی تھا جو بڑا ذہین اور حساس بچہ ہے اور سسٹر امینہ اس کی اسلامی اصولوں کے مطابق تربیت کر رہی ہیں۔

ذیل کا مضمون تین مضامین کی تلخیص ہے۔

''میں جنوری 1945ء میں امریکہ کی ریاست لاس انجلیس کے علاقہ

ویسٹ میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین پروٹسٹنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف بڑا چرچا تھا۔ میں اسکول کے آٹھویں گریڈ میں تھی کہ میرے والدین کو فلوریڈا منتقل ہونا پڑا اور باقی تعلیم وہیں مکمل ہوئی۔ میری تعلیمی حالت بہت اچھی تھی۔ خصوصاً بائبل سے مجھے خاص دلچسپی تھی اور اس کے بہت سے حصے مجھے زبانی یاد تھے۔ اس سلسلے میں نے متعدد انعامات بھی حاصل کیے۔ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور وومن لبریشن موومنٹ (تحریکِ آزادیٔ نسواں) کی پُرجوش کارکن تھی۔

ہائی اسکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہوگئی۔ خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی، اس لئے میرا کاروبار خوب چمکا۔ پیسے کی ریل پیل ہوگئی شوفر، بہترین گاڑیاں غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کیلئے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اس دوران میں میں ایک بیٹے اور بیٹی کی ماں بھی بن گئی مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا، دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کرلی اور مختلف تعلیم اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضا کارانہ خدمات انجام دینے لگی اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کیلئے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

اسے خوش قسمتی ہی کہیے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ مل گیا، جس

سے سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشان ہوئی، مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے لوگ مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ میرے نزدیک، عام یورپین آبادی کی طرح، اسلام وحشت و جہالت کا مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب، عیاش عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مورخ یہی کچھ لکھتے آرہے ہیں۔ بہر حال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی۔ پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں، کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کیلئے یہاں بھیجا ہو، اس لئے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزلینا شروع کیا، تو حیرت میں مبتلا ہوگئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ، مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس نہ لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند کرتے نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی، ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کے بجائے مسکرا کر خاموش ہوجاتے۔

میں نے اپنی کوششوں کو یوں بیکار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہوکر مسلمان طالب علموں کو زچ کرسکوں، مگر دل کے گوشے میں یہ احساس بھی تھا کہ عیسائی پادری، مضمون نگار اور مورخ تو مسلمانوں کو وحشی، گنوار، جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں، لیکن امریکی معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ

فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و منفرد پاکیزہ رویے کے حامل ہیں، پھر کیوں نہ میں خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقت حال سے آگاہی حاصل کروں۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے۔ عیسائیت پر غور و فکر کے دوران اور بائبل کے مطالعے کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے، مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کیلئے مستقل روگ بن گئی تھی۔ مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کیلئے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگوئیں کیں، تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطہ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔

مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا، تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈے کے بالکل برعکس حضور بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں۔ خصوصاً انہوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا، اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے، ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ پیغمبر اسلام خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لئے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے ہیں، تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور

نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر حضور ﷺ نے عورت کا درجہ جس درجہ بلند فرمایا اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ "جنت ماں کے قدموں میں ہے" اور آپ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت نازک آبگینوں کی طرح ہے اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی اور گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔

قرآن اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں ساری غلط فہمیوں کو دور کردیا، اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے، تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا، تو وہ ۲۱ مئی ۷۷ء کو میرے پاس چار ذمہ دار مسلمانوں کو لے آئے۔ ان میں ایک ڈینور (DENVER) کی مسجد کے امام تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کئے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔

میرے قبول اسلام پر پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا، مگر میرے قبولِ اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی، مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کردیا عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔

میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے، مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آ گئے تا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ مگر خدا کا شکر ہے۔ کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔ میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی، اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کیلئے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کی، لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا فرم والوں کے نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔ وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ جبکہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کے تحت مقدمے کے فیصلے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔ ملازمت بھی ختم ہوئی، تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار ربّ جلیل کے حضور سر بسجود ہو گئی اور گڑ گڑا کر خوب دعائیں کیں اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرما لیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹر سیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بیٹے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا اور اللہ کے خاص فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہو گیا اور میری جان میں جان آئی۔ لیکن آہ ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم

نہ ہوا تھا۔ عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا۔ آخرکار دنیا کے اس سب سے بڑے ''جمہوری'' ملک کی ''آزاد'' عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا اور تہذیبی اعتبار سے انہیں نقصان پہنچے گا۔

عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی۔ زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دوٹوک انداز میں عدالت کو کہہ دیا کہ میں اپنے بچوں سے جدائی گوارا کرلوں گی مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔

اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرلیا اور تبلیغِ دین میں منہمک ہوگئی نتیجہ یہ کہ ساری محرومیوں کے باوجود میں ایک خاص قسم کے سکون و اطمینان سے سرشار رہی۔ مگر میرے خیر خواہوں نے اصرار کے ساتھ مشورہ دیا کہ مجھے کسی باعمل مسلمان سے عقدِ ثانی کر لینا چاہیے کہ عورت کیلئے تنہا زندگی گزارنا مناسب و مستحسن نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مراکشی مسلمان کی طرف سے نکاح کی پیشکش ہوئی تو میں نے قبول کر لی۔ یہ صاحب ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، قرآن خوب خوش الحانی سے پڑھتے اور سننے والوں کو مسحور کر دیتے۔ میں دین سے ان کے گہرے تعلق سے بڑی متاثر ہوئی اور ان سے نکاح کر لیا۔ عدالت نے میری رقوم واگزار کردی تھیں۔ چنانچہ میں نے اپنے خاوند کو اچھی خاصی رقم دی کہ وہ اس سے

کوئی کاروبار کریں، مگر وائے ناکامی کہ شادی کو صرف تین ماہ گزرے تھے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی۔ اس نے کہا مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، میں تمہارے لئے سراپا احترام ہوں، مگر اکتا گیا ہوں، اس لئے معذرت کے ساتھ طلاق دے رہا ہوں۔ میں نے اسے جو بھاری رقم دی تھی چونکہ اس کی کوئی تحریر موجود نہ تھی۔ اس لئے وہ بھی اس نے ہضم کر لی اور اس کی مدد سے جلد ہی دوسری شادی رچالی۔

طلاق کے چند ماہ بعد اللہ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا۔ اس کا نام میں نے محمد رکھا۔ اب یہ بیٹا ماشاء اللہ دس برس کا ہے۔ وجیہ و شکیل اور بڑا ذہین ہے، اسے ہی میں دیکھ دیکھ کر جیتی ہوں۔ اب میں نے اپنے آپ کو اللہ کے فضل سے دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے وقف کر دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی مبارک فریضے کی نذر ہو جائے۔ یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ میں نے قرآن کو خوب پڑھا ہے۔ امریکہ میں اس وقت قرآن کے ستائیس ترجمے دستیاب ہیں، میں نے ان میں سے دس کا بالاستیعاب مطالعہ کر لیا ہے۔ عربی زبان بھی سیکھ لی ہے اور جہاں ترجمے میں کوئی بات کھٹکتی ہے فون پر عربی کے کسی سکالر سے معلوم کر لیتی ہوں۔ الحمد اللہ کہ میں مختلف کتب حدیث یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور مشکوۃ کا کئی کئی بار مطالعہ کر چکی ہوں اور اسلام کو جدید ترین اسلوب میں سمجھنے کے مختلف مسلمان علماء کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب تک ایک مبلغ قرآن، حدیث اور اسلام کے بارے میں بھرپور معلومات نہ رکھتا ہو، وہ تبلیغ کے تقاضوں سے کماحقہ، عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کی بجائے کسی سنڈے

سکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی ، آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سنٹروں میں گزارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں ۔ لاس اینجلس میں مختلف مقامات پر مختلف نوعیت کی نمائشوں ، کانفرنسوں اور مجالسِ مذاکرات کا اہتمام کر کے غیر مسلموں تک دین اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں ۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کو تبدیلی مذہب کیلئے نہیں بلایا ، بلکہ اس لئے زحمت دی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں اسلام سے کیوں وابستہ ہوں ، زندگی کی کیا حقیقت ہے؟ اور انسان اور خدا کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں بحمد اللہ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی اسلامی تعلیمات پیش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ۔

یہ بھی اللہ ہی کو توفیق سے ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم و من سٹڈی سرکل قائم کئے ہیں جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں ۔ میں انہیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جا سکتا تھا ۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا ۔ حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے کر جاتی اور چند ہی ماہ بعد اسے طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی ۔ تعلیم کے مواقع بھی اسے مناسب صورت میں حاصل نہ تھے اور اس ایٹمی و سائنسی دور میں بھی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اور یورپ میں عملاً عورت دوسرے درجے کی شہری ہے وہ مردوں کے برابر کام کرتی

ہے، مگر معاوضہ ان سے کم پاتی ہے، وہ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ پندرہ برس کی عمر کے بعد والدین بھی اس کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتے اور اسے خود ملازمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ شادی کے بعد طلاق کا خوف اسے ہمہ وقت گھیرے رکھتا ہے اور طلاق کے بعد جو یورپین زندگی کا لازمہ بن گئی ہے نہ والدین نہ بھائی اس کا غم بانٹتے ہیں بچوں کا ذمہ داری بھی اسی کے سر پڑتی ہے اور سابق شوہر بچوں کا بمشکل تیس فیصد خرچ برداشت کرتے ہیں یعنی پچاس ڈالر ماہوار کے حساب سے ادا کرتے ہیں جس سے ایک بچے کا جوتا خریدنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

میں خواتین کو بتاتی ہوں کہ اس کے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کیے تھے۔ اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں اس خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ باپ، خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کی جائیداد سے اسے حصہ ملتا ہے۔ اور طلاق کی صورت میں اولاد کی کفالت کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے، طلاق کو یوں بھی اسلام میں سخت ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اور شادی کے موقع پر خاوند کی حیثیت کے مطابق اسے معقول رقم (یعنی مہر) کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرے اور اس باپ کیلئے جنت میں اعلیٰ ترین انعامات کی خوشخبری دی گئی ہے جو اپنی بچیوں کی محبت اور شفقت سے پرورش کرتا اور ان کی دینی تربیت کر کے انہیں احترام سے رخصت کرتا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور باپ

کے مقابلے میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔

میں جب یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور جب انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح باتیں کرتی ہوں اور واقعۃً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق و احترام عطا کیا ہے، تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں۔ چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔

اخیر میں یہ خوش کن خبر بھی سناتی جاؤں کہ میرا وہ خاندان جس نے میرا مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا اللہ کے فضل سے اس کے بیشتر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میرے والد جو مجھے قتل کرنے کے درپے تھے وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور والدہ، سوتیلے والد، دادی، دادا اور خاندان کے کئی دیگر افراد بھی حلقۂ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں حتیٰ کہ میرا وہ بیٹا جو اپنے عیسائی باپ کے پاس رہتا ہے اور جس کی مذہبی تربیت عیسائیت کے عین مطابق بڑے اہتمام سے ہو رہی تھی، ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا ''ممی! اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے فاروق رکھ لوں، تو آپ نے نزدیک کیسا رہے گا؟ میں پہلے حیرت اور پھر مسرت کے بے پناہ احساس سے نہال ہو گئی، میں نے اسے گلے سے چمٹا لیا پیار کیا اور اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے فوراً ہی کلمہ پڑھ لیا۔ فاروق اب بھی باپ کی تحویل میں ہے، مگر راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ میری وہ بہن جو مجھے پاگل سمجھتی تھی، ایک تقریب میں اس نے میری تقریر سنی تو بے اختیار تعریف کرنے لگی، امید ہے انشاء اللہ وہ بھی ایک روز دائرہ اسلام میں آ جائے گی۔

یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے باپردہ زندگی گزار

رہی ہوں اس ملک میں چہرے پر نقاب ڈال کر ادھر ادھر جانا تو ممکن ہی نہیں کہ اس سے بے شمار مشکلات آڑے آتی ہیں۔ تاہم چہرے اور ہاتھوں کے سوا میں سارے جسم کو ڈھیلے لباس میں مستور رکھتی ہوں اور اس میں بھی قدم قدم پر تعصب اور تنگ نظری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ ایک مرتبہ میں اسی لباس میں ایک بنک میں گئی تو جب تک وہاں موجود رہی، بنک کا گن مین میرے سر پر رائفل تان کر کھڑا رہا۔ ایک پی ایچ ڈی خاتون متعلقہ ملازمت کیلئے منتخب ہو گئی، مگر اسے پہلے ہی روز اس لئے فارغ کر دیا گیا کہ وہ باحجاب لباس میں تھی اور اس نوعیت کی مثالیں بے شمار ہیں۔ ایک بار میں نے ریڈیو پر بچوں کا پروگرام کیا اسے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، مگر تقریب سے ایک روز قبل جب کمیٹی کے ارکان سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھے اسلامی لباس میں دیکھا، تو کمال ڈھٹائی سے انہوں نے ایوارڈ منسوخ کر دیا۔

بہر حال یہ ہے امریکہ کا ماحول اور یہ ہیں وہ رکاوٹیں جن میں رہ کر مجھے تبلیغِ دین کا کام کرنا پڑ رہا ہے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا کرے اور میں اخیر وقت تک نہ صرف خود ایمان و یقین سے سرشار ہوں بلکہ یہ روشنی دوسروں تک بھی پہنچاتی رہوں۔

فروری 1990ء میں محترمہ امینہ انٹرنیشنل یونین آف مسلم وومن کی عالمی کانفرنس میں شرکت کیلئے پاکستان تشریف لائیں اور یہاں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین، کنیرڈ کالج، کالج فار ہوم اینڈ سوشل سائنسز اور اسلام آباد کے مختلف تعلیمی اداروں میں خطاب فرمایا۔ انہوں نے خواتین کو تکرار کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی کہ حجاب میں عورت کی

عزت واحترام ہے اور عورت کی سب سے بڑی ذمہ داری اپنے بچوں کی پرورش ہے۔ انہوں نے بڑے دکھ سے کہا "میں سمجھتی تھی کہ پاکستان کا معاشرہ اسلامی رنگ میں رنگا ہوگا، مگر افسوس کہ یہاں ایئرپورٹ پر اترتے ہی مجھے مردوں کے عجیب وغریب روّیے سے دوچار ہونا پڑا۔ وہ عورتوں کو جس انداز میں بے باکی کے ساتھ گھورتے ہیں اس طرح تو امریکہ کے لادین معاشرے میں بھی نہیں ہوتا۔ پھر یہاں کی خواتین یورپین عورتوں کی نقالی میں ماڈرنزم اختیار کرنے کی بڑی شوقین ہیں۔ میں انہیں انتباہ کرتی ہوں کہ یورپ کے معاشرے کی تقلید نہ کریں۔ وہاں کی خواتین آزادی اور برابری کے مفہوم کو نہیں سمجھ سکیں، انہوں نے ہر شعبۂ زندگی میں مردوں سے مسابقت کا انداز اختیار کیا اور نسوانیت کو ترک کر کے مردوں کی روش اپنالی۔ نتیجہ یہ کہ آج یورپ میں عورت سے زیادہ مظلوم کوئی نہیں۔ وہ فحاشی اور عدم تحفظ کے گہرے گڑھے میں گر گئی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا، وہ بھی کھودیا ہے۔ آج عالم یہ ہے کہ گھر کو قید خانہ سمجھ کر دفتروں کی زندگی اپنانے کے نتیجے میں اسے صبح ہی صبح تیزی کے ساتھ گاڑیوں کا تعاقب کرنا پڑتا ہے اور ٹریفک کے بے پناہ رش میں دو دو گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد اپنے دفتر میں پہنچتی ہے۔ وہاں دن بھر نوکرانی کی طرح کام بھی کرتی ہے اور اپنے باس (BOSS) کے اشارۂ ابرو پر ہر طرح کا ناگوار کام بھی کرتی ہے شام کو دوبارہ ٹریفک کے سیلاب کا مقابلہ کر کے گھر آتی ہے تو تھکاوٹ سے اس قدر نڈھال اور زندگی سے اتنی بیزار ہوتی ہے کہ اپنے ننھے پیارے بچے کی بات کا جواب تک نہیں دے سکتی۔ امریکی خواتین کے بچے ڈے کیئر سنٹروں میں پلتے ہیں۔ جہاں وہ عدم توجہ کا شکار رہتے اور نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں۔ وہاں انہیں سادھوازم اور

جادوگری کا زہر پلایا جاتا ہے،ان پر مجرمانہ حملے ہوتے ہیں اور والدین کی شفقت اور خاندانی زندگی سے محروم ہوکر وہ بچپن ہی میں منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں چنانچہ بے شمار بچے نو دس سال کی عمر میں خودکشی تک کر لیتے ہیں اور پبلک سکولوں میں فیل ہونے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ایڈز اور ہم جنسی عام ہے اور امریکہ کی بعض ریاستوں میں تو ہم جنسی کو قانونی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ بڑھاپے میں والدین شدید کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں اور جونہی ایک خاتون کی عمر 35 سال سے تجاوز کرتی ہے اسے اس طرح نظر انداز کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ درگور ہو کر نفسیاتی مریض بن جاتی ہے۔ چنانچہ امریکہ میں ذہنی امراض کے ہسپتال مریضوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض وہاں نہ عورتوں کو سکون حاصل ہے، نہ بچوں کو نہ بوڑھوں کو۔ پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ پاکستانی خواتین اور مرد حضرات اس معاشرے کو آئیڈیل کیوں سمجھتے ہیں اور وہی اطوار کیوں اختیار کر رہے ہیں جنہوں نے امریکی اور یورپی سماج کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔"

عبداللہ اڈیار (بھارت)

عبداللہ اڈیار ایک شعلہ بیان مقرر ہیں اور صحافت سے وابستگی کے ساتھ ساتھ وہ ڈی ایم کے پارٹی کے رکن بھی تھے۔ انہوں نے بہت سے ڈرامے بھی لکھے۔ دو فلموں میں بھی کام کیا اور فلم ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کی حیثیت سے نام پایا۔ افسانہ نگار بھی ہیں اور تامل زبان کے مختلف رسائل میں ان کی کہانیاں چھپتی رہی ہیں۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں صرف اسلام پر ان کی تیرہ کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں سے "اسلام جس سے مجھے عشق ہے" خاص شہرت رکھتی

ہے اور اس کا ترجمہ اردو اور سندھی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔ وہ شاعر بھی ہیں اور ایک کثیر الاشاعت ہفت روزہ ''کرودان'' (KARUDAN) کے مدیر بھی۔۔ چنانچہ مختلف النوع ادبی، عملی اور صحافیانہ خدمات کی بنیاد پر انہیں 1982ء میں تامل ناڈو گورنمنٹ ادبی ایوارڈ اور KALAIMAMANI کا خطاب دیا گیا جس کا مطلب ہے ''دنیائے علم وادب کا گرانقدر ہیرا''

س:۔ براہ کرم اپنی ابتدائی زندگی، خاندانی حالات اور دیگر ضروری تفصیلات سے آگاہ فرمایئے۔

ج:۔ میں 16 مئی 1935ء کو تامل ناڈو کے ایک قصبہ تری پور میں پیدا ہوا جو ضلع کاٹمباٹور میں واقع ہے۔ میرا تعلق ایک ہندو خاندان سے تھا مگر میرے والد ونگاٹا چالام (WINGATACHALAM) ایک راسخ العقیدہ کمیونسٹ تھے اور والدہ کٹر مذہبی ہندو تھیں۔ پیدائش کے وقت میرا نام اڈیار رکھا گیا۔ یہ تامل ناڈو کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں خدا کا بندہ۔

آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ جنوبی بھارت کے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف تعصب اور تنگ نظری کا وہ انداز نہیں ہے جو شمالی ہندوستان میں کارفرما ہے۔ وہاں باہمی رواداری اور مفاہمت کی فضا عام نظر آتی ہے۔ چنانچہ اندازہ کریں کہ نمازوں کے اوقات میں ہندو عورتیں اپنے بچوں کو گود میں اٹھائے مساجد کے دروازوں پر کھڑی رہتی ہیں تاکہ نمازیوں سے بچوں کو دم کرائیں اور برکت و شفا حاصل کریں۔ اسی طرح جنوبی ہند کے بہت سے مقامات پر یہ روایت نظر آتی ہے کہ ہندو اپنے باہمی جھگڑوں میں مسلمانوں سے فیصلے کراتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان جانبدار نہیں ہوتے اور وہ مکمل انصاف

سے فیصلہ کرتے ہیں۔

میں نے اس معاشرتی ماحول میں آنکھیں کھولیں۔ حسن اتفاق سے میری پرورش و پرداخت میں ایک مسلمان خاتون نے اہم رول ادا کیا۔ یہ خاتون ہمارے گھر میں آیا کا کام کرتی تھی اور سادگی اور خلوص کا خاص مزاج رکھتی تھی پھر لڑکپن میں میرے دوستوں میں مسلمان لڑکے بھی تھے اس طرح مسلمانوں سے میرا تعارف خاصا گہرا اور دیرینہ ہے اور میں ان کی شرافت، انصاف پسندی، نیک دلی اور اور مکر وریا سے پاک اسلوب حیات کو ہمیشہ سے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اسی دوران میں متعدد بار یہ منظر بھی دیکھا کہ میرے والد اور ان کے مسلمان دوستوں میں عقائد و نظریات پر گفتگو ہوتی تھی اور میرے دل ودماغ کو مسلمانوں کا نقطۂ نظر زیادہ اپیل کرتا تھا جبکہ والد کی باتوں میں کھوکھلا پن جھلکتا دکھائی دیتا تھا۔۔۔ تاہم اس سب کچھ کے باوجود میرے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ ایک روز میں بھی حلقہ بگوش اسلام ہو کر عظیم مسلمان برادری کا ایک فرد بن جاؤں گا۔ اس وقت میں اپنے باپ کی طرح دہریہ تھا۔ مذہب میرے نزدیک ایک بیکار شے تھی۔

س:۔ پھر وہ کیا وجوہات تھیں، جنہوں نے آپ کو اسلام کی چوکھٹ پر لا بٹھایا؟

ج:۔ میری تعلیم اگرچہ انٹرمیڈیٹ سے آگے نہ بڑھ سکی اور میں تامل ناڈو زبان کے مشہور روزنامہ ''تراسولی'' سے منسلک ہو گیا مگر مختلف موضوعات پر میں نے خوب مطالعہ کیا۔ اتفاق سے حلقہ احباب بھی بڑے فاضل دوستوں پر مشتمل تھا جن سے متنوع مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ خصوصاً اخبار کے ایڈیٹر کرونا ندھی سے میں نے بہت کچھ سیکھا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے طرزِ فکر میں

استدلالیت اور منطقیت حاوی ہوتی چلی گئی اور زندگی کے بارے میں ایک متوازن اور باوقار نقطہ نظر ابھرتا گیا۔

1976ء میں سیاسی معاندت کی بنا پر مجھے جیل جانا پڑا۔ہم لوگ اگرچہ سیاسی قیدی تھے مگر جیل میں ہمارے ساتھ بڑا بہیمانہ سلوک روا رکھا گیا اور اخلاقی قیدیوں کی طرح خوب زدوکوب کیا جاتا چونکہ اس ظلم وستم کے خلاف میں احتجاج سے باز نہ آتا تھا اس لئے جیل کا عملہ مجھ پر زیادہ ہی مہربان تھا وہ بڑی بے رحمی سے میری پٹائی کرتے تشدد کا اندازہ اس امر سے کیجئے کہ ایک بار مسلسل ضربات سے میرا پیٹ پھٹ گیا اور آنتیں نظر آنے لگیں۔

خوف اور دہشت کے اس عالم میں میری روح بے اختیار کسی ایسی چیز کا تقاضا کرنے لگی جو مجھے خوف اور پریشانی کے احساس سے نجات دے چنانچہ میں نے پہلی مرتبہ سنجیدگی سے مذہب کے بارے میں سوچنا شروع کیا اور پہلی بار میرے ذہن میں کائنات اور اس کے خالق اور زندگی کے دیگر حقائق کے بارے میں سوالات ابھرے تب میں نے اپنی بیوی سے جو عیسائی تھی ،مذہبی کتابوں کی فراہمی کا مطالبہ کیا وہ عیسائیت کے بارے میں بہت سی کتابیں لے آئی میں نے سب کا مطالعہ کیا مگر میں مطمئن نہ ہوا۔اسی طرح میں نے ہندومت ، بدھ مت، جین مت اور یہودیت کا بھی غور سے مطالعہ کیا مگر کہیں سے میرے سوالات کا جواب نہ ملا اور میری روح کی پیاس ختم نہ ہوئی۔

آخر میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور قرآن مجید کے انگریزی ترجمے نے میرے دل ودماغ پر چھائے ہوئے غبار کو دھو دیا مجھے میرے سوالات کے جوابات مل گئے۔خوف اور مایوسی کی فضا تحلیل ہوگئی۔قرآن کی اس تعلیم نے

میری بڑی ڈھارس بندھائی کہ ''خوف صرف خدا کا ہونا چاہیے اور اس سے ڈرنے والے پھر کسی سے نہیں ڈرتے'' میں مطمئن ہو گیا کہ اسلام واقعی مکمل اور فطری ضابطہ حیات ہے اور اس میں انسانوں کی مادی اور روحانی مشکلات کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت ہے۔

چنانچہ میں نے 6 جون 1986ء کو جماعت اسلامی مدراس کے امیر جناب اعجاز اسلم سے رابطہ قائم کیا کہ میں فوری طور پر اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا ضروری انتظام کیا جائے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں مزید ایک ہفتہ غور کرلوں مگر میں مُصِر تھا کہ یہ کام آج ہی ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے ساؤتھ انڈیا اشاعت اسلام سبھا کے ذمہ داروں سے بات کی اور طے پایا کہ آج عصر کے بعد مدراس کی مشہور مسجد ''مسجد معمور'' میں یہ فریضہ انجام دیا جائے گا۔

وقت مقررہ پر مسجد شہر کے مسلمان عمائدین اور عام اہل اسلام سے بھر گئی تھی۔ میں نے سب کی موجودگی میں کلمہ طیبہ پڑھا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ مسجد نعرۂ تکبیر سے دیر تک گونجتی رہی بعد میں میں نے مختصر خطاب بھی کیا کہ آج میں اپنوں کے درمیان آ گیا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مجھے ہدایت دی اور میرا سینہ ایمان کی روشنی سے منور ہوا۔ میں گزشتہ کئی سالوں سے اسلام کا مطالعہ کر رہا ہوں اور یہ مطالعہ عقل و دلیل اور منطق کی رو سے ہے۔ اس میں جذبات کا کوئی عمل دخل نہیں اللہ کے فضل سے آج میں نے مستحکم ایمان والی زندگی میں قدم رکھا ہے اور ساری علمی معلومات کے باوجود آپ حضرات کے سامنے بچہ ہوں۔ مہربانی فرما کر میری دینی تربیت کیجئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر میری رہنمائی فرمائیے۔

تقریب کے بعد شرکائے جلسہ نے مجھے گھیر لیا ہر شخص میری طرف محبت اور عقیدت سے دیکھ رہا تھا اور مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہتا تھا۔ یوں لگتا تھا یہ سب لوگ مجھے سگے بھائیوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ میں ایک تنگنائے سے نکل کر ایک وسیع و عریض پُرفضا مقام پر آ کھڑا ہوا تھا۔

س:۔ اسلامی تعلیمات کے وہ کون سے پہلو ہیں، جنہوں نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

ج:۔ میں اس کا تفصیلی جواب اپنی کتاب ''اسلام جس سے مجھے عشق ہے'' میں دے چکا ہوں اجمالی تفصیل یوں ہے۔

قرآن کا اعجاز

☆ قرآن کے الفاظ کے صوتی آہنگ سے میں بے حد مسرور ہوا ہوں۔

''کیا آواز کو کسی قسم کا تقدس حاصل ہے؟'' میں کہوں گا ہاں ہے۔ آواز ہی دنیا کی بنیاد ہے۔

☆ وید کہتا ہے کہ ''اوم'' کی آواز سے دنیا کی تخلیق ہوئی۔

☆ بائبل کا کہنا ہے کہ سب سے پہلے خدا کا کلمہ تھا پھر یہ دنیا پیدا ہوئی۔

قرآن کریم کی آواز جہاں ایک بہترین نثر کی آواز ہے، وہاں وہ اپنے اندر ایک بہترین شعر کا آہنگ لئے ہوئے ہے۔ اس میں ایک بہترین منظر کا حسن بھی موجود ہے۔ نثر اور نظم و شعر کی گنگناتی نغمہ بار کائنات کا حسن۔

☆ ''کیا یہ کلام اتنا حسین ہے کہ اس کے مثل کوئی دوسرا کلام ممکن نہیں؟''

کیا یہ سوال آج بھی کیا جا سکتا ہے اور اس دور میں بھی اٹھایا گیا تھا۔

قرآن نے اس سوال کا جواب اسی وقت دے دیا تھا کہ ہمت ہے تو اس جیسا کلام

لے آؤ۔

اس چیلنج کا جواب دینے سے دنیا آج بھی قاصر ہے۔اس کی کوشش جس نے بھی کی، منہ کی کھائی۔تورات حضرت موسیٰؑ پر عبرانی میں نازل ہوئی تھی۔ سینکڑوں برس بعد اس کو لکھا گیا۔ پھر یہ لکھا ہوا مجموعہ ضائع ہو گیا مگر اس کے لاطینی اور یونانی ترجمے باقی رہ گئے جن سے یہودیوں نے اسے دوبارہ عبرانی میں منتقل کرلیا۔اندازہ کیا جاسکتا ہے۔کہ ترجمہ سے اس الہامی کتاب کی زبان کی کیا حیثیت رہ گئی ہوگی۔

حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی کتاب ''سریانی'' زبان کی ایک بولی ''آرامی'' میں تھی ،لیکن اس کو سب سے پہلے یونانی زبان میں لکھا گیا پھر یونانی سے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ظاہر ہے کہ بائبل بھی تورات کی طرح اپنی اس زبان اور الفاظ میں موجود نہیں ہے جس میں نازل ہوئی تھی مگر قرآن جس زبان میں نازل ہوا تھا اسی زبان میں آج بھی دنیا میں موجود ہے۔

☆ زبان کے اعتبار سے قرآنِ کریم کی ایک اور خصوصیت بھی قابلِ غور ہے

☆ ہندومت کے وید اپنی اصل زبان کی بجائے سنسکرت میں لکھے گئے ، لیکن سنسکرت آج عام بول چال کی زبان نہیں ۔ یہودیوں کی مذہبی کتاب کی زبان عبرانی بھی صدیوں تک بول چال کی زبان نہیں تھی ۔ اب اسے مصنوعی طور پر زبردستی فروغ دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔

حضرت عیسیٰؑ کی زبان آرامی اور گوتم بدھ کی زبان پالی بھی قصۂ پارینہ بن چکی ہیں۔مگر قرآن کی زبان عربی آج بھی کروڑوں انسانوں کی روزمرہ زبان ہے اور قرآن نے اسے بھی زندہ پائندہ بنادیا ہے۔

اسی طرح چاروید، توریت، انجیل اور بدھ مت کی مذہبی کتاب ''تمابدم'' مختلف پیغمبروں اور مذہبی رہنماؤں کی وفات کے عرصہ بعد مرتب ہوئیں، مگر قرآنِ پاک نبی اکرمؐ کی حیاتِ مقدسہ ہی میں جیسے جیسے نازل ہوتا گیا ویسے ویسے اسے لکھا جاتا رہا اور ترتیب دے دیا گیا۔

☆ دیگر مذاہب کی کتابیں کچھ خاص طبقات کیلئے ہوتی ہیں، چنانچہ ہندو مذہب کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض انسانوں کو وید پڑھنے اور سننے کے جرم میں سزائیں دی گئیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی مذہبی کتابوں کی تعبیر و تشریح پر پادریوں اور رِبّیوں کو اجارہ داری حاصل رہی، مگر قرآن تک ہر طبقے اور ہر گروہ کی دسترس ہے۔ ہر انسان بلا امتیاز اس کا مخاطب ہے اور پیغمبرِ اسلامؐ کے فرمان کے مطابق بہترین مسلمان وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

☆ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عام مذاہب کی کتابیں حکمرانوں، جاگیرداروں اور زرداروں کے ہاتھ مضبوط کرتی رہی ہیں اور کمزوروں پر ظلم ڈھانے میں ان کی معاون و مددگار رہی ہیں، مگر قرآن ظالم حکمرانوں اور زبردستوں کی بار بار مذمت کرتا اور کمزوروں، ناداروں کو سہارا دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ بلا مبالغہ قرآن حکیم کو انسانی آزادی کا چارٹر اور میگنا کارٹا قرار دیا جا سکتا ہے۔

☆ قرآن کی تعلیمات بھی فطری اور اٹل نوعیت کی ہیں۔ یہ کتاب انسانوں کو خدا کا تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کرتی ہے۔ حکم دیا کہ صرف معبودِ حقیقی سے ڈرو اور دل سے ہر دوسرا خوف نکال دو۔ اسی تعلیم کی برکت سے انسانوں کو جابر حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے اور صرف خدائی قوانین کے آگے جھکنے کا حوصلہ ملا۔

☆ قرآن نے عام انسانوں میں ظالم حکمرانوں، غیر منصفانہ قوانین اور استحصالی قوتوں کے خلاف ڈٹ جانے کا داعیہ پیدا کیا۔ انہیں جنگ، بیماری، موت، غربت وافلاس اور مال وعزت کے زیاں کے خوف سے بے نیاز کیا اور شدید ترین خطروں میں بھی مستقل مزاجی اور عزیمت کی تعلیم دی۔ اس طرح قرآن نے انسانوں کو بہادر، باوقار اور صاحبِ شرف وعزت ہستی بنا دیا اور دورِ اول سے لے کر آج تک اسلامی تاریخ میں اس حوالے سے ان گنت مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

☆ اس کتاب مبین کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر حالت میں عدل و انصاف پر قائم رہنے کی تلقین کرتی ہے اور کسی حالت میں بھی انصاف کا دامن چھوڑنے کی جازت نہیں دیتی۔ حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار کے معاملے میں بھی انصاف کرو۔

☆ آزادی، مساوات اور حق وانصاف، ان تین بہترین اساسی اصولوں پر قرآنِ حکیم انسانی معاشرے کو تشکیل دیتا ہے۔

☆ بہت سی مذہبی کتابیں انسان کی دنیوی زندگی کو پاپ کی زندگی قرار دیتی ہیں۔ اس سے جلد از جلد دامن چھڑانے اور اس کو تج دینے کی تلقین کرتی ہیں۔ مگر قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ انسان خدا کی بہترین تخلیق ہے اور اسے اعلیٰ وارفع مقاصد کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور ان پاکیزہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کیلئے وہ جو اعمال بھی سرانجام دیتا ہے قرآن انہیں قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھتا ہے، انہیں ثواب قرار دے کر دنیا وآخرت کے انعامات کا اعلان کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان اور اس کی دنیاوی زندگی کو احترام اور تکریم صرف قرآن نے دی ہے۔

سیرت النبیؐ کا اعجاز

☆ قرآن کے بعد مجھے پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ کی سیرتِ پاک نے بے پناہ متاثر کیا ہے۔ فی الحقیقت آپؐ کی زندگی اور کردار کا ہر پہلو عدیم النظیر ہے مثال کے طور پر دنیا کے مختلف مذاہب کا اپنے رہنماؤں کے بارے میں دعوے ہے کہ فلاں خدا کے اوتار ہیں، فلاں خدا کے جزو ہیں، فلاح خدا کے بیٹے ہیں۔۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ دنیا ان دعوؤں کو سچ مانتی رہی ہے لیکن اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسولؐ اللہ کو نہ خدا کہا جاتا ہے، نہ خدا کا بیٹا، اور نہ خدا کا اوتار۔۔ وہ ایک انسان ہیں، ایک پاکباز انسان، بلند ترین اخلاق کے حامل انسان۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ ''اے نبیؐ! کہو میں تو بس تمہی جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔''

☆ پھر یہ بات بھی لائق غور ہے کہ کتنے ہی مذہبی قائدین انسان کی حیثیت سے پیدا ہوئے، زندگی میں انسان کی حیثیت سے اپنا کردار انجام دیا، انسانی معاشرے میں اصلاح اور بھلائی کے کام کئے اور وفات پا گئے۔ لیکن ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی انہیں خدا کا درجہ دے دیا گیا۔ گوتم بدھ اور حضرت مسیحؑ کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔ ہندومت کا تو ہر مذہبی رہنما خدا کا درجہ رکھتا ہے۔

☆ لیکن نبی کریمؐ کو کبھی خدا کا درجہ نہیں دیا گیا۔ کسی معقول مسلمان نے انہیں الوہیت کے مقام پر فائز نہیں لیا۔

☆ میں اپنے قلب کی گہرائیوں سے اعلان کرتا ہوں کہ پوری انسانی تاریخ میں مجھے محمد رسولؐ اللہ جیسی جامع اور مکمل شخصیت کہیں نظر نہیں آتی۔

عرب کا مطلق العنان حکمران ہونے کے باوجود آپ اپنے کام خود کرتے تھے اپنے جوتے تک خود مرمت کرتے۔ اپنے کپڑوں کو پیوند بھی خود لگاتے تھے۔ مویشیوں کو اپنے ہاتھ سے چارہ ڈالتے اور اپنے ہاتھ سے دودھ دوہتے تھے۔

دودھ نوش کرنے والے اور دودھ میں نہانے والے حکمرانوں کو تو دنیا جانتی ہے، لیکن دودھ دوہنے والے واحد حکمران آپ ہیں۔

ہمیشہ ہنس مکھ چہرا لئے ہوئے نہ جھنجھلانے والے، نہ غصہ کرنے والے، نہ قہقہہ لگانے والے، ہر شخص کا ہاتھ بٹانے والے، باوقار چال چلنے والے، کسی کے سلام کا انتظار کئے بغیر ہر شخص کو آگے بڑھ کر سلام کرنے والے، چھوٹوں کو بھی ازراہ شفقت سلام میں پہل کرنے والے، کوئی پکارنے والا خواہ دنیاوی طور پر کتنا ہی بے حیثیت اور حقیر کیوں نہ ہوتا، اس کی پکار پر دردمندی اور گرم جوشی سے لبیک کہہ کر تعاون کیلئے لپکنے والے۔ یہ ہے عظیم و بلند کردار اس پاکیزہ نبیؐ کا۔

آپؐ نے زندگی بھر نہ کسی کو جھڑکا، نہ لعنت کی نہ کسی کو گالی دی، بہت سے بزرگوں کا حال ہم جانتے ہیں۔ وہ باہر والوں پر تو نرم خو اور صابر و متحمل مزاج نظر آتے ہیں، لیکن اپنے اہل و عیال، نوکر چاکر اور اپنے ماتحتوں کیلئے سخت گیر درشت مزاج اور سخت کلام ہوتے ہیں۔ لیکن نبی کریمؐ کی شان ہی نرالی ہے جیسے وہ باہر شفیق و حلیم اور شگفتہ مزاج اور خوش کلام تھے ویسے ہی گھر کے اندر اپنے اہل و عیال، نوکر چاکر اور ماتحتوں کے ساتھ بے حد نرم مزاجی، تحمل، محبت اور شگفتہ روئی سے پیش آتے تھے۔

آپؐ سے ملنے والے مصافحے کیلئے ہاتھ بڑھاتے تو آپ مخاطب کا

ہاتھ تھام کر گفتگو فرماتے اور جب تک دوسرا شخص اپنا ہاتھ پیچھے نہ ہٹاتا، آپؐ ہاتھ بڑھائے رکھتے۔ ہر کسی کو محبت اور اکرام کے ساتھ پکارتے، کوئی آپ سے سخت کلامی کرتا تو آپ مسکرا کر خاموش ہو جاتے اور صبر کرتے۔ آپ کی حیا مثالی تھی، شریف خاندان کی باعفت دوشیزہ کی حیا سے بھی بڑھ کر۔

پھر نبی عربیؐ کی شان دیکھئے۔ وہ سرِ بزم گفتگو میں جتنے نرم تھے، جدوجہد کے میدان میں اتنے ہی گرم تھے۔ مصائب و مشکلات میں پہاڑ کی طرح ثابت قدم نظر آتے ہیں۔

محمد رسولؐ اللہ نے اپنے ساتھیوں کو جہاں نرم خوئی سکھائی، وہاں اصولوں میں بے لچک روّیہ اختیار کرنے کی تعلیم بھی دی۔ دشمنوں کے ہاتھوں آپ کے اور آپ کے ساتھیوں نے شدید مظالم برداشت کئے لیکن فتحِ مکہ کے موقع پر جب آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ شہر میں فاتحانہ داخل ہوئے تو ان پر نہ تو فتح کا نشہ چھایا ہوا تھا نہ دلوں میں انتقام کا کوئی جذبہ موجزن تھا، بلکہ اس کے برعکس دنیا نے دیکھا کہ آپ کا سر عاجزی سے جھکا ہوا تھا اور ریش مبارک اونٹ کے کوہان کو چھو رہی تھی۔

سردارانِ قریش لرز رہے تھے کہ ہم نے ان لوگوں پر اتنے بھیانک مظالم ڈھائے ہیں، آج ہمارا کیا حشر ہوگا؟

مگر نبی کریمؐ کی زبان سے یہ الفاظ موتیوں کی طرح ٹپکے۔

''لوگو! آج تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔ خدا تمہیں معاف کرے، جاؤ تم سب آزاد ہو'' آپ نے اپنے جانثار شہید چچا کے کلیجے کو نکالنے اور اسے چبانے والی عورت کو بھی معاف کر دیا۔ کیا انسانی تاریخ ایسی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے؟

عورتوں پر حضورؐ کے احسانات

واہ! کتنی بلندی اور کتنی عظمت کی بات ہے یہ۔ یوں تو ہر طبقے پر نبی کریمؐ کے احسانات بے پناہ ہیں مگر عورتوں سے آپ کے حسنِ سلوک اور کرم فرمائیوں کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپکی بعثت سے پہلے عام طور پر ہر سماج اور ہر سوسائٹی میں عورت کو حقیر گردانا جاتا تھا، اس کی تحقیر کی جاتی تھی، اسے مالِ تجارت سمجھا جاتا تھا اور وہ ہر طرح کے ظلم و ستم کی سزاوار سمجھی جاتی تھی۔

آپ تاریخِ انسانی کے پہلے رہنما اور اولین قانون ساز ہیں جنہوں نے صنف نازک کو ذلت و نکبت کی اس غیر معمولی حالت سے نجات دلائی۔ آپ نے عورت کو مرد کے برابر مساویانہ درجہ دیا۔ وراثت میں اسے حصہ دار قرار دیا۔ حالانکہ تہذیب کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والے کئی یورپی ممالک میں آج بھی عورت کو جائیداد میں حصے کا حق حاصل نہیں۔ ہندوستانی سماج میں عورت کو جائیداد کا حق کچھ ہی عرصہ پہلے حاصل ہوا ہے، لیکن پیغمبرِ اسلام نے چودہ سو سال قبل ہی یہ سارے حقوق عورتوں کو عطا فرما دیئے تھے۔ عورت کے حقوق کی وضاحت کیلئے قرآن میں بھی احکام و فرامین نازل ہوئے۔

آپؐ کی تعلیمات میں عورتوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کے چند فرمودات ملاحظہ ہوں۔

☆ اپنی بیوی کو مارنے والا اچھے اخلاق کا نہیں ہے۔

☆ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرے۔

☆ اللہ عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ وہ

تمہاری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں ہیں۔

☆ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔

☆ کوئی مسلمان اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی ایک عادت بری ہے تو اس کی کسی دوسری اچھی عادت کو دیکھ کر مرد کو خوش ہونا چاہیے۔

☆ اپنی بیوی کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک نہ کرو۔ ان کی پٹائی نہ کرو۔

☆ جب تم کھاؤ تو اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اپنی بیوی کو بھی پہناؤ

☆ بیوی کو طعنہ نہ دو، چہرے پر نہ مارو، اس کا دل نہ دکھاؤ، اسکو چھوڑ کر نہ چلے جاؤ۔

☆ بیوی اپنے شوہر کی جگہ جملہ اختیارات کی حامل ملکہ ہے۔

☆ اتنے حقوق عطا کر کے نبی کریمؐ نے عورتوں کو بھی بعض فرائض اور حدود کا پابند بنایا۔

☆ جب شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے۔ جب حکم دے تو اطاعت کرے۔ شوہر اگر دور ہو تو اس کی ملکیت اور اپنی عفت کی حفاظت کرے۔ ایسی ہی عورت معیاری بیوی سمجھی جائے گی۔

☆ اچھے اخلاق کی بیوی کا میسر ہونا بے مثال دولت کے مترادف ہے۔

☆ جو پنجگانہ نماز ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے اور پنی عصمت کی حفاظت کرے ایسی خاتون جس راہ سے چاہے جنت میں داخل ہو۔

☆ دنیا کی ساری دولت سے زیادہ قیمتی شے عفت مآب بیوی ہے۔

☆ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کو اتنے سارے حقوق عطا کرنے والے اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت کیوں ہے؟ کیا یہ عورتوں پر صریح ظلم نہیں ہے؟ اس سلسلہ کی تفصیلات تو میری متذکرہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ مختصراً عرض کروں گا کہ ایک سے زائد شادیوں کی کچھ حقوق کے ساتھ اجازت دے کر دراصل اسلام نے مرد اور عورت کی جسمانی ساخت، ان کی نفسیات اور عملی ضرورت کا پورا لحاظ کیا ہے۔ زنا اور بدکاری کو حرام قرار دے کر تعددِ ازواج کی قانونی اجازت دینے والا حکیمانہ دین فی الحقیقت دین اسلام ہے۔

المختصر میں اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے کہوں گا کہ یہ ہیں اسلام کے وہ اجمالی پہلو جنہوں نے مجھے غیر معمولی طور پر متاثر کیا اور میں باقاعدہ اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی اس کے عشق میں مبتلا ہو گیا۔ دراصل اسلام اپنی ساری خوبیوں اور آب و تاب کے ساتھ ہیرے کی طرح آج بھی جگمگا رہا ہے۔ اب یہ ذمہ داری داعیانِ اسلام کی ہے کہ وہ دین اسلام کو مخلصانہ طور پر اپنائیں۔ اس طرح وہ اپنے رب کی خوشنودی اور رضا بھی حاصل کر سکتے ہیں اور غریبوں اور مجبوروں کے مسائل بھی حل ہو سکتے ہیں اور انسانیت مادی اور روحانی ترقی کی طرف تیز رفتاری سے آگے بڑھ سکتی ہے۔

یوسف اسلام (انگلستان)

(یہ مضمون ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک) کے نومبر 1982ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اسے بشیر محمود اختر صاحب نے مرتب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

مجھے ایک تربیتی کورس کے سلسلے میں لندن میں قیام کا موقع ملا۔ ایک روز اسلامی کتابوں کی ایک دکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک چھوٹی سی کتاب Islam My Religion (اسلام میرا دین) پر نظر پڑی۔ مصنف کا نام کیٹ سٹیونز (Cat Stevens) لکھا تھا اور اندر کے صفحے پر وضاحت کی گئی تھی کہ یہ صاحب برطانیہ کے مشہور موسیقار اور پاپ سنگر رہے ہیں، اب مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور یوسف اسلامؔ کے نام سے موسوم ہیں۔ میں نے یہ کتاب خرید لی اور اسے شوق سے پڑھا۔ یہ دراصل یوسف اسلام کا ایک انٹرویو تھا جو مارچ 1980ء میں لیا گیا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

سوال:۔ میں پہلا سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اسلام کے بارے میں معلومات کس ذریعے سے حاصل ہوئیں۔

جواب:۔ اسلام کے بارے میں مجھے سب سے پہلے اپنے بھائی ڈیوڈ کے ذریعے معلومات حاصل ہوئیں۔ پانچ سال پہلے انہوں نے یروشلم کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہاں انہوں نے جن مقدس مقامات کی زیارت کی ان میں ایک مسجد اقصیٰ بھی تھی اس سے قبل وہ کبھی کسی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہاں کی فضا مسیحی گرجوں اور یہودیوں کے معبدوں سے اس قدر مختلف تھی کہ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ یہ دین (اسلام) عیسائیت کی طرح پراسرار کیوں نہیں ہے؟ وہ مسلمانوں کے رویے اور سکون بخش انداز عبادت سے بہت متاثر ہوئے۔

انگلستان واپس پہنچتے ہی انہوں نے قرآن حکیم کا ایک نسخہ خریدا اور لا کر مجھے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رہنمائی کا محتاج تھا۔ الحمدللہ۔

سوال:۔ جب آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا تو آپ کو کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟۔

جواب:۔ یہ اس پیغام کی دائمی نوعیت تھی۔ میں حیران تھا کہ الفاظ سب کے سب آشنا قسم کے تھے لیکن ہر اس چیز سے بے حد مختلف تھے جس کا میں پہلے مطالعہ کر چکا تھا۔ اس مرحلے تک زندگی کا مقصد میرے لئے سربستہ راز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہمیشہ مجھے اس بات پر یقین رہا کہ زندگی کی اس تصویر کشی کے پس پردہ ایک زبردست تخلیق کار کا ہاتھ ہے لیکن وہ ان دیکھا تخلیق کار کون ہے، اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ میں اس سے پیشتر بہت سے روحانی راستوں کی جادہ پیمائی کر چکا تھا، لیکن تسکین کی پیاس کہیں نہیں بجھی۔ میں ایک ایسی ناؤ کی مانند تھا جو پتوار اور کھیون ہار کے بغیر چلی جا رہی تھی اور جس کی کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کیلئے اور یہ میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بار بار مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران میری ملاقات کسی بھی مسلمان سے نہ ہوئی۔

میں قرآن کے پیغام میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا کہ اب جلد ہی یا تو مجھے پوری طرح ایمان لے آنا ہوگا یا پھر اپنی ہی راہ چلتے چلتے موسیقی کی دنیا میں کھوئے رہنا ہوگا۔ یہ میری زندگی کا سب سے مشکل اقدام تھا۔ ایک روز مجھے کسی نے بتایا کہ لندن میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ پس اب میرے لئے اپنا دین قبول کرنے کا وقت آپہنچا تھا۔ 1977ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ میں جمعہ کے روز مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد میں امام صاحب کے پاس

پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں قبول اسلام کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ مسلم برادری سے یہ میرا پہلا رابطہ تھا۔

سوال:۔ آپ کیلئے یہ کس قدر دشوار ثابت ہوا ہوگا کہ اچانک وہ بہت ساری باتیں ترک کردیں، جن کے آپ پہلے عادی رہ چکے تھے؟

جواب:۔ یہ دشوار نہیں تھا کیونکہ میں بخوبی جانتا تھا کہ ان برائیوں کو ترک کردینا ہی بہتر ہے۔ یہ برائیاں دراصل مجھے تباہ کررہی تھیں۔ مثلاً شراب نوشی، سگریٹ نوشی اور سودخوری وغیرہ۔ لیکن اپنے پرانے دوستوں سے قطع تعلق کرنا میرے لئے سب سے زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ پیغام اسلام کا فہم کیوں پیدا نہیں کرسکے۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوسکا میں ان سے دوستی نبھاتا چلا گیا لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب اپنے دین کی خاطر میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے ماضی اور اسلام کے درمیان مجھے ایک خط کھینچنا ہوگا۔ اس کیلئے مجھے کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ مثال کے طور پر جب میں غیر مسلموں کے درمیان ہوتا تو ان سے معذرت طلب کرکے چپکے سے نماز کیلئے نکل جاتا۔ میں یہ نہ بتاتا کہ میں کہاں جارہا ہوں، کیونکہ یہ ان کیلئے قدرے عجیب سی بات ہوتی۔ پھر ایک روز میں تہیہ کرلیا کہ اب میں سب کو بتادوں گا کہ میں نماز کی ادائیگی کے لئے جارہا ہوں۔ چنانچہ سب نے میرا نقطہ نظر سمجھ لیا اور اس کیلئے وہ میری عزت کرنے لگے۔ جب آپ اپنی بات پر ڈٹ جائیں اور اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں تو اللہ اس میں آسانی فرمادیتا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

سوال:۔ آپ اپنے ماضی کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب:۔ میں پندرہ برس کا تھا جب مجھے موسیقی سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی۔

میرے والد میرے لئے ایک گٹار لے آئے اور میں نے اپنے گیت لکھنے کا آغاز کر دیا۔ میں کیٹ سٹونز کا نام منتخب کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں میرا پہلا ریکارڈ بہت مشہور ہوا۔ میں بہت کامیاب ہوا اور میرے گانوں کے ریکارڈ یورپ بھر میں فروخت ہونے لگے۔ لیکن یہ شو بزنس مجھے راس نہ آیا۔ میں نے کثرت سے مے نوشی اور سگریٹ نوشی شروع کی دی، لہذا میں دق کا مریض بن گیا۔ اس سے میرا یہ ذریعہ معاش ختم ہو گیا اور مجھے چند ماہ ہسپتال رہنا پڑا اس دوران میں نے مشرقی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا۔ میرے پاس ایک کتاب تھی جس کا نام The Secret Path (خفیہ راستہ) تھا۔ یہی کتاب روحانی معاملات سے میرا پہلا تعارف ثابت ہوئی۔ اسی کے ذریعے میں طمانیت و بصیرت کی تلاش کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ اس نے بالآخر مجھے اسلام کے دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے ایسے گیت لکھنے شروع کیے جن میں اس روحانی بیداری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے یہ گیت میری سرگزشت بنتے چلے گئے۔

سوال:۔ تو کیا آپ نے موسیقی سے قطع تعلق کر لیا ہے؟

جواب:۔ میں نے موسیقی کے مشاغل ترک کر دیئے ہیں۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہ مشاغل مجھے صراط مستقیم سے بھٹکا نہ دیں۔ میرا یہ کہنا شاید بڑا بول نہ سمجھا جائے گا کہ میں اب کبھی موسیقی کا شغل اختیار نہیں کرونگا لیکن اس کے ساتھ انشاء اللہ کہے بغیر بات مکمل نہیں ہو سکتی۔

سوال:۔ تو اب آپ کیا پیشہ اختیار کریں گے؟

جواب:۔ میں دراصل صرف اللہ کا کام کر رہا ہوں۔ وہی میری دست گیری کر رہا ہے اور اس نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ میری خواہش ہے کہ میں برطانیہ میں تبلیغ اسلام کی خدمت بجا لا سکوں۔ اس کیلئے مجھے

خواہ کچھ ہی کرنا پڑے اور کسی بھی حیثیت سے خدمت انجام دینی پڑے۔ اسلامی برادری روز بروز مستحکم ہو رہی ہے۔ اس وقت میرا کام عربی زبان کی تحصیل ہے۔ میری بڑی آرزو ہے کہ میں قرآن کو سمجھ سکوں۔ بہت سارے مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور ان کیلئے یہ کوئی خاص بات نہیں لیکن مجھے ابھی تفہیم قرآن کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی ہر آیت مکمل ہدایت ہے۔ مجھے اکثر یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا مناسب احترام نہیں کرتے اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب زمانوں کے لئے کارآمد ہے۔ یہ ہر سچے دیندار کیلئے ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

سوال:۔ برطانیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب:۔ اس سلسلے میں ہمیں احتیاط برتنی چاہیے اور عیسائیوں کا طریق کار اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ہم سب کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اسلام کا پیغام صرف زبان سے ہی نہیں پھیلانا چاہیے۔ پہلے تو آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے اپنے اعمال درست ہیں، پھر سادہ اور واضح طریقے سے اتنی خوشخبری سنائیں کہ قل ہو اللہ احد (کہیے کہ وہ اللہ ایک ہے) اس بات کی کوشش نہ کریں کہ اسلام کا پورا پیغام ایک ہی بار منتقل کر دیا جائے۔ جب نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذؓ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا کہ ان لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں، لہٰذا انہیں سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا۔ جب یہ بات ان کو سمجھ میں آجائے تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔ اگر وہ نمازیں ادا کرنے لگیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی جائیدادوں میں سے زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ زکوٰۃ تم میں سے مالدار

لوگ ادا کریں گے اور محتاجوں میں تقسیم کی جائے گی اور اگر وہ اس پر رضا مند ہو جائیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر لینا لیکن لوگوں کی بہترین جائیدادوں سے درگزر کرنا۔

ایک مسلمان کو اول تو خوش خلق، مہربان اور متواضع ہونا چاہیے کہ یہ اوصاف خود رسول اکرم ﷺ میں موجود تھے۔ اگر ہم لوگوں کے سامنے بڑی منطقی بحثیں کرتے رہیں تو شاید وہ ہم سے متفق بھی ہو جائیں گے لیکن وہ ہم سے رخصت ہوتے ہی سب باتیں فراموش کر دیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں عملی طور پر کچھ کرتے نہیں دیکھا۔

رسول اکرم ﷺ قرآن مجسم تھے یہی بنیادی بات ہے۔ قرآن کو صرف پڑھ لینا کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کی تکمیل کیلئے صادر فرمائے گئے ہیں اور قرآن انہی احکام کا مجموعہ ہے۔ آپ اسے صرف زبانی تبلیغ و بیان کیلئے استعمال نہیں کر سکتے، بلکہ اس پر عملدرآمد بہت ضروری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ باتیں کم کریں اور عمل زیادہ۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی کسی شخص کو قبول اسلام کی توفیق ملتی ہے۔

یوسف اسلام کا یہ انٹرویو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور ان کے بارے میں مزید جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب لندن ہی میں رہتے ہیں اور انہوں نے تبلیغ دین کیلئے اپنا ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ مژدہ جانفزا سننے میں آیا کہ یہ صاحب 28 مئی 1982ء کو سکول آف اورنٹل اینڈ افریقین سٹڈیز کے اسمبلی ہال میں جمعہ کی نماز کے بعد خطاب فرمائیں گے۔

مجھے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نظر آئے جن کی اپنی

ایک شخصیت تھی اور جن کا اپنا ایک پیغام تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ کے نیک بندے اور رسول تھے۔ ان کی صرف ایک ہی تصویر ابھرتی ہے اور وہ ایک انسانی تصویر ہے۔ دنیا کے مختلف گرجا گھروں میں حضرت عیسیٰ علی السلام کی بنی ہوئی تصویریں اور مورتیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ وہ مختلف شخصیتوں کو نمایاں کرتی ہیں لیکن وہ خدا نہ تھے، نہ خدا کے بیٹے۔ قرآن شریف میں ان کی صحیح شخصیت کا تصور واضح ہوتا ہے۔

مجھے اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نظر آئے۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ وہ آزمائش میں پورے اترے اور اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا بھیج دیا۔ تب سے انسانی قربانی کا تصور ختم ہوا اور جانور کی قربانی کی روایت قائم ہوئی۔

بہرحال سب پیغمبر خدا کے بھیجے ہوئے ہیں لہٰذا قابل احترام ہیں اور سب کے بعد تشریف لانے والے حضور اکرم محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جن کا پیغام رہتی دنیا تک کیلئے ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن رہیں اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کریں۔

الحمدللہ! میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بہت خوش ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی مسلمان ہے۔ ہم اپنے بچوں کو بھی بہت اچھا مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلام کی خدمت میں زندگی گزار دینا چاہتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن (بھارت)

ذیل کا روح پرور اور معلومات افزا مضمون ہندوستان کے تمکین آفاقی نے مرتب کیا اور کتابچے کی صورت میں مکتبہ اسلامی دہلی نے شائع کیا۔ دونوں کے شکریئے کے ساتھ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

تحریک اسلامی حلقہ آندھرا پردیش کے پہلے اجتماع ارکان کے موقع پر ایک کشیدہ قامت نوجوان پر نظر پڑتے ہی میں نے مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ جناب والا کی تعریف؟

میں عبدالرحمٰن ہوں۔ انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔ میری عمر 33 سال ہے۔ سولہ سال کی عمر میں مسلمان ہوا اور 23 سال کی عمر میں تحریک اسلامی کا رکن بنا۔ میں دراصل نومسلم ہوں۔ میرا سابق نام سوریا نائیڈو ہے۔ ہندومت کا پیرو تھا اور اب الحمدللہ عبدالرحمٰن ہوں۔ رحمٰن کا بندہ"۔ انہوں نے بے تکلفی سے بتایا۔

انہوں نے اپنے ماضی کے اوراق الٹنے شروع کر دیئے۔ "جیسا کہ عرض کر چکا ہوں میرا اصل نام سوریا نائیڈو تھا۔ میرے والد ایک پجاری تھے۔ میں بچپن ہی سے کافی سنجیدہ اور خاموش قسم کا لڑکا تھا اور غالباً اسی وجہ سے میرے بچپن ہی میں میرے والد نے طے کر دیا تھا کہ ان کے بعد میں ہی ان کا روحانی جانشین ہوں گا۔ مجھ سے بڑے دو بھائی تھے لیکن والد صاحب ان کی فطرت سے اس لئے مایوس تھے کہ ان دونوں کو مذہبی امور سے بالکل دلچسپی نہ تھی۔ تیرہ سال کی عمر میں جب کہ میں ساتویں جماعت میں پڑھ رہا تھا، پہلی بار اپنے مذہب سے متعلق میرے قلب و ذہن میں بے اطمینانی پیدا ہوئی۔ والد صاحب ہی میرے اتالیق تھے اور ان کی موجودگی میں مذہبی آداب و رسوم سیکھنے کیلئے مجھے مند

رہی میں رہنا پڑتا تھا۔ والد صاحب گھنٹوں اپنی پوجا میں مصروف رہتے اور میں غور وفکر میں کھویا رہتا۔ یہ بات میرا دل قبول کرنے کیلئے کسی طرح تیار نہ ہوتا تھا کہ انسانی ہاتھوں کے تراشیدہ یہ بت ہمارے خدا ہوسکتے ہیں۔ یعنی انسان خود جن بتوں کا خالق تھا وہی بت خود اس کے خالق ومعبود کہلانے لگیں؟ ہر گزرتے ہوئے دن کے ساتھ میری بے چینی اور اضطراب میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ یہ ایک ایسی گتھی تھی جسے سلجھانے کی ہر کوشش کے بعد میں یہ محسوس کرتا تھا کہ یہ مزید الجھ گئی ہے اور مجبوری یہ تھی کہ کسی کے سامنے آزادانہ طور پر میں اپنی ان الجھنوں کا اظہار بھی نہیں کرسکتا تھا۔

مندر میں میرے والد کے پچاس ساٹھ شاگرد رہتے تھے ایک بار خیال ہوا کہ ان سے بحث مباحثہ کرکے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کروں لیکن پھر یہ سوچا کہ ان سے گفتگو کرنے کی بجائے کیوں نہ والد صاحب ہی سے پوچھ لوں۔ وہی تو میرے اور تمام لوگوں کے استاد اور گورو تھے اور پھر ایک دن جبکہ مندر میں والد صاحب اور میں ہی تھے، اس موضوع پر میں نے پہلی بار اظہار خیال کیا۔

عبدالرحمٰن کہتے ہیں۔ پہلے پہل جب والد صاحب کو میرے خیالات کا علم ہوا تو وہ نہ صرف یہ کہ چونک پڑے بلکہ خوف اور اندیشے سے انہوں نے ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں کوئی میرے ان ''کافرانہ'' خیالات کو سن تو نہیں رہا ہے۔ والد صاحب کا اندیشہ اس لحاظ سے بہر حال درست تھا کہ ان کے بعد مجھے ہی اس مندر کا پجاری ہونا تھا، اس لئے اگر کسی کو میرے ان خیالات کا پتہ چل جاتا تو بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ بہر حال جب والد صاحب کو اطمینان ہوگیا کہ مندر میں ان کے اور میرے علاوہ کوئی تیسرا شخص موجود نہیں ہے تو انہوں نے بڑی جاں سوزی اور محبت سے میری اس ذہنی پھانس کو نکالنے کی کوشش کی۔ انہوں نے وید اور

اپنشدوں کے حوالے سے فلسفیانہ انداز میں اس بت گری اور بت پرستی کی توجیہہ پیش کرنے کی کوشش کی اور میں خاموشی سے سنتا رہا۔ والد صاحب کو خود بھی اچھی طرح اندازہ تھا کہ اگرچہ عمر کے اعتبار سے میں بچہ ہوں لیکن ذہنی طور پر بہر حال بچہ نہیں ہوں۔ وہ مجھے سمجھانے کیلئے خود بھی الجھتے چلے گئے۔ میری خاموشی انہیں اور بھی بوکھلائے دے رہی تھی اور یہ احساس غالباً انہیں پریشان کئے دے رہا تھا کہ انہی کا ایک نوعمر بیٹا اپنے عجیب وغریب سوالات کے ذریعہ ان کے فلسفے اور آبائی ذہنی تصورات کی دھجیاں بکھیر رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفیانہ الجھاؤں سے وہ خود ہی کچھ دیر میں اکتا گئے اور آخر میں انہوں نے مجھے نصیحت کرنے کی کوشش کی کہ میں اس قسم کے کافرانہ خیالات سے اپنے دل ودماغ کو بچاؤں ورنہ میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر والد صاحب نے گویا خود اپنی شکست کا اعتراف کر لیا تھا کہ وہ علمی اور عقلی طور پر مجھے مطمئن کرنے میں ناکام ہو گئے تھے۔ میں خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔

دوسری بار جب کہ پنڈت جی کلاس روم میں رامائن کے ایک واقعہ سے متعلق لیکچر دے رہے تھے، میں نے اٹھ کر شری رام چندر جی کے اپنے بچوں کے معاملے میں غیر عادلانہ رویے پر اعتراض کر دیا کہ رام چندر جی اگر دیوتا ہیں تو پھر اس ناانصافی کی توقع ان سے کیسے کی جا سکتی تھی؟ جبکہ ایک عام آدمی کے معاملے میں بھی یہ رویہ سخت قابل اعتراض ہے۔ پنڈت جی نے میرا اعتراض سن کر بجائے اس کے کہ کوئی عقلی اور علمی توجیہہ پیش کرتے، مجھے دھمکانے کی کوشش کی کہ اگر میں یوں ہی اعتراض کرتا رہا تو میرا دھرم بھرشٹ ہو جائے گا وغیرہ اور میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔

تیسری بار شری کرشن جی سے متعلق میں نے پنڈت جی کے سامنے

اعتراض کر دیا کہ آپ کہتے ہیں کہ شری کرشن جی دیوتا تھے۔ چلیئے مان لیتا ہوں کہ وہ دیوتا ہی تھے، لیکن پھر ان کا جو کردار گوپیوں اور دوسری عورتوں کے معاملے میں ہمارے سامنے آتا ہے اس سے انہیں دیوتا ماننے والوں کو کیا سبق حاصل کرنا چاہیے؟ کیا آپ یہ بات پسند کریں گے میں یا کوئی اور نوجوان ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسی کردار اور طرز عمل کا مظاہرہ کرے؟ میری بات سن کر پنڈت جی کا چہرہ فق ہو گیا اور بڑی دیر تک سوچنے کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ دیوتا یا بزرگ جو غلطیاں کرتے ہیں وہ دراصل غلطیاں ہوتی ہی نہیں نہ ان غلطیوں کی اتباع کرنا چاہیے اور نہ ہی تنقید۔ پنڈت جی کی اس عجیب تاویل سے میرے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور وہ آگ بگولہ ہو گئے۔ بڑی دیر تک جوش اور غصے میں نہ جانے کیا کیا بکتے جھکتے رہے اور پھر آخر میں انہوں نے چیلنج کے انداز میں مجھے اس بات کا مشورہ دیا کہ میں اپنشدوں کا مطالعہ کروں۔ میں نے سعادت مندی سے کہا کہ ٹھیک ہے۔ آپ ہی کوئی مستند تلگو ترجمہ فراہم کر دیں اور انہوں نے بخوشی اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا اور پھر اسی شام انہوں نے میرے ہاتھوں میں ایک کتاب تھما دی اور میں اسے گھر لے آیا اور کافی رات تک اس کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔ دوران مطالعہ ایک فقرے پر میری نگاہ جم کر رہ گئی "بھگوان ایک ہی ہے اور ایک کے علاوہ کچھ نہیں" دوسرے دن مندر میں، میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ فلاح کتاب میں تو لکھا ہے کہ بھگوان ایک ہی ہے اور ایک کے علاوہ کچھ نہیں جبکہ آپ اور دوسرے لوگ ہزاروں خداؤں کے پرستار ہیں۔ یہ کیا معاملہ ہے؟ براہ کرم وضاحت فرما دیجئے۔ والد صاحب نے جز و اور کل کی فلسفیانہ بحث شروع کر دی اور جب انہوں نے دیکھا کہ میری آنکھوں میں اطمینان کی بجائے مزید سوالات کی بے چینی کروٹیں لے رہی ہے تو وہ یکبارگی

خاموش ہو گئے۔ مجھے ان کی بے بسی پر رحم آ گیا۔ اسی دن سکول میں، میں نے پنڈت جی سے بھی یہی سوال کیا تو وہ بغلیں جھانکنے لگے۔ میری بیزاری بڑھتی جا رہی تھی۔ انہی دنوں میں نے ہندومت سے متعلق تمام لٹریچر کا مطالعہ کر لیا اور بجائے اس کے کہ میری تشنگی دور ہوتی میری پیاس اور بڑھ گئی۔

پنڈت جی سے ایک بار میں نے ذات پات دور کی غیر عادلانہ تفریق و تقسیم کے موضوع پر بھی گفتگو کی۔ برہمن، کھتری، ویش اور شودر۔ کسی کے سر پر عزت و عظمت کا تاج اور کوئی پیدائشی ذلیل اور حقیر؟

انسانوں کے درمیان یہ اونچ نیچ اور اس قدر غیر فطری درجہ بندی؟ غرضیکہ میں تنہائیوں میں گھنٹوں اسی قسم کے موضوعات پر غور فکر کیا کرتا اور پھر اپنے نتائج فکر کی بنیاد پر کبھی والد صاحب سے اور کبھی پنڈت جی اور دوسرے مذہبی رہنماؤں سے بحث و مباحثے کیا کرتا اور انہیں اس درجہ زچ کیا کرتا کہ وہ اپنی زبان سے اس بات کا اعتراف کرنے لگے کہ وہ میرے سوالات کے علمی جوابات دینے سے قاصر ہیں۔ اب لوگ پہلے کی طرح مجھے فلسفیانہ چنیں چناں میں الجھانے کی کوشش کرنے سے خود ہی بچنے لگے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اپنے جذبہ تحقیق و تجسس کی وجہ سے میں نے پورے مذہبی لٹریچر کو کھنگال ڈالا تھا۔ اب میں وید، بھگوت گیتا اور اپنشدوں کے اشلوکوں ہی سے ان کا رد کرنے لگا تھا۔ مجھے کتنے ہی سنسکرت اشلوک زبانی یاد ہو گئے تھے۔ علمی اعتبار سے میری تیاری اس درجہ کی ہو گئی تھی کہ اچھے خاصے پنڈت اور مذہبی رہنما مجھ سے گفتگو اور بحث و مباحثہ کرنے سے کترانے لگے تھے۔ میں مختلف طریقوں سے انہیں دعوت مبازرت دیتا اور وہ جھنجھلا کر خاموش ہو جاتے۔

ایک روز میں نے اپنے والد صاحب کی زبان سے بھی اعتراف حق

کرواکر چھوڑا کہ خدائے واحد کی پرستش ہی عقلی و علمی طریقہ ہے اور خود ویدوں سے بھی یہی ثابت ہے اور جب میں نے ان سے پوچھا کہ جانتے بوجھتے آپ بتوں اور ایک سے زائد خداؤں کی پرستش کیوں کرتے ہیں؟ تو انہوں نے وہی جواب دیا جو ہر زمانے کے مشرک دیتے رہے ہیں کہ باپ دادا سے یونہی چلا آرہا ہے اور پھر شرک اور بت پرستی آج اس درجہ عام ہے کہ کوئی شخص اس کے خلاف کوئی دوسری بات سوچنے کیلئے بھی تیار نہیں اور اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو پھر اس کا جینا دشوار ہو جائے۔ ان کا اشارہ دراصل میری طرف تھا اور وہ مجھے ڈھکے چھپے انداز میں دھمکا رہے تھے کہ خبردار کوئی جرأت رندانہ نہ کر بیٹھنا۔ میں خاموش ہو گیا۔

اب تک جو باتیں عرض کر چکا ہوں یہ دراصل میرے قبول اسلام کا پس منظر ہے اور اب میں یہ بات عرض کرونگا کہ کس مرحلے پر میں اسلام کی طرف متوجہ ہوا۔ میں بچپن ہی سے مصوری اور پینٹنگ کا دلدادہ رہا ہوں۔ زمانہ طالب علمی میں مجھے ڈرائنگ سے دیوانگی کی حد تک لگاؤ تھا۔ انہی دنوں ہمارے سکول میں ایک نئے مسلمان ڈرائنگ ماسٹر صاحب تبدیل ہو کر آئے۔ ڈرائنگ سے میری غیر معمولی دلچسپی کے پیش نظر ایک ٹیچر نے نئے ڈرائنگ ماسٹر صاحب سے میری سفارش کر دی کہ وہ مجھ پر خصوصی توجہ دیں۔ بعد میں اس ٹیچر نے مجھے بتا بھی دیا کہ میں ڈرائنگ ماسٹر صاحب سے تمہاری سفارش کر دی ہے اور انہوں نے خصوصی توجہ کا وعدہ کیا ہے اور تمہیں گھر پر ملنے کیلئے کہا ہے۔ چنانچہ اس ٹیچر کی ہدایت کے مطابق شام کو میں ان کے گھر جا پہنچا۔ وہ اس وقت کھانا کھا رہے تھے اگرچہ میں پہلی بار ہی ان سے مل رہا تھا لیکن میری آواز سنتے ہی وہ فوراً باہر آئے اور بڑی شفقت و محبت سے میرا ہاتھ تھام کر اندر لے گئے۔ وہ تنہا ہی تھے۔ غالباً ان کی بیوی بچے کچھ دن بعد آنے والے تھے۔ انہوں نے لوٹے کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے کہا کہ ہاتھ دھو لیجئے اور کھانے میں شریک ہو جایئے۔ ''جی؟''
مجھے حیرانی کا شدید جھٹکا لگا۔ ''کیوں بھئی''؟ وہ مسکرائے۔ ''جی ۔۔۔ میں
۔۔۔ میں دراصل ہندو ہوں'' مجھے خیال ہوا کہ شاید وہ مجھے مسلمان سمجھ رہے ہیں''

''ہاں ہاں مجھے معلوم ہے۔ سوریا نائیڈو تمہارا نام ہے''۔

''پھر میں آپ کے ساتھ بیٹھ کر کیسے کھا سکتا ہوں؟'' میں نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیوں نہیں کھا سکتے؟'' انہوں نے بھی حیرت سے کہا ''کیا میں انسان نہیں ہوں یا تم انسان نہیں ہو' ہندو یا مسلمان ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہیں بھی اسی خدا نے پیدا کیا ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ غذا جسے کھانے کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، یہ بھی انسانوں ہی کے کھانے کی ہے اور اس کا پیدا کرنے والا بھی وہی خدا ہے، جس نے تمہیں اور مجھے پیدا کیا ہے۔ آؤ! آؤ''۔

''کیا آپ کا مذہب اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایک غیر مذہب کے ماننے والے کسی شخص کو اپنے دستر خوان پر بٹھائیں؟''

ہاں ہاں اجازت دیتا ہے، جبھی تو میں تمہیں کھانے کیلئے کہہ رہا ہوں۔ تم تو پھر بھی نائیڈو ہو اگر کوئی شودر بھی چاہے تو میرے ساتھ بیٹھ کر یہی کھانا کھا سکتا ہے اور پھر آخر کیوں نہ کھائے۔ بھئی دنیا کے تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اور اس رشتے سے آپس میں بھائی بھائی ہیں اور پھر خدا کی نظر میں بھی حقیقتاً تمام انسان برابر ہیں۔ نہ کوئی بڑا نہ کوئی چھوٹا۔ ہاں اگر ان کے درمیان کوئی فرق ہے اور کوئی خدا کو زیادہ پسند ہے اور کوئی ناپسند تو وہ محض اس بنا پر کہ کون اللہ سے زیادہ ڈر کر دنیا میں اس کے احکام کے عین مطابق زندگی گزارنے والا ہے اور کون اس کا نافرمان ہے۔ ورنہ یہ ذات پات، اونچ نیچ، نسل و وطن اور رنگ و

زبان کی بنیاد پر انسانوں نے اپنے درمیان جو تفریقیں پیدا کرلی ہیں، اس سے خدا کی ذات بری الذمہ ہے اور حقیقتاً وہ پاک ذات ان سطحی قسم کے جذبات سے بہت بلند اور پاک ہے"۔

مساوات اور انسانی اخوت کے جو تصورات میرے ذہن میں تھے، وہ یہی تو تھے جو ماسٹر صاحب بتا رہے تھے۔ میں گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔

بھئی تم کیا سوچنے لگے۔ آؤ کھانا کھاؤ، ٹھنڈا ہوا جا رہا ہے اور پھر ہمیں ابھی دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔ انہوں نے مجھے ٹوکا تو میں اپنے خیالات کی دنیا سے نکل آیا اور یہ دیکھ کر مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کہ وہ میرے انتظار میں ابھی تک ہاتھ روکے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے جلدی سے لوٹا اٹھا کر ہاتھ دھویا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا اور میں پھر ایک بار یہ دیکھ کر حیران سا ہو گیا کہ چاول کا برتن ایک ہی تھا۔

"بھئی کب تک سوچتے رہو گے؟ کھانا لیتے کیوں نہیں؟" انہوں نے مجھے الجھن میں مبتلا دیکھ کر پھر ٹوکا۔

"جی کچھ نہیں کیا اسی برتن میں کھانا لوں؟"

"ہاں ہاں۔ پھر اور کس سے لو گے؟ چلو شروع کرو"۔

اور میں نے کھانے کے برتن کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور خاموشی سے کھانے لگا۔ میرے دل و دماغ میں ایک عجیب سا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ ہمارے اپنے طرز معاشرت اور آداب نشست و برخاست سے یہ طریقے کس درجہ ممتاز اور فطری تھے۔ کوئی تکلف نہیں، کوئی اجنبیت نہیں، کوئی اونچ نیچ نہیں اور پھر ماسٹر صاحب کی شفقت و محبت نے بھی مجھ پر سحر سا کر دیا تھا۔ میں نے چور آنکھوں سے ان کے سراپا کا جائزہ لیا۔ نکلتا ہوا قد، ورزشی جسم، بلند و بالا پیشانی، کھرا جسم،

بھر پور سیاہ داڑھی، کانوں تک زلفیں، کپڑے کی دو پلی ٹوپی سر پر، آنکھوں میں سادگی، شرافت اور معصومیت، پیوستہ لب، بیک نظر بڑے خاموش اور سنجیدہ معلوم ہوئے۔ لیکن بات کرتے تو مسکراہٹ کی چاندنی چہرے پر پھیل جاتی اور پھلجڑیاں سی چھوٹنے لگتیں۔ اچانک انہوں نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا تو جیسے میری چوری پکڑی گئی۔ وہ میری گھبراہٹ دیکھ کر مسکرائے: "بھئی تم کھاتے کیوں نہیں؟ کیا سوچ رہے ہو۔ تکلف بالکل نہ کرو اور اسے اپنا ہی گھر سمجھ کر اطمینان سے کھاؤ"۔

"ماسٹر صاحب"! بڑی دیر کے بعد میں نے زبان کھولی "انسانی مساوات وغیرہ سے متعلق ابھی جو باتیں آپ نے بتائی ہیں۔ یہ آپ کے شخصی خیالات ہیں یا اسلام ہے ہی ایسا رواداراور فطری مذہب"؟۔

ماسٹر صاحب کہنے لگے "میں نے تمہیں جو کچھ بتایا ہے وہ اسلام کے احکام اور اس کی تعلیمات ہی ہیں میری کوئی ذاتی حیثیت نہیں ہے۔ میں اول و آخر مسلمان ہوں، گھر میں بھی اور گھر سے باہر بھی۔ اسلام میں دراصل اس قسم کی دورنگی اور ڈبل ایکٹنگ کی کوئی گنجائش موجود نہیں کہ آدمی ایک موقع پر اپنی مرضی اور خواہشات کا تابع ہو۔ اسلام غیر مشروط اطاعت اور لامحدود دائرہ اقتدار چاہتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معروف معنوں میں محض مذہب نہیں ہے بلکہ ایک دین ہے۔ ایک طریقہ زندگی (Way of Life) ہے؟ مکمل ضابطہ حیات ہے آئندہ کے لئے بھی یہ ہدایت نوٹ کرلو کہ تم مجھے جو کچھ بھی کرتے یا کہتے ہوئے دیکھو گے انشاءاللہ وہ سب اسلام کی ہدایات کے مطابق ہی ہوگا اور پھر میری اپنی پسند یا ناپسند کا سوال ہی کیا ہے۔ میں کیا جانوں کہ کون سی بات اور کون سا طرز عمل میرے لئے صحیح ہے یا غلط ہے۔ یہ تو ہمارا اور اس کائنات کا خالق و فرمانروا ہی

جان سکتا ہے کہ میرے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا۔ جس طرح ایک مشین کا بنانے والا ہی صحیح طور پر یہ بات جان سکتا ہے۔ وہ علیم وخبیر بھی ہے، اس مصلحت سے واقف بھی جو ہمارے مقصد وجود کی اصل وجہ ہے۔ وہی یہ بات قطعی طور پر بتا سکتا ہے کہ ہمارے لئے مفید و مضر اور خیر و شر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کیلئے صحیح ترین طرز عمل یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے خالق کی ہدایات اور احکام کے مطابق ہی اپنی زندگی گزارے ورنہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو بندر کے ہاتھ میں استرا دینے کی صورت میں ہو سکتا ہے اور فی الواقع جب اور جہاں بھی انسان نے ان حدود سے تجاوز کی کوشش کی جو خالق کائنات نے اس کیلئے مقرر فرمائے تھے تو تاریخ شاہد ہے کہ انسان کا وہی حشر ہوا جو استرا بدست بندر کا ہو سکتا ہے۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ خالق کائنات کی رہنمائی آخر کہاں سے ملے اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جس چیز کو خدائی رہنمائی کہہ کر پیش کیا جا رہا ہے وہ فی الواقع خدائی رہنمائی ہی ہے، کچھ خود غرض انسانوں یا طبقات کے حصولِ مفاد کا ذریعہ نہیں''؟ میں نے ماسٹر صاحب کی بات کاٹ کر پوچھا۔ میرا متجسس ذہن بیدار ہونے لگا تھا اور دیر سے اجنبی ماحول اور خود ماسٹر صاحب کی مسحور کن شخصیت کی وجہ سے میں اپنے دل و دماغ پر جو بوجھل پن محسوس کر رہا تھا، وہ اب چھٹ رہا تھا۔

یہ معلوم کرنا تو کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ ذرا سے غور وفکر سے ہم ایک ایسی کسوٹی فراہم کر سکتے ہیں جس پر گھس کر ہم کھرے اور کھوٹے میں فوراً تمیز کر سکتے ہیں''۔ ماسٹر صاحب نے بھی فوراً ہی جواب دیا۔

''ذرا براہ کرم وضاحت فرما دیجئے''۔ میں نے گزارش کی۔

''بھئی ہم چاہیں تو اپنے ذہن میں چند سوالات متعین کر سکتے ہیں''۔

1- کہ جس چیز کو خدائی رہنمائی کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کیا وہ انسانی فطرت و مزاج سے کوئی مناسبت بھی رکھتی ہے یا نہیں؟

2- کہ اس رہنمائی کا دائرہ کچھ مخصوص افراد یا کسی مخصوص قوم یا ملک کی حد تک ہی محدود ہے یا یہ کوئی ایسی آفاقی نوعیت کی رہنمائی ہے جو نہ صرف یہ کہ انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں کو محیط ہے اور ان سے متعلق واضح اور دوٹوک قسم کی رہنمائی دے سکتی ہے بلکہ اس کا دائرہ قوم و وطن، رنگ و نسل اور زبان و تہذیب کے امتیازات سے ماورا ہے کہ جو شخص چاہے اس کے اصولوں پر ایمان لا کر اور اسے اختیار کر کے فائدہ اٹھا لے۔

3- دیکھنا چاہیے کہ اس رہنمائی کو اختیار کرنے کے نتیجے میں کس قسم کے افراد یا معاشرہ تیار ہوتا ہے۔ ایک ایسا معاشرہ کہ جس میں نیکیاں فروغ پا سکیں اور پروان چڑھ سکیں یا ایک ایسا معاشرہ جو انسانی زندگی کو فتنہ و فساد سے بھر دے۔

4- پھر دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ رہنمائی انسان کی صرف اُخروی نجات ہی سے بحث کرتی ہے یا انسانی زندگی کے عملی گوشوں پر بھی محیط ہے کہ اس کے اختیار کرنے کے نتیجے میں انسان کی دنیا سنور جائے یعنی وہ ایک مطمئن، خوشگوار اور پرسکون دنیوی زندگی بھی گزار سکے اور جب وہ اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی کے روبرو پہنچے تو اُخروی خسران اور گھاٹے سے دوچار نہ ہو اور اپنے رب کی رضا اسے حاصل ہو جائے۔

''کسی مذہب کی حقانیت اور صداقت کو پرکھنے کیلئے آپ نے جو کسوٹی فراہم کی ہے کیا اس معیار پر خود اسلام پورا اترتا ہے؟'' میں نے صاف گوئی سے کام لیا'' اور اگر اسلام پورا اترتا ہے تو کیا اسلام کے علاوہ بھی کوئی مذہب ایسا ہے جو اسی معیار پر پورا اترتا ہو اور اگر ہے تو پھر اسلام پر ہی آپ قانع کیوں ہیں''؟۔

عزیزم تم نے بیک وقت کئی سوالات کر دیئے ہیں اور اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہارا ذہن متجسس ہے اور یہ اچھی بات ہے۔ تمہارے سوالات کے سلسلہ وار جوابات تو میں ابھی دوں گا لیکن پہلے تم یہ بتاؤ کہ میں نے جس کسوٹی کا ذکر کیا ہے کیا تم اس سے متفق ہو"؟ "بڑی حد تک"! میں نے جواب دیا۔ میں نے اس موضوع پر کافی غور و فکر کیا ہے اور خود میرا خیال بھی بالکل یہی ہے کہ مذہب کو ایسا ہی ہونا چاہیے جیسا کہ آپ نے فرمایا"۔

"ٹھیک ہے، اب تم اپنے سوالات کے جوابات سنو"۔

میری متذکرہ کسوٹی پر اسلام سو فیصد پورا اترتا ہے اور اسی لئے میں نے اسے شعوری طور پر اختیار کیا ہے۔ میں محض اس لئے مسلمان نہیں ہوں کہ میرے ماں باپ مسلمان تھے بلکہ اس لئے مسلمان ہوں کہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد مختلف مذاہب کا تحقیقی مطالعہ کرنے کے بعد ہی اسلام کو شعوری آمادگی کے ساتھ اختیار کیا ہے"۔ ماسٹر صاحب نے سنجیدگی سے بتایا۔ تمہارے دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ حقیقتاً کوئی اور مذہب ایسا نہیں ہے جو ان شرائط پر پورا اترتا ہو اور تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب کوئی ایسا قابل ترجیح مذہب موجود ہی نہیں تو پھر اسے اختیار کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے"؟

اس دوران میں کھانا کھا چکا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ماسٹر صاحب میرے اٹھنے تک دستر خوان پر ہی بیٹھے رہے اور تھوڑا تھوڑا کر کے چکھنے کے انداز میں کھاتے بھی رہے تا کہ مجھے یہ احساس نہ ہو کہ دستر خوان پر میں اکیلا ہی رہ گیا ہوں۔ ماسٹر صاحب کے اس طرز عمل نے بھی مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا کہاں تو ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ دور دور بیٹھ کر الگ الگ برتنوں میں کھاتے ہیں اور کہاں یہ یگانگت اور بے تکلفی کہ ایک ہی برتن میں سے سبھی لے رہے ہیں۔ یہ

بظاہر ایک معمولی بات تھی لیکن مجھ جیسے شخص کے لئے یہ بھی فکر و نظر کی جلاء کا سبب بنی اور میں صفائی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرلوں کہ اسی دن میرے قلب میں اسلام کا بیج پڑ گیا۔ اب یہ اور بات ہے کہ اسکی مکمل نشو ونما کیلئے مزید تین سال لگے۔

ماسٹر صاحب کے پاس سے لوٹ کر میں اپنے اندر ایک عجیب قسم کی حیات آفرین تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا جیسے ایک مسلم کی حیثیت سے میرے وجود کی تشکیل شروع ہوگئی ہے۔ ماسٹر صاحب کی کتابوں کو پڑھ کر میں گھنٹوں غور و فکر کیا کرتا۔ خوش قسمتی سے میری تعلیم اردو میڈیم ہی سے ہو رہی تھی اور اس کے نتیجے میں مجھے اسلامی لٹریچر کے مطالعے کی بڑی سہولت تھی۔

میرا ماسٹر صاحب سے دن بدن بڑھتا ہوا ربط وضبط، میرے والد، رشتہ داروں اور مدرسے کے دوسرے تنگ نظر اساتذہ خصوصاً پنڈت جی کیلئے ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق میں جو باتیں بھی ماسٹر صاحب سے سنتا یا خود کتابوں میں پڑھتا، ان کی بنیاد پر میں اپنے والد اور اساتذہ کو آزادانہ تبادلہ خیال کی دعوت دیتا۔ میری گفتگو سن کر ایک دن پنڈت جی نے پیش گوئی بھی کر دی کہ اگر یہی حال رہا تو کچھ تعجب نہیں کہ تم کسی روز مسلمان ہو جاؤ اور شاید پنڈت جی کی یہی ایک بات ایسی تھی جس کی میں نے تردید کی کوشش نہیں کی ورنہ عام طور پر وہ شرک و بت پرستی کو صحیح ثابت کرنے کیلئے جونہی زبان کھولتے میں انکا تعاقب شروع کر دیتا اور بہ دلائل ان کا رد کرتا۔ زچ ہو کر پنڈت جی نے مجھے دعوت دی کہ میں ہندومت کی فلاں فلاں کتب کا مطالعہ کروں تو میرے شکوک وشبہات دور ہو جائیں گے۔ میں نے بخوشی ان کی بات منظور کر لی اور ان کی دی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔ پنڈت جی کا خیال

تھا کہ میں ان موٹی موٹی کتابوں اور بھاری اصطلاحوں سے مرعوب ہو جاؤں گا لیکن جب ان کی دی ہوئی پہلی کتاب کے مطالعے کے بعد ہی میں نے انہیں دعوت دی کہ آپ یہ ثابت کیجئے کہ ہندو مت کا عقیدہ تخلیق کائنات علمی و عقلی کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو وہ بوکھلا گئے اور ہنس کر ٹال دیا۔ دوسری کتاب پڑھ کر میں نے انہیں دعوت دی کہ آپ یہ ثابت کیجئے کہ وید الہامی کتب ہیں اور یہ بھی ثابت کیجئے کہ آپ کے دعوے کے مطابق واقعی ان کا زمانہ تصنیف وہی ہے جو آپ کہتے ہیں یا پھر میں انہی کتابوں سے اس کے برخلاف ثابت کرنے کو تیار ہوں۔ وہ میری بات سن کر پھر کنی کاٹ گئے۔ تیسری کتاب پڑھ کر میں نے انہیں دعوت دی کہ آپ یہ ثابت کیجئے کہ وید کتنے ہیں؟ تین یا چار؟ اور پھر جن کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے ان کی تعداد کتنی ہے یا پھر میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ ویدوں کے وجود میں آنے سے متعلق اتنی متعدد حکایتیں موجود ہیں کہ ان پر اعتبار مشکل ہے۔ آخر کار تنگ آ کر پنڈت جی نے ہتھیار ڈال دیئے اور مجھے کتابیں دینا بند کر دیں لیکن مطالعہ اور تحقیق کا چسکا مجھے لگ چکا تھا۔ اب میں نے خود مختلف کتابیں فراہم کر لیں اور ان کا تحقیقی مطالعہ شروع کر دیا اور اس طرح مجھے توحید کے اثبات اور شرک کے رد میں اتنے دلائل مل گئے کہ اس موضوع پر میرا مطالعہ تقریباً مکمل ہو گیا جبکہ دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ انہی کتابوں میں کہیں شرکت کی تائید تھی کہیں پر ایک چیز پسندیدہ تھی تو دوسرے مقام پر وہی چیز ناپسندیدہ۔ تخلیق کائنات برہما جی کی پیدائش، آسمان اور خدا کی پیدائش، دیوتاؤں کا وجود ان کی تعداد، ان کی نسبتیں، ان کے عادات و اطوار اور طرز عمل یہ تمام مباحث ایسے تھے جن پر میں نے بارہا اچھے اچھے جغادری قسم کے پنڈتوں کی زبان بند کر دی۔ میں علمی اور عقلی دلائل مانگتا تھا اور یہی جنس ان کے ہاں نایاب تھی۔

رفتہ رفتہ ہندو حلقوں میں میری یہ ''کافرانہ روش'' اور مزاج وطبیعت ایک دلچسپ موضوع بحث بن گئی۔ اشارے کنائے ہونے لگے۔ انگلیاں اٹھنے لگیں، لیکن میرے معاملے میں لوگ عجیب مصیبت کا شکار تھے۔

وہ مجھے دہریہ یا ناستک کہہ کر اپنا پیچھا نہیں چھڑا سکتے تھے اس لئے میں حیات انسانی کیلئے مذہب کو ناگزیر کہتا اور سمجھتا تھا۔ وہ کھلے بندوں میری مذمت بھی نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ میں ایک محترم پجاری کا لڑکا تھا اور دھاندلی نہیں کر رہا تھا بلکہ علمی تشفی چاہتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب میں میٹرک میں پڑھ رہا تھا اور کثیر اسلامی لٹریچر ہضم کر چکا تھا۔ قرآن حکیم نہ صرف یہ کہ میرے قلب وروح میں اتر اجار رہا تھا جیسے یہی وہ سرچشمہ حیات تھا جس کیلئے نہ جانے کب سے میں سرگرداں تھا۔

میں نے اپنی زندگی کے لئے جو راستہ اختیار کیا تھا اس کے مطالبات کچھ اور ہی تھے۔ میری منزل سامنے تھی اور حق واضح ہو جانے کے بعد باطل پر ڈٹے رہنے کی منافقت یا بے حیائی مجھ سے ممکن نہ تھی۔

آخر میری زندگی کی وہ صبح سعادت طلوع ہو کر رہی جس کا میں منتظر تھا۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ میں نے غسل کیا، صاف ستھرے کپڑے پہنے اور اپنی زندگی کی پہلی نماز، نمازِ جمعہ مسجد میں ادا کی اور نماز کے بعد کھڑے ہو کر میں نے اعلان کیا کہ:۔

ترجمہ: ''میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ زمین وآسمان کے خالق کی طرف کر لیا ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں''۔ اور پھر کلمہ شہادت پڑھنے کے ساتھ ہی لوگ مجھ سے مصافحہ کرنے، ملنے اور مجھے دیکھنے کیلئے امڈ پڑے۔

اپنے دینی بھائیوں سے مصافحہ ومعانقہ نے میرے قلب وروح کو جیسے

گرما دیا۔ لوگوں کی گرمجوشی کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص مجھ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اور زندگی میں پہلی بار مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ اخوت اسلامی کیسی نعمت ہے اور اِنَّمَا المومنوں اخوۃ کیوں کہا گیا ہے۔ لوگوں کے اس بے پایاں اخلاص کو سہارنا میرے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ بیساختہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پھر میں نے دیکھا کہ میں ہی آبدیدہ نہیں ہوں بلکہ کتنی ہی آنکھیں ہیں جن سے ستارے ٹوٹ رہے ہیں۔ اللہ اکبر! ایک گناہ گار بندے کیلئے لوگوں کا یہ اخلاص؟ ابھی کل تک نہ یہ میرے کچھ لگتے تھے اور نہ میں ان کا کچھ لگتا تھا لیکن آج میری زبان سے نکلے ہوئے ایک معجز نما کلمہ نے دنیا میں میرے 70 کروڑ بھائی پیدا کر دیئے تھے۔ اس کلمہ کا اعجاز تو مجھے آج ہی نظر آیا تھا۔ زبان کی ایک جنبش کے ساتھ میرے رب کے ان احسانات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو مومنوں کیلئے خاص تھے آج سے میرا اور دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کا درد ایک تھا۔ قطرہ دریا میں مل گیا تھا۔ ایک حقیر قطرہ آج دریا ہو گیا تھا۔ میرے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلی: ’’خداوند! تو نے مجھے جو اپنی سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے وہ پھر مجھ سے چھین نہ لینا‘ میرے قلب کو پھر کبھی اس کی طرف سے نہ پھیرنا‘‘۔

ماسٹر صاحب نے میرا نام عبدالرحمٰن رکھا اور بخدا مجھے یہ نام بڑا بھلا لگا۔ کیا یہ کوئی معمولی اعزاز ہے کہ لوگ مجھے میرے مولیٰ کے نام کی اس نسبت سے پکاریں جس کا ہر انسان محتاج ہے۔ رب رحمٰن! ہاں ہم تیرے رحم و کرم ہی کے محتاج ہیں۔ تیرے اسی اسم حسنیٰ کا ورد کرتے ہوئے میں قیامت میں کشاں کشاں تیرے حضور پہنچوں گا اور تجھے بتاؤں گا کہ میں تیرا بندہ ہوں جسے دنیا میں لوگ رحمٰن کا بندہ کہا کرتے تھے۔ کیا آج تو اپنے اس نام کا پاس نہ فرمائے گا؟ کیا آج تو اپنے بندے کو ذلیل و رسوا کر دے گا جو تیرے اس نام کی صفت اور نسبت کی

آس لگائے ہوئے ہی تیرے پاس آیا ہے۔ میرے کریم آقا! مجھے اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے اور اپنے اس نام کا بھرم رکھ اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ درد بھری صدا دریائے رحمت کو جوش میں لے آئے گی اور میں اس میں غرق ہو جاؤں گا۔ میرے آگے پیچھے دائیں بائیں اوپر نیچے تیری رحمت ہوگی۔

میرے اعلان اسلام کے ساتھ ہی مرحلہ ابتلا و آزمائش شروع ہو گیا۔ ذرے نے پہاڑ کا منہ چڑایا تھا۔ نور کی ایک کرن نے ظلمتوں کا کلیجہ چھید دیا تھا۔ باطل نے اعلان حق کے ساتھ ہی اپنے لاؤ لشکر سمیٹے اور یلغار کر دی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے آبادی میں بم پھٹ پڑا ہو۔ دور دور تک اس کی بازگشت سنی گئی۔ ہر شخص کی زبان پر یہی تذکرہ تھا۔ میرے والدین، رشتہ داروں اور بھائیوں کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ میرے قریبی احباب تک نے کھلے طور پر جان کی دھمکیاں دیں، لعنت ملامت، طنز و تعریض، تحقیر و تذلیل غرض کتنے ہی زہریلے نشتر میں اپنے کلیجے پر سہہ رہا تھا۔ مجھے وراثت سے محروم کر دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ بھائیوں نے اعلان کر دیا کہ میں اگر مر بھی رہا ہوں تو وہ صورت دیکھنا بھی پسند نہ کریں گے۔ کہا گیا کہ اگر میں نے گھر کی طرف رخ بھی کیا تو پھر میری گردن ماردی جائے گی۔

تیسرے روز میں اپنے گھر گیا اور سیدھا والد صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے مجھے دیکھا اور بے رخی سے منہ پھیر لیا۔ ان کی اس بے رخی اور نفرت کا مجھے ذرہ برابر بھی ملال نہ تھا، اس لئے کہ اول تو میرے لئے یہ بات غیر متوقع نہ تھی اور پھر دوسری بات یہ کہ ان کے اس غم و غصے کے پس منظر میں جو جذبہ کارفرما تھا وہ بڑی حد تک فطری تھا۔ بھلا وہ اس سانحہ عظیم کو آسانی کے ساتھ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ان کا وہ بیٹا جس سے انہوں نے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں ”بے دین“ ہو جائے اور ”ملیچھ“ مسلمانوں کا ہم پیالہ و ہم نوالہ

ہو جائے۔ میں ان کے سامنے پہنچ کر خاموشی سے اس بات کا انتظار کرتا رہا کہ وہ پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں اور ان کا جی کچھ ہلکا ہو تو میں اپنی بات کہوں لیکن جب مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس وقت وہ مجھے ڈانٹنے کے موڈ میں نہیں ہیں تو میں نے ہی زبان کھولنا مناسب سمجھا۔ میں نے کہا "پتا جی! اس واقعہ کا آپ کو جو رنج ہو سکتا ہے، مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہے۔ لیکن آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا قبول اسلام کوئی جذباتی اقدام نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے میری برسوں کی تلاش حق کی تاریخ ہے۔ آپ اس بات سے بھی ناواقف نہیں ہیں کہ میں نے اپنے دین آبائی کو سمجھنے اور اس سے مطمئن ہونے کی پوری امکانی کوشش کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ناکام رہا۔ آپ بخوبی واقف ہیں کہ مذہب کا تعلق انسان کی دنیوی اور اخروی زندگی کی فلاح سے ہے۔ اس قدر اہم معاملے میں، میں ظاہر ہے آپ کو یا کسی اور کو خوش کرنے کیلئے ایک ایسی چیز کو اپنے سینے سے کیسے لگائے رکھ سکتا تھا، جس سے میرا قلب وضمیر قطعاً مطمئن نہ ہو؟ آنکھوں دیکھی مکھی کون نگلے گا۔ میں نے امکانی تحقیق وجستجو کے بعد اسلام کو اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کی فلاح وکامرانی کا ضامن سمجھ کر ہی اختیار کیا ہے۔ آپ میرے پتا جی ہیں۔ میرا وجود مادی آپ ہی کے وجود کا پرتو ہے۔ پھر کیا میں آپ کو بھی اس راستے کی طرف دعوت نہ دوں جس پر چل کر ہی ایک شخص اپنے مقصد وجود کو پورا کر سکتا ہے۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کو میری طرح صراط مستقیم پر گامزن کرے"۔

میری بات سن کر پتا جی نے یکبارگی نگاہیں اٹھا کر مجھے بغور دیکھا اور کچھ سوچتے رہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ میری بات کا کوئی معقول جواب سوچ رہے ہوں یا پھر یہ سوچ رہے ہوں کہ میں کس قدر گستاخ ہوں کہ اپنے پجاری باپ کو بھی دعوت اسلام دینے سے نہیں چوکتا۔ بہر حال میری بات کا جواب للن۔

کے پاس کچھ نہ تھا۔ انہوں نے بیزاری سے دوسری طرف منہ پھیر لیا اور میں اٹھ کر چلا آیا۔

میرے قبول اسلام کے تقریباً ایک ماہ بعد مجھے اچانک اطلاع ملی کہ پتا جی سخت علیل ہیں۔ اطلاع پاتے ہی میں ان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ دراصل اسی بہانے میں ایک اور کوشش کر کے دیکھنا چاہتا تھا کہ کل قیامت کے دن مجھ پر یہ الزام نہ آئے کہ میں نے اتمام حجت نہ کی تھی۔ والد صاحب نے اشارے سے مجھے قریب بلا کر بیٹھنے کیلئے کہا۔ گذشتہ ایک مہینے ہی میں وہ کچھ سے کچھ ہو گئے تھے۔ مجھے توقع نہ تھی کہ میں انہیں اس خراب و خستہ حالت میں دیکھوں گا۔ انہیں اس درجہ بیمار دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور وہ خود بھی آبدیدہ ہو گئے۔ میں نے سوچا کہ شاید اس آخری وقت ہی وہ کوئی صحیح فیصلہ کر لیں اور جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔ میں ان کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھ گیا اور وہ بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے لیٹے رہے اور پھر جب انہوں نے آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں عجیب سی حسرتیں کروٹ لے رہی تھیں۔

''پتا جی''! میں نے بھرائی ہوئی آواز میں انہیں مخاطب کیا'' کیا آپ ضمیر کی پوری طمانیت اور تسکین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ میں نے کوئی غلط اقدام کیا ہے؟'' میری بات سن کر ان کے چہرے پر شدید اندرونی کرب و اضطراب اور کشمکش کے آثار ظاہر ہوئے جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں کہ انہیں کیا کہنا چاہیے۔ کچھ دیر ان پر تشنج کی سی کیفیت طاری رہی اور پھر ان کی مدھم سی آواز ابھری جیسے کسی گہری کنویں سے بول رہے وہں۔

''تمہارا فیصلہ۔۔۔۔ شاید درست ہی ہے''۔ اف میں نے سوچا'' حق کا اعتراف کرنا کتنا مشکل کام ہے، سچ کو سچ کہنے کیلئے بھی لوگوں کو اپنے آپ پر

کتنا جبر کرنا پڑتا ہے"۔ پتا جی! پھر آپ حق کو حق جاننے کے باوجود اپنے موقف پر غور کیوں نہیں کرتے' میں نے پرسوز لہجے میں ان کے اندر کے خیر پسند انسان کو جگانے کی کوشش کی۔

"بیٹے"! انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے مزید کچھ کہنے سے روک دیا "تم میری مجبوری کو نہ سمجھ سکو گے۔ میں عمر بھر جس چیز کو حق کہتا رہا' آج اسے باطل کہنے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے اور پھر وہ بھی عمر کے اس مرحلے میں جب کہ چند سانسیں باقی رہ گئی ہوں؟ نہیں۔ نہیں میں نہیں چاہتا کہ میری قوم میرے حال پر چھوڑ دو۔ میں اس عمر میں تمہاری طرح کوئی انقلابی اقدام نہیں کرسکتا۔ تمہاری بات اور ہے تم نے ابھی کارزار حیات میں قدم رکھا ہے۔ تمہاری توانائیاں اور صلاحیتیں تازہ ہیں، تم چاہو تو اپنے ماحول سے تنہا ہونے کے باوجود ایک بھرپور ٹکر لے سکتے ہو"۔

پتا جی کے پاس سے لوٹنے کے کچھ ہی دن بعد مجھے اچانک اطلاع ملی کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ میں دل مسوس کر رہ گیا۔ مجھے ان کی موت کا اتنا رنج نہ تھا جتنا اس بات کا کہ وہ حالت کفر میں مرے تھے۔ مرنا تو سبھی کو ہے، وہ آج نہ مرتے تو کل مرتے، اس سے کیا فرق پڑ جاتا۔ آج وہ کل ہماری باری ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت لیکن کتنا فرق ہوتا ہے اس موت میں جو حالت ایمان میں آئے اور اس موت میں جو حالت کفر میں آئے۔

چنانچہ اب یوں ہونے لگا کہ انتہا پسندانہ طرز فکر رکھنے والے غیر مسلم نوجوان مختلف غیر مسلم مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے افراد جن میں سے اکثر میرے ہائی سکول کے زمانے کے ساتھی تھے۔ ان سے روزانہ کسی نہ موضوع پر بحث و گفتگو ہوتی یہ موضوعات عام طور وہی ہوتے جن سے متعلق غیر

مسلم ذہن یا تو کسی شدید غلط فہمی کا شکار رہتا ہے یا پھر ان کے نقطہ نظر کے مطابق اس میں کوئی بڑی قباحت موجود ہوتی مثلاً گوشت خوری، جہاد، پردہ، تعداد ازواج ، خاندانی منصوبہ بندی وغیرہ وغیرہ۔ تحریک اسلامی کے لٹریچر کے تفصیلی مطالعے نے الحمد للہ مجھے علمی ہتھیاروں سے لیس کر دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ میں ان تمام موضوعات پر سیر حاصل گفتگو بھی کر سکتا تھا۔ اور مسائل کا سائنٹیفک تجزیہ بھی کر کے دکھا سکتا تھا۔

ایک اور موقع پر ایک غیر مسلم دوست نے بڑے پرسوز لہجے میں مجھ سے کہا کہ تم اسلام اسلام کی رٹ لگاتے ہو اس کے عدل وانصاف وغیرہ کا تذکرہ کرتے رہتے ہو۔ لیکن ذرا دیکھو تو سہی کہ گائے جیسے معصوم بے ضرر اور نفع بخش جانور کے ساتھ یہ مسلمان کیا سلوک کرتے ہیں اور پھر مسلمانوں کی شرارت تو دیکھو کہ وہ یہ جاننے کے باوجود کہ ہم اسے اپنی ماتا کہتے ہیں اور اسے دیوتا سمجھتے ہیں اسے ہمارے ہی سامنے کاٹ کر کھا جاتے ہیں یہ بات اس نے بڑے جذباتی اور پرسوز لب ولہجے میں کہی تھی اور اس سے میں خود بھی متاثر ہو گیا تھا میں فوراً تو اسے کوئی جواب نہ دے سکا البتہ اتنا ضرور کہا کہ اس معاملے میں تم محض جذباتیت کا شکار ہو گئے ہو۔ میں انشاء اللہ کل تمہاری تشفی کرادوں گا۔ میری بات سن کر وہ اپنی کامیابی پر نازاں مسکراتا ہوا چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی میں فوراً ماسٹر صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں صورت حال بتائی۔ ماسٹر صاحب میری گھبراہٹ اور تردد کو دیکھ کر مسکرائے اور انہوں نے کہا کہ اپنے دوست سے پہلے یہ پوچھو کہ کیا وہ اپنے پرکھوں کے نقش قدم پر چلنا باعث سعادت نہیں سمجھتا؟ اور پھر ایسے بتاؤ کہ ویدوں سے یہ بات ثابت ہے کہ دیوتاؤں پر اپنے معزز بیل اور بھینسے ذبح کر کے بطور بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے معزز مہمانوں

کی تواضع گائے کے نوعمر اور نوخیز بچھڑے سے کرتے تھے۔ گاندھی جی اپنی کتاب ہندو دھرم میں صفحہ 19 پر لکھتے ہیں کہ "جانوروں کی قربانی کا عمل ایک زمانے میں عام تھا، کیا آج ہم اسے از سر نو زندہ کرنا چاہتے ہیں ایک زمانے میں ہم گوشت کھاتے تھے کیا آج ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں"۔

مشہور مورخ ڈاکٹر تارا چند کہتے ہیں "ویدک قربانیوں میں جانوروں کے چڑھاوے کی طرح پھل دودھ، اور چاول کی روٹیاں شامل ہیں۔ بعد میں جانوروں کی قربانی مذہبی اعمال سے غائب ہوگئی۔ (ہندوستانی تہذیب پر اسلام کا اثر صفحہ 3) پھر اس کے علاوہ یہ بھی ویدوں سے ثابت ہے کہ وہ مچھلی کے گوشت کو بطور غذا استعمال کرتے تھے۔ دراصل گائے کو تقدس حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کہ آرین زراعت پیشہ تھے اور اس کے ساتھ ہی گوشت خور بھی۔ جب انہوں نے کہا کہ گوشت خوری کے نتیجہ میں زراعت کیلئے جانور کم ہو رہے ہیں۔ (اور ظاہر ہے کہ زراعت ہی ان کا اصل ذریعہ معاش تھا) تو انہوں نے جانوروں کا ذبح کرنا بند کر دیا اسے ممنوع ٹھہرا دیا۔ بالخصوص گائے کو، اس لئے کہ بہترین زراعتی جانور گائے ہی فراہم کرتی تھی۔ بعد میں یہ امتناع قانون اور تقدس کی شکل اختیار کر گیا۔ ہمارے ہندو بھائی اس سادہ سی حقیقت پر غور کئے بغیر اس معاملے میں جذباتی ہو جاتے ہیں ورنہ خصوصیت نہ گائے کی ہے نہ کسی اور جانور کی۔ یہ سب انسان کی خدمت ہی کیلئے اللہ نے پیدا کئے ہیں۔

یہاں تک اپنی داستان سنا کے عبدالرحمان صاحب نے گھڑی دیکھی اور کہا کہ ایک بج رہا ہے اگر ہم مزید بیٹھے رہے تو پھر نماز فجر خطرے میں پڑ جائے گی۔ ویسے بھی میں اپنے اسلام لانے کی تقریباً تمام تفصیلات آپ کے سامنے پیش کر ہی چکا ہوں۔

اسلام جو دنیا میں غلبہ و استیلا ہی کیلئے آیا ہے دنیا میں بھیجے جانے کی غرض یہ ہے کہ وہ دنیا کے تمام ادیان باطلہ، تمام غلط نظام وطریقہ ہائے حیات پر غالب ہو جائے۔ چاہے یہ بات مشرکین کو کتنی ہی ناگوار گزرے۔

میرا اندرون مجھے وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کی دعوت دے رہا تھا مختصر یہ کہ جس لٹریچر کے مطالعے نے مجھ پر اسلام کی صراط مستقیم کو کھولا اسی لٹریچر کے کے مطالعہ نے مجھے امت مسلمہ کے واحد نصب العین "اقامت دین" کو اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

ڈاکٹر غرینیہ (فرانس)

(یہ واقعہ "اسلام زندہ باد" سے ماخوذ ہے)

مصر کے مشہور صحافی اور ادیب محمود بے مصری روایت کرتے ہیں۔

"میں کئی سال تک فرانس میں مقیم رہا اور اپنے ملنے والوں سے ایک ڈاکٹر کی تعریف وتوصیف سنتا رہا۔ شرافت، راست بازی، روشن خیالی، عالی ظرفی اور اخلاص مندی، کریم النفسی، مہمان نوازی، غرض کوئی بھی انسانی وصف ایسا نہ تھا جس سے میرے ملاقاتی اسے نسبت نہ دیتے ہوں۔ میں سمجھتا بیماروں پر اس کی شفقت عام ہوگی مگر تعجب ہے کہ بیماروں سے بڑھ تندرست اس کی محبت کے مریض لگتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کا نام غرینیہ تھا۔ وہ فرانسیسی پارلیمنٹ کے رکن بھی تھے۔ یہ ان کی ہر دلعزیزی کا واضح ثبوت تھا۔ لیکن لوگوں کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر کی نیک دلی اور صاف باطنی اس اعزاز سے بہت بلند ہے۔ چنانچہ پارلیمنٹ کا ماحول اور اس کے ارکان کا عمومی کردار اور کھوکھلی تقریریں انہیں راس نہ آئیں۔

انہوں نے پارلیمنٹ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ پیرس کی رہائش بھی ترک کی اور رونق و شہرت کے اس مرکز کو چھوڑ کر فرانس کے ایک پرسکون گاؤں میں اقامت اختیار کر لی۔

محمود بے مصری لکھتے ہیں۔

جب مجھے ان حالات کا علم ہوا اور ساتھ ہی یہ پتہ چلا کہ اس عظیم انسان نے اسلام قبول کر لیا ہے تو دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ اس سے ملاقات کی جائے اور کم از کم قبول اسلام کا سبب دریافت کیا جائے۔ چنانچہ میں اس گاؤں میں پہنچا جہاں ڈاکٹر صاحب کی رہائش تھی۔ میں نے یہ شدت سے محسوس کیا کہ اس بستی میں بھی ڈاکٹر موصوف غیر معمولی طور پر ہر دلعزیز ہیں۔

ڈاکٹر غرینیہ کو پہلی نظر دیکھ کر ہی دل میں مسرت کے کنول کِھل اٹھے۔ ان کی پیشانی پر محبت اور خوش اخلاقی کے معصوم ستارے کھیل رہے تھے۔ اگرچہ وہ اس وقت بہت مصروف تھے، تاہم بڑی گرمجوشی سے ملے۔ ایسی گرمجوشی سے جس سے اخوتِ اسلامیہ کا نام زندہ ہے۔ وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو چند رسمی باتوں کے بعد میں نے دریافت کیا ”ڈاکٹر صاحب! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں“؟

”قرآن پاک کی صرف ایک آیت“ ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”تو کیا آپ نے کسی مسلمان عالم سے قرآن پڑھا اور اس کی کسی ایک آیت نے آپ پر یہ اثر کیا“؟ میں نے وضاحت چاہی۔

”نہیں، میں نے کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کی۔“ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

”پھر قرآن کی کوئی تفسیر پڑھی؟ ۔میرے سوال میں حیرت کا عنصر شامل تھا۔

''نہیں تفسیر بھی نہیں پڑھی''۔

''تو پھر یہ واقع کیونکر گزرا''؟

ڈاکٹر صاحب نے کہنا شروع کیا۔

''میری جوانی سمندری سفروں میں گزری ہے۔ مجھے سمندر کے نظاروں اور سفروں کا شوق اس قدر دامن گیر تھا کہ ہمیشہ آبی مخلوق بنا رہتا تھا۔ میں نے ایک بحری جہاز پر ملازمت حاصل کر لی۔ اس طرح میں اپنے شب و روز پانی اور آسمان کے درمیان بسر کرتا تھا اور اس قدر مسرور تھا کہ گویا میری زندگی کا مقصد یہی ہے۔ میرا دوسرا معمول کتابوں کے مطالعے میں منہمک رہنا تھا۔ جب بھی فارغ ہوتا کوئی کتاب لے کر بیٹھ جاتا۔ مطالعے کا یہی شوق مجھے قرآن کے ایک فرانسیسی ترجمے تک لے آیا۔ یہ ترجمہ موسیو سا قاری کے قلم سے تھا۔ میں اس نسخے کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ سورۂ نور کی ایک آیت پر نظریں جم کر رہ گئیں۔ اس میں ایک سمندری نظارے کی کیفیت بیان کی گئی تھی۔ اس آیت میں کسی گمراہ شخص کی حالت کے متعلق ایک نہایت ہی عجیب تمثیل بیان کی گئی تھی۔ یعنی ''گمراہ شخص حالتِ کفر میں اس طرح ٹامک ٹوئیے مارتا ہے جیسے ایک شخص اندھیری رات میں، جبکہ بادل بھی چھائے ہوئے ہوں، سمندری کی لہروں کے نیچے ہاتھ پاؤں مارتا ہو''۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ

(سورہ نور آیت نمبر ۴۰) ''اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے۔ آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے''۔

جب میں نے یہ آیت پڑھی، میرا دل تمثیل کی عمدگی اور اندازِ بیان کی واقعیت سے بے حد متاثر ہوا اور میں نے خیال کیا کہ محمد ﷺ ضرور ایسے شخص ہونگے جن کے دن اور رات میری طرح سمندروں میں گزرے ہوں گے۔ لیکن اس خیال کے باوجود مجھے حیرت تھی اور پیغمبر اسلام کے کمالِ اسلوب کا اعتراف تھا کہ انہوں نے گمراہوں کی آوارگی اور ان کی جدوجہد کی بے حاصلی کو کیسے مختصر مگر بلیغ اور جامع الفاظ میں بیان کیا ہے گویا وہ خود رات کی تاریکی، بادلوں کی دبیز سیاہی میں موجوں کے طوفان میں ایک جہاز پر کھڑے ہیں اور ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی بدحواسی کو دیکھ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سمندری سفروں کا کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی اس قدر گنتی کے الفاظ میں ایسی جامعیت کے ساتھ خطرات بحر کی صحیح کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔

لیکن تحقیق کی تو اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے معلوم ہوا کہ محمد عربیؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور انہوں نے زندگی بھر کبھی سمندر کا سفر نہیں کیا تھا۔ اس انکشاف کے بعد میرا دل روشن ہوگیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ یہ محمدؐ کی آواز نہیں بلکہ اس خدا کی آواز ہے جو رات کی تاریکی میں ہر ڈوبنے والے کی بے حاصلی کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ میں نے قرآن کا دوبارہ مطالعہ کیا اور خصوصاً متعلقہ آیت کا خوب غور سے تجزیہ کیا۔ اب میرے سامنے مسلمان ہوئے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا چنانچہ شرحِ صدر کے ساتھ کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔

علامہ محمد اسد (پولینڈ)

نامور مصنّف، ممتاز عالمِ دین اور مبلّغ علامہ محمد اسد (سابق لیو پولڈ ویس) ۱۹۲۶ء میں مشرّف بہ اسلام ہوئے۔ تقریباً چھ برس تک مدینہ منورہ اور

سعودی عرب کے دیگر شہروں میں مقیم رہے اور اس دوران میں سلطان ابنِ سعود کا خصوصی تقرّب حاصل کیا۔ پھر برصغیر میں آ گئے اور سالہا سال شاعرِ اسلام علامہ اقبال کے قریب رہنے کا شرف حاصل کیا۔ کچھ عرصہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ہمراہ دارالاسلام (پٹھانکوٹ) میں گزارا۔ قیامِ پاکستان کے بعد انہیں حکومت کی زیرِ سرپرستی ایک جدید محکمہ ''اسلامی تعمیر جدید'' کی تنظیم و نگرانی پر مامور کیا گیا۔ ازاں بعد ان کی خدماتُ محکمہ خارجہ کو منتقل کر دی گئیں اور ان کا تقرر وزارتِ خارجہ میں شعبۂ مشرق وسطیٰ کے افسرِ اعلیٰ کی حیثیت سے ہوا۔ آخر میں وہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے وفد اور اس کی مہم سے متعلق بھی رہے۔ بعد میں وہ مراکش چلے گئے اور اپنے آپ کو دینی تصنیف و تالیف کیلئے وقف کر دیا۔ موصوف کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ ''اسلام ایٹ دی کراس روڈز'' اور ''اے روڈ ٹو مکہ'' ان کی معروف تصانیف ہیں۔ انہوں نے قرآن پاک کا انگریزی ترجمہ کیا اور حواشی بھی لکھے۔ نیز صحیح بخاری کے مختلف حصوں کو بھی انگریزی میں منتقل کیا۔ علامہ محمد اسد نے بھرپور علمی، دینی اور تبلیغی زندگی بسر کی اور مارچ ۱۹۹۲ء میں سپین میں وفات پائی۔ ذیل کا مضمون ان کی خود نوشت ''اے روڈ ٹو مکہ'' کی تلخیص پر مشتمل ہے۔

میں ۱۹۰۰ء میں پولینڈ کے ایک یہودی ربّی خاندان میں پیدا ہوا۔ میرا بچپن شہر لوود (Lowow) میں گزرا جو اس وقت آسٹریا کے قبضے میں تھا۔ میرے دادا ربّی (یہودی مذہبی عالم) تھے اور ان کی زبردست خواہش تھی کہ میرے والد بھی ربّی بنیں، مگر ایسا نہ ہو سکا اور وہ قانون کی تعلیم حاصل کر کے وکیل بن گئے۔ میرے والد مجھے ریاضی اور طبیعیات پڑھا کر سائنس دان بنانا چاہتے تھے، مگر میں ان کی توقعات پر پورا نہ اترا۔ مجھے سائنسی مضامین کی بجائے

عمرانیات سے دلچسپی تھی۔

خاندانی روایات کے مطابق میں نے بچپن میں عبرانی اور آرامی زبانیں سیکھیں اور تلمود، بائبل اور فارغوم جیسی مذہبی کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ اس زمانے میں مین مختلف مذہبی کتابوں کے فرق پر اعتماد کے ساتھ بحث کرسکتا تھا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی تو میں اسکول کا طالب علم تھا۔ میں اسکول سے بھاگا اور جعلی نام سے فوج میں بھرتی ہوگیا۔ مگر میرے والد کی شکایت پر کم عمری کی وجہ سے مجھے واپس بھیج دیا گیا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد دو سال تک میں ویانا یونیورسٹی میں فلسفہ اور آرٹ کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

جوں جوں میرے شعور کی آنکھیں کھلتی گئیں، میں نے شدت سے محسوس کرنا شروع کیا کہ سارا یورپ زبردست روحانی بےقراری میں مبتلا ہے۔ مذہبی اور روحانی قدریں تحلیل ہورہی تھیں۔ زر پرستی اور مادّیت کے جھنڈے بڑی تیزی سے گڑ رہے تھے۔ خطرہ اور خوف ہر فرد بشر پر مستولی تھا۔ خصوصاً نوجوان نسل گھور اندھیروں میں سرگرم عمل تھی اور ان سوالات کا کسی کے پاس کوئی جواب نہ تھا جنہوں نے نوجوان ذہنوں کو سخت پریشان کر رکھا تھا۔ طویل جنگ نے رہی سہی کسر نکال دی تھی اور معاشی پریشانیوں اور سماجی افراتفری نے یورپ کے انسان کو ایک ایسے خلا میں پھینک دیا تھا جہاں بےیقینی، نفسانفسی، خودغرضی، دنیا پرستی اور عارضی لذت اندوزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں اکثر سوچتا کہ کیا انسان کی احتیاج محض روٹی ہے اور کیا زندگی کا مقصد صرف مادّی خواہشات کو پورا کرنا ہے میں دیکھ رہا تھا کہ یورپ صرف مادی ترقی کے بل پر روحانی خلا کو پُر کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ یہ طریق علاج اصل بیماری یعنی بےاطمینانی اور بےقراری کو مزید بڑھانے کا سبب بن رہا تھا میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا مگر میرے

دل میں یہ خیال کبھی نہ آیا اور شاید میری طرح کوئی بھی اس نہج پر نہیں سوچتا تھا کہ یورپ کے ثقافتی تجربات کا سہارا ترک کیے بغیر ان سوالات کا جواب پالینا ممکن نہ تھا۔ یورپ ہی ہماری فکر کی ابتدا تھا اور وہی انتہا۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ میرا سکون ختم ہو گیا۔ مجھے اپنی زندگی کا صحیح مقصد معلوم نہ تھا اور میں نہیں جانتا تھا کہ سچی ذہنی مسرت کیسے اور کہاں سے حاصل کروں؟ میرے بیشتر نوجوان دوستوں کی یہی کیفیت تھی۔ ان میں سے کوئی بھی بدقسمت یا مصیبت زدہ نہ تھا مگر حقیقی اطمینان اور سکون سے سبھی محروم تھے۔ بار بار احساس ہوتا تھا کہ ہم کسی اندھے جنگل میں محو سفر ہیں جہاں درندوں کا خوف بھی لاحق ہے اور منزل کا سراغ بھی نامعلوم۔

میرے ایک ماموں "ڈوریاں" بیت المقدس کے ہسپتال میں ذمہ دار آفیسر تھے ۱۹۲۲ء کے موسم بہار میں انہوں نے خط لکھ کر مجھے اپنے پاس بلا بھیجا۔ میں نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی اور سمندری جہاز کے ذریعے ایک دن مصر کی بندرگاہ اسکندریہ جا پہنچا جہاں سے میں نے ٹرین کے ذریعے بیت المقدس کا سفر اختیار کیا۔

ہماری ٹرین صحرائے سینا سے گزر رہی تھی۔ میں بے حد تھکا ہوا تھا مگر ٹرین کی لڑکھڑاہٹ اور بے ہنگم شور کی وجہ سے میں رات بھر ایک لمحہ کیلئے بھی نہ سو سکا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر ایک بدّو۔۔۔ایک بڑی سی عبا میں لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ سر کے پاس پڑی ہوئی تلوار اس کے گھٹنوں تک پہنچ رہی تھی اور مفلر کے باوجود بھی وہ سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔

صبح ہوئی اور ٹرین ایک جھٹکے سے ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رکی۔ بدّو نے اپنا مفلر کھولا تو پہلی بار مجھے اس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کا رنگ سانولا اور چہرہ

عقابی تھا۔اس نے خوانچہ فروش سے ایک روٹی خریدی۔اپنی جگہ بیٹھ کر اس روٹی کے دو ٹکڑے کیے اور ایک مجھے دینے لگا۔میرے تردّد اور تعجب پر وہ مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر اسی طرح موزوں تھی جس طرح عزم اور قوتِ ارادی۔اس نے ایک لفظ کہا جس کا مفہوم اس وقت تو میں نہیں سمجھا مگر اب سمجھتا ہوں۔

"تفضّل" یعنی نوش فرمایئے۔ میں نے وہ ٹکڑا لے لیا اور سر کے اشارے سے اسکا شکریہ ادا کیا۔یورپین لباس میں ملبوس ترکی ٹوپی والے ایک مسافر نے رضا کارانہ طور پر ترجمانی کے فرائض انجام دیے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھے بتایا کہ "یہ کہتے ہیں کہ آپ بھی مسافر ہیں اور میں بھی مسافر ہوں اور ہم دونوں کا راستہ ایک ہے"۔

جب میں اس معمولی واقعہ پر غور کرتا ہوں تو میرا دل کہتا ہے کہ عربی اخلاق سے میری وابستگی اور محبت کی بنیاد یہیں سے پڑی تھی۔اس بدّو کے رویّہ میں، جس نے اجنبیت کی تمام دیواروں کے باوجود اپنے رفیق سفر کو اپنی آدھی روٹی دے دی تھی، انسانیت کی ایک ایسی تصویر اور جھلک تھی جو ہر تصنع اور تکلف سے پاک تھی۔

گاڑی غزہ پہنچی تو میرے بدّو ساتھی نے اپنا سامان سمیٹا۔ایک باوقار مسکراہٹ کے ساتھ سر کے اشارے سے مجھے سلام کیا اور باہر چلا گیا۔باہر پلیٹ فارم پر اس کے استقبال کیلئے دو بدو کھڑے تھے۔انہوں نے اس سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کیا پھر سب نے ایک دوسرے کے رخسار کا بوسہ لیا۔میں نے خلوص اور محبت کی یہ فضا دیکھی تو میرے اندر ان کی زندگی کو سمجھنے کی شدید خواہش پیدا ہوگئی۔

بیت المقدس میں، میں نے اپنے روبرو زندگی کا ایک ایسا مفہوم پایا جو میرے لئے یکسر نیا تھا۔ روحانی خراشوں اور اذیتوں سے نا آشنا۔ وہ اذیتیں، جنہوں نے خوف، حرص اور گھٹن کا بھوت بن کر مغربی زندگی کو بے حد بھدا، بے ہنگم اور کریہہ المنظر بنادیا تھا۔ میں عربوں میں وہ چیز پانے لگا، جس کی غیر شعوری طور پر مجھے ایک عرصہ سے تلاش تھی، جس کو ہم زندگی کے تمام مسائل میں ایک خاص قسم کی جذباتی لطافت اور بلند تر حسی شعور سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں اپنے ماموں کے گھر کے عین سامنے ایک کھلے صحن میں عربوں کو دن میں کئی مرتبہ نماز پڑھتے دیکھتا تھا۔ ان کی باوقار حرکات وسکنات اور غیر معمولی ڈسپلن نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ اسلامی طریقِ عبادت کے بارے میں ان کے امام سے میری جو گفتگو ہوئی سچی بات یہ ہے کہ اس نے میرے لئے اسلام کا پہلا دروازہ کھول دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس وقت میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسلام کبھی میرا دین بھی بن سکتا ہے۔

۱۹۲۳ء میں، میں مصر آ گیا۔ گزارے کی خاطر مجھے ایک جز وقتی ملازمت مل گئی اور ایک قدیم محلے میں مختصر سا مکان لے کر گزر بسر کرنے لگا۔ میرے گھر کے بالکل سامنے پتلے مینار کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جہاں پنج وقتہ نماز کیلئے اذان ہوتی تھی۔ سفید عمامہ باندھے ہوئے ایک شخص مینارہ پر اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لا الہ الا اللہ کی صدا بلند کرتا۔ یہ آواز پرسوز تھی اور بارعب بھی۔ صاف احساس ہوتا تھا کہ وہ آرٹ یا فن نہیں تھا بلکہ ایمان اور غیرت کا جوش تھا جس نے اذان میں اتنا حسن بھر دیا تھا۔ اندازہ ہوا کہ یہ بات قاہرہ تک محدود نہیں، بلکہ ساری اسلامی دنیا میں مشترک ہے۔ یوں میں اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں کا اندرونی اتحاد، یکسانیت اور ہم آہنگی کتنی گہری ہے اور انہیں تقسیم اور

متفرق کرنے کی چیزیں کتنی مصنوعی، سطحی اور بے اثر۔ مجھے ایسا لگا کہ میں نے پہلی بار ایک ایسی سوسائٹی میں قدم رکھا ہے جس میں انسان کے درمیان رشتہ و تعلق کی بنیاد اقتصادی مصلحتوں یا رنگ و نسل پر نہیں بلکہ اس سے زیادہ گہری، مضبوط اور پائیدار چیز پر تھی اور وہ زندگی کے متعلق اس مشترک نقطہ نظر کا رشتہ تھا جس نے انسانوں کے درمیان سے علیحدگی اور بے تعلقی کی دیواروں کو گرادیا تھا۔

ایک جمعہ کو میں اپنے میزبان کے ساتھ جامعِ اموی میں گیا۔ قیام، رکوع، اور سجدوں میں یہ لوگ جس طرح خشوع و خضوع کا مظاہرہ کرتے اور اپنے امام کی اقتدا کر رہے تھے اس سے مجھے خدا اور دین سے ان لوگوں کے قُرب اور تعلق کا اندازہ ہوا۔

مسجد سے نکلتے ہوئے میں نے اپنے دوست سے کہا کہ کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ آپ لوگ خدا کو اس حد تک قریب سمجھتے ہیں۔ میری آرزو ہے کہ میں بھی اسی طرح سمجھ سکوں۔

''ہاں کیوں نہیں'' میرے میزبان نے کہا ''اس کے سوا اور چارہ بھی کیا ہے۔ خدا خود کہتا ہے کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے''۔

اس نئے احساس اور نئی فکری دریافت کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ چنانچہ دمشق میں میں نے اپنا بیشتر وقت اسلامی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ میں عربی میں معمولی شُد بُد حاصل کر چکا تھا۔ قرآن کے جرمن اور فرانسیسی ترجموں سے بھی کام لیا اور اپنے دوست سے بھی گفتگو کرتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری نگاہوں سے ایک پردہ سا ہٹ گیا۔ میں افکار کی ایک ایسی دنیا کا مشاہدہ کر رہا تھا جس سے اب تک میں مطلق ناواقف تھا۔

اسلام میرے سامنے مذہب کے ایک رواجی اور اصلاحی مفہوم سے

زیادہ زندگی کا ایک نظام بن کر آیا۔ وہ مجھے لاہوتی نظام سے زیادہ شخصی اور اجتماعی سلوک کا ایک پروگرام اور لائحہ عمل معلوم ہوا جس کی بنیاد خدا کی یاد پر تھی۔ میں نے قرآن میں کسی جگہ ''چھٹکارے'' کا تصور نہیں دیکھا۔ وہاں کوئی پہلا موروثی گناہ بھی نہیں تھا جو انسان اور اس کی تقدیر کے درمیان حائل ہو گیا ہو۔ وہاں تو تھا لَیسَ لِلاِنسانِ اِلّا مَا سعٰی یعنی انسان جیسی کوشش کرنے گا ویسا ہی پھل پائیگا وہ کسی کی رہبانیت اور فطرت کشی کا بھی طالب نہ تھا جس کے ذریعے طہارت اور تقدس کا کوئی خفیہ دروازہ کھل جاتا ہے اس لئے کہ قرآن کے نزدیک طہارت اور پاکیزگی ہر انسان کا پیدائشی حق ہے اور گناہ صرف انسان کی منفی فطرت کی ایک لغزش ہے۔ وہاں فطرتِ انسانی کی کوئی تقسیم نہیں ملتی اس لئے کہ اس کے نزدیک روح اور جسم مل کر ایک صحیح اور مکمل یونٹ بناتے ہیں۔

ابتدا میں، میں یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوا کہ قرآن زندگی کے بعض بظاہر حقیر شعبوں کا ذکر بھی اہتمام کے ساتھ کرتا ہے لیکن بعد میں یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔ ظاہر ہے اگر انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے تو پھر اس کی زندگی کے کسی شعبے اور پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کو دین کے دائرہ عمل سے خارج کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ قرآن ایک لمحہ کے لئے بھی یہ فراموش کرنے کیلئے تیار نہیں کہ دنیا بہر حال انسان کی ترقی کے سفر کا ایک مرحلہ ہے۔ اس سفر کی آخری منزل روحانی ترقی ہے۔ مادی خوشحالی قرآن کے نزدیک مستحسن اور مستحب ہے مگر بذاتِ خود مقصود نہیں اس لئے انسان کی نفسانی خواہشات کو ان کی اہمیت و ضرورت کے باوجود اخلاقی حِس کے مقابلے میں دبایا جاتا ہے۔ اسلام کا نقطۂ نظر ہے کہ یہ اخلاقی حِس صرف خدا اور بندے کے مابین ہی محدود نہیں رہنی چاہیے، بلکہ اس کا دائرہ انسانوں کے باہمی تعلقات تک وسیع

ہونا چاہیے۔اس کا مقصد صرف فرد کی روحانی تکمیل نہ ہو بلکہ سوسائٹی میں ایسے حالات پیدا کرنا بھی اسکا مقصود ہے جو دوسرے انسانوں کو روحانی ترقی اور نشوونما کیلئے سازگار ماحول اور فضا مہیا کریں جن کے سائے میں مکمل اور پرسکون زندگی گزارنے کے قابل ہو جائیں۔ میں نے صاف محسوس کیا کہ روحانی مسائل کے سلسلے میں قرآن کا طریقہ عہدِ قدیم کے طریقے سے کہیں زیادہ گہرا ہے۔ یہاں کسی خاص قوم کی پاسداری نہیں۔ مادی مسائل میں اسکا طریقہ عہدِ جدید کے برعکس بہت زیادہ ایجابی ہے۔ روح اور جسم اس کی نظر میں انسانی زندگی کے دو ایسے رخ ہیں جو یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔

میں نے اپنے دل میں سوال کیا کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تعلیمات اس قلبی طمانیت (Emotional Security) کا باعث ہوں جن کا میں نے عربوں میں رہ کر مشاہدہ کیا ہے؟

۱۹۲۳ء کے موسمِ خزاں میں، میں شام سے یورپ روانہ ہو گیا۔ یورپ کے مناظر اب مجھے اجنبی لگ رہے تھے۔ اب مجھے یہاں کے لوگ بہت مکروہ اور حقیر دکھائی دیتے تھے۔ ان کی حرکات بہت بھدی اور پھوہڑ نظر آتی تھیں جن میں ان کے ارادہ و شعور کا کوئی دخل نہ تھا۔

درحقیقت وہ کسی قسم کے مقصد اور نصب العین کے بغیر برابر اندھے راستوں پر چلے جا رہے تھے۔ اس مرتبہ میں نے پہلی بار عیسائیت کا مطالعہ کیا اور اسے سمجھنے کی کوشش کی، مگر اس اعتبار سے بہت جلد مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کہ عیسائیت جسم وروح اور عقیدہ وعمل کے درمیان افسوسناک تفریق کا حامل ہے اور گوناگوں مسائل سے لبریز، اس زمانے کے انسانوں کی رہنمائی کرنے سے قطعی قاصر

۱۹۲۴ء کے موسمِ بہار میں ''فرانکفرٹ'' کی طرف سے دوبارہ مصر گیا۔

اس وقت تک صحافتی دنیا میں میرا ایک مقام بن چکا تھا، اس لئے مجھے گرانقدر مشاہرے کی پیشکش کی گئی تھی۔ یہاں پہنچا ہی تھا کہ رمضان کا چاند طلوع ہوا اور مسلسل ایک ماہ تک سارا ماحول خاص قسم کی پاکیزگی اور تقدس میں ڈوبا رہا۔ نماز کے بعد میں روزوں کی حکمت پر جتنا غور کرتا رہا، اتنا ہی اسلام کی عظمت کا قائل ہوتا گیا۔ اس ضمن میں الازہر کے نوجوان اور متبحر عالم دین شیخ مصطفیٰ المراغی سے بھی تفصیلاً گفتگو ہوئی۔ انہوں نے بڑی صاف بیانی سے بتایا کہ موجودہ مسلمانوں نے اعلیٰ اسلامی تعلیمات اور اصولوں سے روگردانی کرلی ہے اور اس سے بڑی غلطی کوئی نہ ہوگی کہ محمد ﷺ کے پیغام کی قوتوں اور وسیع امکانات کو موجودہ مسلمانوں کی زندگی اور طرزِ فکر کے پیمانہ سے جانچا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح یہ غلطی ہوگی کہ ہم عیسائیوں کے خلافِ محبت اور خلافِ رواداری کاموں کو دیکھ کر مسیح علیہ السلام کے پیغامِ محبت کو قصوروار قرار دینے لگیں۔

شیخ مراغی نے لگی لپٹی رکھے بغیر بتایا کہ علمائے اسلام کی اکثریت لکیر کی فقیر بن چکی ہے اور ان میں تجدید واحیائے دین کا جذبہ دم توڑ چکا ہے اور یہی امت کے زوال کا بنیادی سبب ہے۔

قرآن کا جتنا کچھ میں نے مطالعہ کیا تھا، عربوں کی معاشرتی زندگی کا جو مجھے مشاہدہ ہوا تھا اور اب شیخ المراغی سے جو کھل کر گفتگو ہوئی تھی۔ اس نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ اہل یورپ کے دماغ میں اسلام کی جو تصویر ہے وہ بالکل مسخ شدہ اور بگڑی ہوئی ہے۔ اب میں اس امر پر بالکل مطمئن ہو چکا تھا کہ اسلام میں بحیثیت دین اور ضابطۂ حیات کوئی نقص نہیں اور مسلمانوں کا زوال اسلام کی خامی کی بنا پر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات پر ان کے عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔

۱۹۲۵ء کے اواخر کی بات ہے میں ہرات سے کابل جا رہا تھا۔ وسطِ

افغانستان کی برف پوش وادیوں نے قلب ونظر کو مسحور کر رکھا تھا۔ ایسے میں میرا گھوڑا لنگڑانے لگا۔ اس کی نعل ڈھیلی ہوگئی تھی اور صرف دو کیلوں کے سہارے لٹک رہی تھی۔ میرے افغان ساتھی نے بتایا کہ تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں "دہ زنگی" ہے وہاں کوئی موچی مل جائے گا۔ علاقہ ہزار جات کا گورنر بھی وہیں رہتا تھا۔

دہ زنگی میں حاکم صوبہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بے حد خوش ہوا۔ اس کے چہرے پر مسرت اور فارغ البالی کے اثرات نمایاں تھے۔ وہ امان اللہ شاہ کا قریبی رشتہ دار تھا، لیکن افغانستان میں جتنے آدمیوں سے ملاقات ہوئی، میں نے اسے سب سے زیادہ ملنسار اور متواضع پایا۔ اس نے بڑے اصرار سے دو دن کے لئے مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ دوسرے دن شام کو پر تکلف کھانے سے فارغ ہوئے تو ایک افغان نے ستار پر داؤد اور جالوت کا قصہ چھیڑ دیا۔ گیت پشتو میں تھا اور حاکم نے مجھے اس کا خلاصہ بتا دیا تھا۔ آخر میں اس نے تبصرہ کیا کہ داؤد کمزور تھے مگر ان کا ایمان طاقتور تھا۔

میں نے برجستہ جواب دیا:

"اس کے برعکس آپ لوگ تعداد میں بہت ہیں مگر ایمان کے اعتبار سے کمزور ہیں"۔

میرا میزبان حیرت سے میرا منہ تکنے لگا۔ میں کچھ گھبرا گیا اور اپنی بات کی تاویل میں سوالوں کی بوچھاڑ کر دی "مسلمانوں نے خود اعتمادی کھو دی ہے؟ ان کی عظمت کا سورج کیوں گہنا گیا ہے؟ ان کے علم وفن کی صلاحیتیں کیوں ماند پڑ گئی ہیں؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہمت سے کام لے کر مسلمان پھر اسی روشنی اور عظیم دین کی طرف پلٹ جائیں۔ کتنا عبرت ناک منظر ہے یہ کہ وہ کمال پاشا جس کی

نظر میں اسلام کی کوئی وقعت نہیں مسلمانوں کی نگاہ میں اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا ہیرو بن گیا ہے"۔

میرا میزبان ٹکٹکی باندھے حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں خاموش ہوا تو وہ کہنے لگا: "آپ تو مسلمان ہیں۔"

"نہیں نہیں یہ بات نہیں" میں نے کہا "میں مسلمان نہیں محض اسلام کے حسن و لطافت کا قدردان ہوں"۔

میرے میزبان نے سر ہلاتے ہوئے کہا "نہیں بھائی! بات وہی ہے جو میں نے کہی تھی۔ آپ مسلمان ہیں لیکن خود آپ کو اس کی خبر نہیں۔ آپ کلمہ پڑھ کر مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے جبکہ دل کی گہرائیوں سے آپ اسلام قبول کر چکے ہیں"۔

میں افغانستان کی کئی ہفتے کی سیاحت کے بعد روس چلا گیا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ گیا۔ میری غیر حاضری میں میرا نام صحافتی حلقوں سے نکل کر علمی دنیا میں خاصی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ برلن کی جغرافیائی سیاسی اکیڈمی نے لیکچرز کے ایک سلسلے میں مجھے دعوت دی۔ اس وقت میری عمر ۲۶ سال تھی اور اس عمر میں یہ اعزاز آج تک کسی کو نہیں ملا تھا۔

انہی زمانے میں میں نے شادی کر لی۔ میری اہلیہ نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ ہم میاں بیوی پہروں قرآن کا ترجمہ پڑھتے اور اس کی تعلیمات پر بحث کرتے تھے۔ اسی بحث و تمحیص میں میرے سامنے اسلام کی ایک ایسی مکمل تصویر آ گئی جو مجھے حیرت زدہ اور مدہوش کیے رکھتی تھی۔ روح اور مادہ کی یکساں اہمیت، عقل کی کارفرمائی، پیغمبر اسلامؐ کی بھرپور روحانی، معاشرتی اور سیاسی زندگی اور اسلام کا بین الاقوامی مزاج۔ اسلام کیلئے میرا استغراق بڑھتا چلا گیا۔

ستمبر ۱۹۲۴ء کی ایک شب میں برلن میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ زمین دوز ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ میرے سامنے کی سیٹ پر ایک جوڑا بیٹھا ہوا تھا۔ لباس اور ہیرے کی انگوٹھیوں اور وضع قطع سے دونوں بہت متمول نظر آتے تھے، مگر ان کے چہرے اطمینان یا مسرت سے خالی تھے۔ وہ بہت غم زدہ اور حرماں نصیب دکھائی دیتے تھے۔ میں نے ڈبے میں چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھا۔ ہر وہ شخص جو خوش حال معلوم ہوتا تھا اس کے چہرے پر میں نے ایک مخفی الم کی جھلک دیکھی۔ اتنی مخفی کہ خود ان سب کو بھی اس کا احساس نہ تھا۔

میں نے اپنے اس احساس کا ذکر بیوی سے کیا تو اس نے بھی میری تائید کی۔ ''واقعی یوں لگتا ہے جیسے یہ لوگ جہنم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ سوچتی ہوں جو ان پر گزر رہی ہے اس کی انہیں خبر بھی ہے یا نہیں''؟

گھر واپس آیا اور نگاہ میز پر گئی تو اس پر قرآن کا وہ نسخہ رکھا تھا جو اکثر میرے مطالعے میں رہتا تھا۔ میں اسکو بند کر کے الماری میں رکھنا ہی چاہتا تھا کہ میری نگاہ کھلے ہوئے صفحے پر پڑ گئی۔ اس پر یہ آیات لکھی تھیں۔

الھٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر کلاسوف تعلمون ثم کلاسوف تعلمون کلا لو تعلمون علم الیقین لترون الجحیم ثم لترونھا عین الیقین ثم لتسئلن یومئذٍ عن النعیم. (سورۃ التکاثر)

''تم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اور ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا حاصل کرنے کی دھن نے غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ یہاں تک کہ (اسی فکر میں) تم لب گور تک پہنچ جاتے ہو۔ ہر گز نہیں عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ پھر سن لو کہ ہر گز نہیں اگر تم یقینی علم کی حیثیت سے (اس روش کے انجام کو) جانتے ہوتے (تو تمہارا یہ طرزِ عمل نہ ہوتا) تم دوزخ دیکھ کر رہو گے۔ پھر (سن لو کہ) تم بالکل یقین

کے ساتھ اسے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور اس روز تم سے ان نعمتوں کے بارے میں جواب طلبی کی جائے گی"۔

میں ایک لمحے کیلئے گم سم ہو گیا۔ میرا خیال ہے کتاب میرے ہاتھ میں جنبش میں تھی۔ میں نے اپنی بیگم کو آواز دی۔ "دیکھو کیا یہ اس کا جواب نہیں جو گزشتہ رات ہم نے ریل میں دیکھا تھا"۔ ہمیں ہمارے سوال کا جواب ہی نہیں مل گیا تھا، بلکہ متعلقہ شکوک وشبہات بھی ختم ہو گئے تھے۔ ہم نے سوچا یہ کتاب خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ یہ تیرہ سو سال پہلے محمد ﷺ پر اتری تھی مگر اس میں بہت وضاحت کے ساتھ ایسی پیش گوئی کر دی گئی تھی، جو ہمارے پیچیدہ مشینی دور سے زیادہ شاید ہی کسی اور دور میں سامنے آئی ہو گی۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن کسی انسان کی حکمت ودانائی کا نتیجہ نہیں۔ انسان لاکھ سمجھدار، حکیم اور دانا سہی، مگر وہ اس عذاب کی پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا جو بیسویں صدی کے لئے خاص تھا۔ دوسرے ہی روز میں برلن میں مسلمانوں کی انجمن کے صدر کے پاس گیا اور قبول اسلام کی خواہش ظاہر کی۔ انہوں نے مجھے کلمۂ شہادت پڑھایا اور بولے آپ کا نام لیو پولڈ ہے اور یونانی میں لیو (Leo) شیر کو کہتے ہیں اس لئے ہم آپ کو آج سے محمد اسد کہیں گے۔

چند ہفتے بعد میری اہلیہ نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ جس کے کچھ ہی عرصہ بعد ہم نے یورپ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ وہاں رہنا اب ہمارے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ ہم مصر سے ہوتے ہوئے جزیرۃ العرب آ گئے جہاں ہماری زندگی ایک نئے اور انقلابی دور میں داخل ہو گئی۔

(iii) حسنِ سلوک

انسان کا چال چلن، ذاتی کردار اور لوگوں سے حسن سلوک اور اچھا برتاؤ دوسروں کے دلوں کو مائل کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور ان کے اذہان پر ان مٹ نقوش ثبت کر دیتا ہے۔ اپنی بعثت اور رب ذوالجلال کی طرف سے نبوت کے منصب جلیلہ پر فائز ہونے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ سیرت طیبہ اور کردار کے اعتبار سے قریش مکہ میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ اور حسن کردار کی وجہ سے صادق اور امین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ اور یہ دونو الفاظ حقیقی معنوں میں آپ پر صادق بھی آتے تھے۔ آپ سچائی کا مجسمہ اور انتہائی قابل اعتماد امانت دار تسلیم کئے جاتے تھے۔ جہالت کے اس پرفتن دور میں بھی آپ کی شخصیت غیر متنازعہ تھی۔ لوگ آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ بلند کرداری کے مجسم پیکر اور اخلاق حسنہ کی انتہائی بلندیوں پر سرفراز تھے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس سچائی کا شاہد ہے سورۃ القلم میں ارشاد ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ اور بے شک آپ خلق عظیم کے مظہر ہیں

اور آپ ﷺ کا اپنا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَ خلاقِ ۔

ترجمہ:۔ مجھے اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ اخلاق حسنہ کے تمام نمونوں کی تکمیل کر دوں۔

یہی وہ روشن کردار اور سچائی کے اثرات تھے جنہوں نے لوگوں کو جوق در

جوق دین متین میں شامل ہونے کی رغبت دلائی۔ اور سیرت مطاہرہ کا پرتو اور آپکے کردار کی جھلک آپ کے صحابہ کرام تابعین اور اکابرامت میں موجود تھی۔ اور آج بھی علمائے حق، صالحین اور اولیائے کرام میں موجود ہے۔ اور ان کے بے داغ کردار اور حسن سلوک سے متاثر ہوکر نہ صرف قرونِ اولیٰ بلکہ آج کے گئے گزرے زمانے کے لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہو رہے ہیں۔

آنے والے اوراق میں ان نفوس قدسیہ اور خوش بخت نومسلموں کے حالات و واقعات کی چند جھلکیاں پیش کی جاتی ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ اور مسلمان بزرگوں کے حسن سلوک سے متاثر ہوکر کفر و شرک سے توبہ کی اور دین اسلام میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا۔

دشمن سے سلوک

اسلام اور مسلمانوں کا سخت دشمن ایک عرب قبیلہ جس نے آخر تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مسیلمہ کذاب بھی اسی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اس قبیلے کا ایک کردار ثمامہ بن آثال مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا وہ اسے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دو اس کے بعد آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا اے محمد ﷺ اگر تم مجھے قتل کرو گے تو ایک خونی کو قتل کرو گے اور اگر معاف کردو گے تو ایک شکرگزار پر احسان کرو گے اگر زر مانگو گے تو جو کہو گے دونگا۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ خاموش رہے۔ دوسرے دن بھی یہی بات

ہوئی۔تیسرے دن بھی یہی بات ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو۔ ثمامہ کی رسی کھول دو اور اس کو آزاد کر دو۔ جب ثمامہ کو آزاد کر دیا گیا تو اس پر خلاف توقع یہ اثر ہوا کہ اس نے قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں جا کر غسل کیا اور مسجد نبوی میں واپس آ کر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ دنیا میں کوئی شخص میری نظر میں آپ سے برا نہ تھا۔ اور اب آپ ﷺ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں اور کوئی مذہب آپ کے مذہب سے زیادہ میری آنکھوں میں برا نہ تھا اور اب آپ کے مذہب سے زیادہ کوئی مذہب پسندیدہ نہیں۔

عدی بن حاتم

ایک عیسائی عدی بن حاتم جنگ میں شکست کھا کر شام چلا گیا۔ اور اس کی بہن گرفتار کر کے رسول پاک ﷺ کے حضور پیش کی گئی۔ یہ عورت عرب کے مشہور سخی حاتم کی بیٹی تھی۔ اس نے آپ کے سامنے عرض کی "میں قوم کے سردار کی بیٹی ہوں۔ میرا باپ رحم و کرم میں مشہور تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتا اور غریبوں سے اچھا سلوک کرتا تھا وہ مر گیا اور میرا بھائی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اب آپ مجھ پر رحم فرمائیں"۔

نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا "ہاں تیرے باپ میں مومنوں جیسی صفات تھیں۔

اس کے بعد اسے اور اس کے خاندان والوں کو رہا کر دیا اور عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ عدی کی بہن پر آپ کے اس حسن سلوک کا بے حد اثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر عدی کو مجبور کیا کہ وہ آپ کے پاس جائے اور اپنی آنکھ سے آپ

کی شفقت اور رحم دلی دیکھے۔ عدی آپ کے پاس آیا تو آپ مسجد میں تھے۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اسے ٹھہرانے کیلئے اپنے گھر لے گئے۔ راستہ میں ایک بدوی عورت ملی۔ اس نے آپ کو ٹھہرا لیا اور دیر تک آپ سے باتیں کرتی رہی۔ عدی روم کے بادشاہوں کی ہیبت اور شان دیکھ چکا تھا یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے دل پر آپ کی سادگی کا بے حد اثر ہوا۔ جب وہ آپ کے ساتھ آپ کے گھر پہنچا تو اور بھی حیران ہوا۔ کیونکہ آپ کے پاس صرف ایک گدا تھا جس پر آپ نے عدی کو بٹھا دیا اور باتیں شروع کر دیں۔ عدی نے آپ ﷺ کی شرافت بے سادگی اور مہمان نوازی دیکھ فوراً کفر و شرک سے توبہ کی اور اسلام قبول کر لیا۔

امام ابو حنیفہؒ اور موچی

فقہ اسلامی کے امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جو مسلمانوں کے سواد اعظم کے راہنما ہیں اور آپ کے پیروکار حنفی کہلاتے ہیں۔ آپ بہت بڑے متقی، زاہد اور پرہیزگار تھے۔

آپ کے ہمسائے میں ایک موچی رہتا تھا وہ سارا دن تو اپنے مکان کے دروازے پر جوتیاں گانٹھتا مگر رات کو شراب پی کر غل غپاڑہ کرتا تھا۔ جس سے امام صاحب کی ریاضت اور عبادت میں خلل پڑتا تھا۔

ایک رات امام صاحب نے محسوس کیا کہ ہمسائے میں کوئی شور و ہنگامہ نہیں ہے۔ آپ پریشان ہوئے۔ صبح اٹھ کر موچی کے مکان پر گئے اور دریافت کیا کہ موچی رات بھر کیوں خاموش رہا۔ وہ تندرست تو ہے؟ اس کے گھر والوں نے بتایا کہ سرکاری سپاہی اسے شراب پی کر شور کرنے کے جرم میں پکڑ کر لے گئے ہیں۔

ان دنوں عباسی خلیفہ منصور حکومت کرتا تھا۔ وہ اکثر امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر امام صاحب کبھی منصور کے دربار میں نہ گئے تھے۔ آج جب معلوم ہوا کہ ان کا ہمسایہ قید میں ہے تو آپ اسی وقت منصور کے دربار میں تشریف لے گئے۔

امام صاحب کے آتے ہی چوبداروں نے دروازے کھول دیئے۔ درباریوں نے آپ کا خیر مقدم کیا اور جب منصور کو معلوم ہوا کہ امام صاحب تشریف لائے ہیں تو تخت سے اتر کر آپ کے استقبال کو بڑھا اور بڑی عزت و تکریم کے ساتھ لا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور عرض کیا "آپ نے بڑی زحمت فرمائی مجھے بلا لیا ہوتا۔

امام صاحب نے فرمایا "کام ہی ایسا تھا کہ مجھے خود آنا پڑا۔

منصور:۔ امام صاحب فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟

امام صاحب:۔ میرے ہمسائے میں بسنے والے ایک موچی کو تیرے سپاہی پکڑ کر لے آئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے رہا کر دیا جائے۔

منصور:۔ مجھے اس معاملے کا کوئی علم نہیں۔ ابھی معلوم کرتا ہوں۔ منصور نے وزیر اعظم کو حکم دیا کہ مطلوبہ موچی کا کیس پیش کیا جائے۔ چنانچہ کوتوال کو بلایا گیا۔

کوتوال:۔ حضور! یہ موچی ہر رات شراب پی کر غل غپاڑہ کرتا ہے جو قانون کے خلاف ہے۔

منصور:۔ میں حکم دیتا ہوں کہ اس موچی کو ہی نہیں بلکہ ان تمام قیدیوں کو

رہا کر دیا جائے جو کل گرفتار ہوئے ہیں۔

چنانچہ تمام قیدی رہا کر دیئے گئے اور موچی کو لا کر امام صاحب کے حوالے کر دیا گیا۔ امام صاحب نے منصور کا شکریہ ادا کیا اور موچی کو لے کر گھر آئے تو اس نے ہاتھ جوڑ کر امام صاحب سے عرض کیا کہ "حضور میری وجہ سے آپ کو تکلیف پہنچتی رہی ہے۔ میں بڑا گنہگار ہوں۔ آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں شراب نوشی سے توبہ کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ آج کے بعد شراب نہیں پیوں گا۔

(iv) اسلامی عدل وانصاف

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل سرزمین عرب ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ظلم وجور کا دور دورہ تھا۔ عدل وانصاف کے ترازو میں جھول پڑ چکا تھا۔ رسول عدل وانصاف کی آمد سے اللہ تعالیٰ کے قوانین رائج ہوئے تو ظلم وجور میں دبے ہوئے انسانوں کو سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ط بے شک اللہ تعالی عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔ (النحل۔۹۰)

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى. عدل کرو کیونکہ عدل پرہیزگاری کے قریب تر ہے۔ (المائدہ۔۷)

احادیث نبویؐ

1- جو امام اپنی رعایا پر انصاف سے حکومت کرتا ہے اس کا ایک دن ساٹھ

سال کی عبادت سے بہتر ہے۔(مسند احمد)

2- حاکم عادل کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ جنتی ہے۔(ترمذی)

اسلام کی قرون اولیٰ اور بعد میں خلفائے راشدین کے ادوار سلطنت میں عدل وانصاف کے ایسے محیر العقول فیصلے صادر کیے گئے کہ غیر مسلم بھی عش عش کر اٹھے اور دین اسلام کی حقانیت کو بسر وچشم قبول کر لیا اور کفر وشرک سے تائب ہو گئے۔

بے مثال عدل

آپ ﷺ کے عہد مبارکہ میں قریش کی ایک مالدار عورت چوری کے الزام میں آپ کے سامنے پیش کی گئی اس کا نام فاطمہ تھا۔آپ نے اسلامی قانون کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی۔قبیلہ قریش کے بڑے بڑے لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے آپ کے خصوصی خادم اور صحابی اسامہ بن زید کو سفارش کرنے کیلئے آپ کے پاس بھیجا۔آپ ﷺ نے بات سن کر اسامہ سے کہا ''تم اللہ کی مقرر کی ہوئی سزا میں سفارش کرتے ہو''۔

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا ''لوگو! ہم سے پہلی قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی غریب جرم کرتا تو اسے سزا مل جاتی لیکن امیر آدمی جرم کر کے بھی صاف بچ جاتا۔خدا کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا''۔

دین اسلام کی عدل وانصاف کی روح جو نبی کریم ﷺ نے امت میں پیدا کی اور صحابہ کرام آپ کی تربیت کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے ذیل میں ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے جو ایسا فکر انگیز اور محیر العقول ہے جس کو پڑھ کر انسان

کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ شاید ہی ایسی مثال پیش کر سکے۔

ایک باپ کا عدل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آپ کے پاس شکایت آئی کہ ان کے بیٹے ابو شحمہ نے شراب پی ہے۔ مدینہ کے لوگوں میں اب چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ دیکھیں حضرت عمر اب اپنے بیٹے کے مقدمہ میں بھی عدل کرتے ہیں یا نہیں۔

حضرت عمر کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس کا فیصلہ قاضی کی بجائے میں خود کرونگا۔ چنانچہ ابو شحمہ کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس دور میں خوف خدا و آخرت کوٹ کوٹ کر لوگوں کے دلوں میں بھرا ہوا تھا اور انصاف اس لئے جلد مل جاتا تھا کہ ملزم اپنی عاقبت بہتر بنانے کیلئے اسی دنیا میں سزایاب ہو کر پاک ہو جانا بہتر خیال کرتا۔ اسی لئے اقبال جرم کر لیتا تھا۔

چنانچہ ابو شحمہ سے پوچھا گیا تو اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اس پر حضرت عمر نے ان کو اسی (80) درے مارنے کا حکم دیا۔ درے مارے گئے۔ ابھی ساٹھ درے لگے تھے کہ ان کی جان نکل گئی۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ باقی بیس (20) درے اس کی لاش پر مارے جائیں تاکہ اگلے جہان میں وہ اس سزا سے بچ جائے۔

خلیفہ وقت حضرت علیؓ اور یہودی

چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مدینہ کی بجائے کوفہ کو دارالحکومت بنایا ایک مرتبہ ان کی زرہ گم ہو گئی۔ پتہ چلا کہ وہ

ایک یہودی نے چرائی ہے۔ جب اس سے زرہ واپس کرنے کیلئے کہا گیا تو اس نے زرہ دینے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ یہ زرہ تو میری ہے اس پر مسلمان غصے میں آ گئے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا کہ زبردستی نہیں کرنی چاہیے یہ لوگ ہماری رعایا ہیں۔

حضرت علی نے کوفہ کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے یہودی کو سمن بھیج کر طلب کر لیا۔ جس نے عدالت میں بتایا کہ یہ زرہ میری ہے قاضی نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اب آپ کا موقف کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ زرہ میری ہے جسے یہودی نے چرایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ اگر زرہ آپ کی ہے تو آپ اس کا ثبوت پیش کریں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میرے پاس حضرت امام حسنؓ اور حسینؓ اس کے گواہ ہیں کہ یہ زرہ میری ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ کے بیٹوں کی شہادت شرعی اعتبار سے قابل قبول نہیں کوئی اور گواہ ہو تو پیش کریں۔ حضرت علی نے فرمایا کہ میرے پاس اور کوئی گواہ نہیں۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ مقدمہ خارج کیا جاتا ہے زرہ یہودی کے پاس ہی رہے گی۔

اس پر یہودی آگے بڑھا اور زرہ حضرت علی کے سامنے پیش کر دی اور کہا زرہ اصل میں علیؓ ہی کی ہے۔ میں نے اسلام کا انصاف دیکھنے کیلئے اسے چرایا تھا آپ اپنی زرہ لے لیں اور میں اپنی خوشی سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ اس طرح یہودی اپنے آبائی مذہب سے تائب ہو کر حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

عدل وانصاف کا ایک اور واقعہ درج کیا جاتا ہے جو کہ صاحبان اقدار کے علاوہ عام لوگوں کیلئے بھی سبق آموز ہے۔

سلطان مراد اور معمار

علامہ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''رموزِ بے خودی'' میں ترکی کے بادشاہ سلطان مراد اور ایک معمار یعنی راج کا دلچسپ واقعہ نظم کیا ہے جو کہ اسلامی عدل و انصاف کی منہ بولتی تصویر ہے۔

سلطان مراد نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور تعمیر سے پہلے معمار سے کہا کہ مسجد ایسی تعمیر کرے جس میں کوئی نقص نہ ہو۔ معمار نے اگرچہ بڑی محنت سے مسجد کو تعمیر کیا مگر جب مسجد بن کر تیار ہوگئی اور سلطان مراد نے اس کو دیکھا تو اس میں کوئی بڑا نقص رہ گیا تھا۔ جسے دیکھ کر سلطان غصے میں آ گیا اور حکم دیا کہ معمار کا ہاتھ کاٹ دیا جائے چنانچہ معمار کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

معمار نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کردیا کہ سلطان نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا ہے۔ اب تو ہی محمدؐ کے قانون کی حفاظت کرنے والا ہے قرآن کے قانون کے مطابق سلطان کا ہاتھ بھی کاٹ دینا چاہیے۔ سلطان کو ہاتھ کاٹنے کا اختیار نہ تھا۔

قاضی نے حکم دیا کہ سلطان کو عدالت میں پیش کیا جائے۔ جب بادشاہ کو پتہ چلا تو وہ کانپ اٹھا اور ایک گنہگار کی طرح قاضی کی عدالت میں پیش ہوا۔ اس کی آنکھیں پاؤں پر جھکی ہوئی تھیں۔

ایک طرف عظیم الشان بادشاہ تھا اور دوسری طرف ایک معمولی مسلمان معمار۔ بادشاہ نے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور کہا کہ میں اس پر بہت شرمندہ ہوں قاضی نے کہا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ   اور اے عقل والوں تمہارے لئے

يَااُولِی الْاَلْبَاب. (بقرہ-۱۷۹) قصاص میں ہی زندگی ہے (یعنی اس قانون سے ہی زندگی قائم ہے)

خونِ شاہ رنگین تر از معمار نیست

یعنی بادشاہ کا خون معمار کے خون سے زیادہ رنگین نہیں ہے جب سلطان مراد نے قرآن حکیم کی یہ آیت سنی تو اس نے اپنا ہاتھ آستین سے باہر نکال دیا اور کہا ''قاضی صاحب میرا ہاتھ حاضر ہے اسے کاٹ دیا جائے''۔

یہ سن کر معمار چپ نہ رہ سکا اور اس نے یہ آیت پڑھی اِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَان (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و انصاف اور احسان کا حکم دیتا ہے)۔ اور کہا ''میں اللہ اور نبی آخر الزماں ﷺ کیلئے معاف کرتا ہوں''۔

آخر میں علامہ اقبال لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے قانون کی عظمت دیکھئے کہ ایک چیونٹی نے سلیمان پر فتح پائی۔ یعنی ایک معمولی معمار کے مقابلے میں بادشاہ وقت کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔

(v) غیب کی خبریں

علم غیب کا بحیثیت کلی ذاتی اور قدیم ہونا اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی صفت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب رب کریم کا عطا کردہ ہے۔ جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی والہام حاصل تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذَالِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ط (ال عمران-۴۴) یہ غیب کی خبروں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

رب ذوالجلال کے عطا کردہ اس علم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ضرورت

غیب کی خبریں بطور معجزہ کے فرمادیا کرتے تھے۔ یہ ایک ایسا محرک تھا کہ سننے والا فوری طور پر آپ کی رسالت من جانب اللہ کا یقین کر لیتا اور اس کا قلب و ذہن گواہی دینے پر آمادہ ہو جاتا کہ آپ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر اور سچے نبی ہیں۔ اس طرح وہ آپ پر ایمان لے آتا اور اسلام قبول کر لیتا۔ کتب احادیث و تاریخ و سیر میں ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں۔ جن سے علم غیب کے اس محرک کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس باب میں سے چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضورؐ کے چچا عباسؓ کا قبول اسلام

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان دس رؤسائے قریش میں سے تھے جو جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لڑنے کیلئے آئے تھے۔ اور لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمہ لیا تھا۔ جنگ میں کفار کو شکست ہوئی اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے فتح یاب ہوئے۔ مسلمانوں کے چودہ آدمی (چھ مہاجر + آٹھ انصار) شہادت کے رتبہ پر فائز ہوئے اور کفار مکہ کے ستر افراد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے۔ قیدیوں کے بارے یہ فیصلہ ہوا کہ انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عباسؓ کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ فوج کو کھانا کھلانے کی نوبت نہ آئی اس لئے وہ سونا انہی کے پاس موجود تھا اور وہ مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر سے رہائی کے بدلہ میں فدیہ طلب فرمایا تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا "کہ میرے پاس بیس اوقیہ سونا تھا جو آپ کے صحابہ نے لے لیا ہے وہ میرے فدیہ میں رکھ لیں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ تو مال غنیمت میں شامل ہو گیا۔ فدیہ الگ ادا

کرنا ہوگا۔ بلکہ تم اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبدالطلب اور اپنے حلیف عمرو کا بھی فدیہ ادا کرو۔ عتبہ کا سو اوقیہ اور باقی سب کا چالیس چالیس اوقیہ فی کس ہے"۔

حضرت عباسؓ نے کہا کہ میرے پاس تو اور کوئی مال نہیں ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگتا پھرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر ارشاد فرمایا "وہ مال کہاں ہے جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا" اور کہا تھا کہ "مجھے کچھ ہو گیا تو اتنا تیرا، اتنا فضل کا، اتنا قثم کا اور اتنا عبداللہ کا ہے۔ اور کہا تھا کہ میں نے تم کو دولت مند بنا دیا ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت عباسؓ پکار اٹھے کہ اللہ کی قسم! یہ میرے اور ام الفضل کے درمیان ایسا راز تھا جس کا ہمارے علاوہ کسی کو بھی علم نہ تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور کہا: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰه (ترجمہ: "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں"۔

ارادہ قتل سے آنے والا مسلمان ہو گیا

جنگ بدر کے کچھ دن بعد ایک روز عمیر بن وہب بن خلف قرشی اور صفوان بن امیہ بن خلف قرشی خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے عمیر مذکور شیاطین قریش میں سے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کی جنگ میں قید ہو گیا تھا۔ عمیر اور صفوان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی۔

عمیر: بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں ظالموں نے کس بے رحمی سے ان کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان: اللہ کی قسم تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا اور عیال نہ ہوتا جس کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو میں سوار ہو کر محمد کو قتل کرنے جاتا کیونکہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا اُن کے ہاں گرفتار ہے

صفوان: تمہارا قرض میں ادا کرتا ہوں۔ تمہارا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا۔ میں تیرے بال بچوں کا متکفل ہوں جب تک وہ زندہ ہیں۔

عمیر: بس میرے اور آپ کے درمیان۔

صفوان: بسرو چشم۔

عمیر کی مدینہ روانگی کے بعد صفوان نے لوگوں سے کہا: "تم شاد ہو جاؤ کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی جس سے تم جنگ بدر کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے۔

عمیر زہر میں بجھی ہوئی تیز تلوار لے کر مدینہ شریف پہنچا۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگ بدر میں مسلمانوں پر اللہ کی عنایات کا ذکر کر رہے تھے۔ عمیر نے اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے پر بٹھا دیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھ لیا اور کہا کہ خدا کا دشمن یہ کتا عمیر کسی شرارت کیلئے آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: اسے میرے پاس لاؤ۔ (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر: آپ کو صبح بخیر ہو۔

رسول اللہ ﷺ: عمیر تم نے جاہلیت کا تحیہ کیا۔ مگر اللہ عزوجل نے ہمیں تیرے

تحیہ سے بہتر عطا فرمایا ہے اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تحیہ ہے۔

عمیر: یا محمدؐ! اللہ کی قسم یہ تحیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ ﷺ: عمیر کیونکر آنا ہوا؟

عمیر: اپنے بیٹے کیلئے جو آپ کے پاس اسیران جنگ میں ہے۔

رسول اللہ ﷺ: پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لٹکائی ہے؟

عمیر: خدا تلواروں کا برا کرے۔ انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ: سچ بتاؤ کس لئے آئے ہو؟

عمیر: فقط اپنے بیٹے کیلئے

رسول اللہ ﷺ: نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور بار عیال نہ ہوتا تو میں محمدؐ کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سن کر صفوان نے بار قرض و عیال اپنے ذمے لیا اس غرض سے کہ تو مجھے قتل کردے۔ مگر اللہ تیرے اور اس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسولؐ ہیں۔ یا رسول اللہؐ ہم اس آسمانی وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی جھٹلا دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے جو بات بتلائی وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی ۔ اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ خدا کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔

حمد ہے۔ اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

فضالہ بن عمیر

فتح مکہ کے بعد ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمیر نے آپ کو تنہا دیکھ کر سوچا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے۔ اور اس ارادہ سے آپ کے قریب آنے لگا تو آپ نے بڑے اطمینان سے کہا۔ کیا فضالہ آ رہا ہے؟

اس نے جواب دیا "جی ہاں"۔

آپ نے فرمایا "ابھی تم اپنے دل میں کیا ارادہ کر رہے تھے"۔

فضالہ نے جواب دیا "کچھ نہیں مین تو عبادت کر رہا تھا"۔

آپ یہ سن کر ہنس پڑے اور کہا "اچھا تم اپنے لئے خدا سے معافی مانگو"۔ یہ فرما کر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیا۔

فضالہ کا بیان ہے کہ آپ کا ہاتھ میرے سینے پر رکھے جانے کے بعد مجھے اس قدر اطمینان قلب حاصل ہوا اور آپ کی ذات سے میرے دل میں اتنی محبت پیدا ہوئی کہ حضورؐ سے بڑھ کر مجھے کوئی محبوب نہ رہا۔

صحن کعبہ میں کفار کی ہرزہ سرائی

فتح مکہ کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک مسجد حرام میں رونق افروز رہے۔ نماز کا وقت آیا تو آپ کے حکم سے حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی ابوسفیان بن حرب اور عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سن کر عتاب بولا کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اس نے یہ آواز نہ

سنی ورنہ اسے رنج پہنچتا۔حارث بولا خدا کی قسم اگر یہ حق ہوتا تو میں اس کی پیروی کرتا۔حضرت ابوسفیان نے کہا میں تو کچھ نہیں کہتا۔اگر کہوں تو یہ کنکریاں ان کو میرے قول کی خبر دیں گی۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہوگئی ہیں تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔حارث اور عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے" ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں۔ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اس نے آپ کو بتادیں ہونگی۔

یوں وہ کلمہ شہادت پڑھ کر دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

(vi) بزرگان دین کی دعا کا اثر

قاضی الحاجات رب کائنات سے کچھ مانگنا۔اپنی حاجات پیش کرنا،دعا کرنا اس خالق و مالک کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے۔دعا مانگنا بھی گویا عبادت کرنا ہے۔دعا سے اللہ تعالی یعنی معبود حقیقی اور عابد یعنی بندے کے درمیان براہ راست ایک رابطہ پیدا ہو جاتا ہے۔اس سے اللہ جل مجدہٗ خوش ہوتا ہے۔کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میں ہی قاضی الحاجات ہوں اور میں ہی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ارشاد خداوندی ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن-۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے۔مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔

رسول کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

1- اللہ تعالی کے ہاں دعا سے زیادہ کوئی چیز وقعت نہیں رکھتی (ترندی۔ابن ماجہ)

2- حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا"

لَا یُرَدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَا "قضا کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی مگر دعا (ترندی)

3- رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کا ستون ہے اور آسمان وزمین کا نور ہے۔

اللہ کے مقبول بندوں اور صالحین کی دعا لازمی" قبول ہوتی ہے"۔ اور پھر انبیاء اور رسل کی دعائیں تو تیر بہدف ہیں۔ اس لئے دعا بھی لوگوں کے تائب ہونے میں اور راہ راست اختیار کرنے میں ایک اہم محرک ہے۔ چند حقیقی واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ کی والدہ کی شرک سے توبہ

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ میری ماں مشرکہ تھیں۔ میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے انہیں دعوت اسلام دی تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مجھے نازیبا الفاظ سنائے۔ میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کر کے والدہ کی ہدایت کیلئے دعا کی درخواست کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی" اے خدایا ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے"۔

میں اس دعا سے خوش ہو کر گھر آیا تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں میری ماں نے میرے قدموں کی آہٹ سن کر کہا" ابو ہریرہ یہیں ٹھہرو۔ میں نے پانی کی آواز سنی۔ انہوں نے غسل کر کے جلدی سے کپڑے پہن لئے اور دروازہ کھولتے ہی کلمہ شہادت پڑھا" اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئیں۔

ثقیف والوں کی توبہ

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شوال ۸ ھ میں محاصرہ طائف سے واپس آنے لگے تو صحابہ اکرام نے عرض کیا کہ آپ ثقیف والوں کیلئے بددعا فرمائیں مگر

آپ نے یوں دعا فرمائی " اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا " (اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے) چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور اہل ثقیف ۹ ھ میں ایمان لے آئے۔

ذوالنون مصری اور اہل کشتی

ایک دفعہ آپ اپنے مریدوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھے ہوئے دریائے نیل میں سفر کر رہے تھے کہ سامنے سے ایک کشتی آئی جس میں بیٹھے ہوئے لوگ لہو ولعب اور عیش و عشرت میں مصروف تھے۔ مریدوں نے التجا کرتے ہوئے ذوالنون سے کہا۔ یا شیخ ان لوگوں کیلئے بد دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو غرق کر دے اور مخلوق ان کی نحوست سے بچ جائے۔ اسی وقت حضرت ذوالنون کھڑے ہو گئے اور دعا مانگنے لگے۔" اے اللہ تو نے اس گروہ کو جس طرح دنیا میں خوش و خرم رکھا ہے اسی طرح آخرت میں بھی خوش رہنے کی توفیق عطا فرما۔ مریدین آپ کے الفاظ سن کر بہت متعجب ہوئے۔ جب کشتی قریب آئی اور سب لوگوں نے آپ کو دیکھا تو رونے لگے۔ ندامت کے ساتھ عذر و معذرت کی اور سامان لہو ولعب توڑ کر سچی توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے اپنے ارادت مندوں سے فرمایا" تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ اس گروہ کیلئے دونوں جہاں کا عیش ان کی توبہ تھی جس کے ذریعہ ان کی مراد پوری ہو گئی۔ اس طرح آپ کی دعا سے ایک عیش پرست گروہ تائب ہو کر راہِ راست پر آگیا۔

نگاہ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
کہ بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

دعائے ولی

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن دعا فرمائی کہ "اے اللہ اس مجلس میں جو سب سے زیادہ گنہگار ہے تو اس کو بخش دے۔ اس مجلس میں ایک کفن چور بھی بیٹھا تھا۔ وہ کفن چور جب رات ہوئی تو کفن چرانے کیلئے نکلا۔ وہ ایک قبر کھودرہا تھا کہ اس نے غیب سے ایک آواز سنی کہ آج ہی تو حاتم کی دعا سے تیری نجات ہوئی تھی اور آج ہی تو پھر گناہ کیلئے آ گیا ہے۔ یہ آواز سنی تو وہ بہت پشیمان ہوا اور سچے دل سے توبہ کر کے راہ راست اختیار کر لیا۔

رابعہ بصریؒ کی دعا سے چور کا ولی بننا

ایک چور رابعہؒ کے گھر میں داخل ہوا اور ایک لوٹے کے سوا کچھ نہ پایا۔ جب وہ نکل کر جانے لگا تو رابعہؒ نے پکار کر کہا کہ اگر تو چور ہے تو کچھ لئے بغیر نہ نکلتا۔ چور نے کہا کہ یہاں رکھا ہی کیا ہے؟ رابعہ نے کہا اے مسکین! اس لوٹے میں پانی سے وضو کر کے اس حجرے میں داخل ہو جا اور دو رکعت نماز پڑھ لے تو کچھ نہ کچھ لے کر ہی نکلے گا۔ چور نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ نماز کیلئے کھڑا ہوا تو رابعہؒ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہا اے میرے مولا میرے آقا! یہ شخص میرے دروازے پر آیا اور کچھ نہ پایا۔ میں نے اسے تیرے دروازے پر لا کھڑا کیا ہے۔ تو اپنے فضل و کرم سے اسے محروم نہ کر۔ جب چور دو رکعت نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اسے عبادت میں مزا آنے لگا۔ اس لئے وہ رات بھر نماز پڑھتا رہا صبح ہوئی تو رابعہؒ حجرے میں گئی تو سجدے میں پڑا اپنے نفس کو اس طرح کوس رہا تھا۔ "تب پروردگار مجھ پر عتاب کرتے ہوئے کہے گا کہ تو نافرمانی کرتے ہوئے مجھ سے نہیں شرماتا اور میرے سامنے نافرمان بن کر آتا ہے تو میں کیا جواب دوں گا"۔ رابعہؒ

نے یہ سنا تو پوچھا رات کیسی گزری؟ اس نے کہا خیر سے گزری۔ میں مولیٰ کے سامنے مجبور اور ذلیل بن کر کھڑا ہوا تو اس نے میرا عذر قبول کر لیا اور میری کوتاہیوں کو دور کر دیا۔ میرے گناہ بخش دیئے اور مجھے میرا مطلوب دے دیا۔

پھر اس کا جس طرف منہ اٹھا چلا گیا۔ رابعہؒ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا اے میرے آقا میرے مولا۔ یہ ایک گھڑی تیرے در پر کھڑا ہوا تو اسے قبول کر لیا اور میں نے جب سے تجھے پہچانا ہے تیرے حضور کھڑی ہوں کیا تو نے مجھے بھی قبول کر لیا ہے؟ غیب سے ندا آئی "اے رابعہ! تیری وجہ سے ہم نے اسے قبول کیا اور تیری ہی وجہ سے اسے مقرب بنایا۔ (عطارؒ)

(vii) ایفائے عہد

کسی سے وعدہ یا قول وقرار کو کر کے اسے پورا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بدعہدی کو اسلام نے سخت برائی قرار دیا ہے۔ ایفائے عہد اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ط(سورۃ رعد) بے شک اللہ اپنے وعدوں کے خلاف نہیں کرتا

اور پھر ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے وعدوں کو پورا کریں۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ط(المائدہ) اے ایمان والو اپنے وعدوں کو پورا کرو۔

یہ عہد مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا کسی کو معبود نہ بنایا جائے۔ ایک وہ عہد ہے جو اہل قرابت سے فطرت نے باندھ دیا ہے۔ ایک وہ عہد ہے جو عام انسانوں (دوست ودشمن) کے درمیان ہوتا ہے۔ ان سب عہدوں کو پورا کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ جو لوگ وعدہ وفائی کو چنداں

اہمیت نہیں دیتے اور اسے پورا کرنا ضروری نہیں سمجھتے آج وعدہ وفائی کرتے ہیں تو کل مکر جاتے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ منافقت کی علامت ہے۔

ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے !

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَتَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ
اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو وعدہ پورا نہیں کرتا۔

عہد کی پابندی جس طرح افراد پر فرض ہے اسی طرح جماعتوں اور قوموں پر بھی فرض ہے۔ آج دنیا کی سیاست میں اگر اجتماعی طور پر عہد کی پابندی ہونے لگ جائے تو پوری دنیا فتنہ وفساد سے بچ جائے اور کرہ ارض امن کا گہوارہ بن جائے۔

اہل اسلام نے دور نبوی اور بعد کے ادوار میں اس امر کی سختی سے پابندی کی جس کا اثر دوسری اقوام پر پڑا اور اس سلوک سے متاثر ہو کر دین اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ چند مثالیں درج ذیل کی جاتی ہیں۔

قیصر روم کے سامنے ابوسفیان کی گواہی

1- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ روم کو اسلام کی دعوت دینے کیلئے ایک قاصد کے ہاتھ نامہ مبارک ارسال کیا۔ جب نامہ مبارک قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے حکم دیا کہ مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی ہے تو اسے یہاں دربار میں لاؤ۔ اتفاق سے ان دنوں ابوسفیان تجارت کے سلسلے میں وہاں گئے ہوئے تھے۔ سرکاری اہل کار ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کو قیصر روم کے دربار میں لے گیا۔ قیصر روم نے آپ ؐ کے بارے میں ابوسفیان سے سوال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ کیا اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بدعہدی کی ہے ابوسفیان اس زمانے میں آپ کا جانی دشمن تھا اور ابھی

مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس سچائی کا اسے بھی اعتراف کرنا پڑا اور قیصر کو بتایا کہ آپ نے کبھی عہد شکنی نہیں کی۔ یہ ہے ایفائے عہد جس کی گواہی دینے پر دشمن بھی مجبور ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ کا ایفائے عہد

2۔ حضرت عبداللہ بن ابی حماءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی۔ اس کی قیمت میں سے کچھ میرے ذمہ باقی تھا۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا کہ باقی رقم لے کر میں اسی جگہ واپس آتا ہوں۔ چنانچہ میں چلا گیا اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین راتوں کے بعد یاد آیا تو میں بقیہ قیمت لے کر حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضورؐ اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" نوجوان بے شک تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تین راتوں سے یہیں تیرا انتظار کر رہا ہوں "۔ (ابوداوٗد)

ایک قبطی غلام کا قبول اسلام

3۔ ابورافع ایک قبطی غلام تھے جو کہ مکہ میں رہا کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ قریش نے مجھے سفیر بنا کر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں نے دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہوگئی۔ میں نے عرض کیا" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واللہ میں کبھی لوٹ کران کے پاس نہ جاؤں گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں صداقت اسلام قائم رہی تو واپس لوٹ آنا"۔ ابورافع کا قول ہے کہ میں چلا گیا۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر

ایمان لایا۔(ابوداؤد)

اب خلافت راشدہ کے دور کے دو واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ہرمزان

ایران کے صوبہ نہاوند کا گورنر ہرمزان مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا۔وہ مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑ چکا تھا۔اس نے مسلمانوں سے کئی معاہدے بھی کئے مگر ہمیشہ ان معاہدوں کی خلاف ورزی کرتا رہا۔آخر ایک لڑائی میں ہرمزان مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوگیا اور اسے امیر المومنین حضرات عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔تو ان میں اس طرح گفتگو ہوئی۔

حضرت عمر: تم ہی نہاوند کے گورنر ہرمزان ہو جو مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے ہو۔

ہرمزان: ہاں! میں وہی ہوں۔

حضرت عمر: تم وہی ہو جس نے مسلمانوں سے کئی معاہدے کئے اور پھر ان کو توڑ دیا؟

ہرمزان: ہاں! میں یہ سب کچھ کرتا رہا ہوں۔

حضرت عمر: تم جانتے ہو ان جرموں کی سزا موت ہے؟

ہرمزان: میں خوب جانتا ہوں۔

حضرت عمر: بہت خوب! کیا تم یہ سزا بھگتنے کیلئے تیار ہو؟

ہرمزان: میں یہ سزا بھگتنے کیلئے بالکل تیار ہوں مگر مرنے سے پہلے میری ایک درخواست ہے۔امید ہے کہ وہ قبول کر لی جائے گی۔

حضرت عمر: تمہاری جو خواہش ہوگی اسے پورا کیا جائے گا۔

ہرمزان: مجھے سخت پیاس لگی ہوئی ہے۔ کیا پینے کیلئے مجھے پانی کا ایک پیالہ مل سکتا ہے۔

حضرت عمر: ضرور ملے گا۔

ہرمزان: (حضرت عمر نے جلاد کو پانی لا کر دینے کیلئے حکم دیا۔ اس نے پانی لا کر ہرمزان کے ہاتھ میں دے دیا۔ ہرمزان نے پانی کے پیالے کو ہاتھ میں لے کر اسے تکنا شروع کر دیا۔)

حضرت عمر: ہرمزان پانی پیو۔

ہرمزان: امیر المومنین میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں پانی پی رہا ہوں اور میری گردن اڑا دی جائے۔

حضرت عمر: ہرگز نہیں جب تک تم یہ سارا پانی نہیں پی لیتے کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

ہرمزان: (کسی قدر وقفے کے بعد) امیر المومنین! آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جب تک میں یہ پانی نہ پی لوں میرا بال بھی بیکا نہیں کیا جائے گا۔ (یہ کہتے ہوئے مزان نے پانی کا پیالہ زمین پر پھینک دیا اور سارا پانی زمین میں جذب ہو گیا۔)

امیر المومنین! اب نہ میں یہ پانی پی سکتا ہوں اور نہ آپ مجھے قتل کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر: (مسکراتے ہوئے) ہرمزان! تم نے یہ عجیب چال چلی ہے۔ واقعی تم بڑے چالاک ہو لیکن عمر نے جو وعدہ تمہارے ساتھ کیا ہے اسے پورا کیا جائے گا۔ جاؤ تم آزاد ہو۔

ہرمزان اب آزاد تھا۔ وہ لوٹ گیا اور کچھ مدت کے بعد اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ پھر مدینہ منورہ میں آیا اور دربار خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی امیر المومنین میں اپنی خوشی سے اسلام قبول کرتا ہوں۔ اور آج سے ایک نئی زندگی شروع کر رہا ہوں امیر المومنین! میں اسی وقت مسلمان ہو جاتا مگر میں نے سوچا کہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ میں نے موت سے ڈر کر اسلام قبول کیا ہے"۔ حضرت عمر نے اسے گلے لگا لیا۔

انوکھی چال اور ایفائے عہد

جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار طارق بن زیاد نے سپین (ہسپانیہ) پر حملہ کیا تو اس وقت ہسپانیہ کے صوبہ کا گورنر تھیوڈیومیر تھا۔ تھیوڈیومیر نے طارق سے شکست کھائی تو راڈرک کو لکھا "ہماری زمین پر ایک قوم اتر آئی ہے۔ معلوم نہیں یہ زمین سے نکل آئی ہے یا آسمان سے اتری ہے۔

تھیوڈیومیر نے بھاگ کر اوری ہیولا میں پناہ لی۔ جب مسلمانوں نے اس شہر کا محاصرہ کیا تو اس نے ڈٹ کر اسلامی فوج کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ اس کی فوج کے تمام جوان جنگ میں ہلاک ہو گئے۔ وہ بڑا چالاک آدمی تھا۔ اس نے یہ چال چلی کہ شہر کی عورتوں کو فوجی لباس پہنا کر اور ان کے بالوں کو داڑھیوں کی شکل میں تبدیل کر کے فصیل کی دیوار پر کھڑا کر دیا۔ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کے پاس ابھی فوج موجود ہے جو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ ادھر مسلمان بھی لڑنے پر تیار تھے۔

رات کے وقت تھیوڈیومیر سفید جھنڈا لہراتا ہوا سپہ سالار کے خیمے میں آیا اور کہا کہ وہ حاکم شہر کی طرف سے صلح کا پیغام لے کر آیا ہے کہ اگر شہر کی ساری آبادی کو ان کے سامان کے ساتھ شہر سے باہر جانے کی اجازت دے دی جائے تو وہ شہر صبح کو مسلمانوں

کے حوالے کردیں گے۔

مسلمان سپہ سالار مغیث نے اس تجویز کو منظور کرلیا اور معاہدے پر اپنی مہر لگا دی اور اس سے کہا کہ حاکم شہر کی مہر لگوا کر لاؤ۔ اس نے اسی وقت اپنی جیب سے مہر نکالی اور معاہدے پر لگادی اور کہا کہ میں خود ہی شہر کا حاکم ہوں۔

صبح جب شہر کے دروازے کھلے تو شہر میں ایک بھی فوجی جوان نہیں تھا۔ جب تھیوڈورمیر سے پوچھا گیا کہ وہ فوجی کہاں ہیں تو اس نے سارا واقعہ بیان کردیا کہ فوجی تو سب ختم ہو چکے ہیں۔ وہ محض آپ کو دھوکہ دینے کیلئے عورتوں کو فوجی بنادیا گیا تھا۔ یہ وہی عورتیں ہیں جو اپنا سامان لئے جارہی ہیں۔ مسلمان سالار مغیث تھیوڈور کی اس چالاکی پر حیران رہ گیا۔ مسلمانوں کو اس بات کا بڑا افسوس ہوا مگر اب وہ ان کو معافی دے چکے تھے اور معاہدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ علاقہ اسی کو دے دیا گیا۔ طارق بن زیاد نے اس سمجھوتے کی تصدیق کردی۔ یہ علاقہ بعد میں اسی کے نام سے ''ترمیر'' کے نام پر مشہور ہوا۔

باب پنجم

سچی توبہ کے فضائل وانعامات

(i) امید نجات ونوید مغفرت

بنی نوع انسان پر خالقِ کون ومکان کے بے شمار احسانات اور انعامات ہیں اس کو افضل اور اشرف المخلوقات بنایا۔ عقل وشعور سے نوازا ان میں انبیاء اور رسل بھیجے۔ بایں ہمہ انسان میں حیوانی صفات بھی موجود ہیں۔ اسی لئے اسے حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔ اور یہ ملکوتی صفات کا بھی حامل ہے۔ اگر انسان اپنی حیوانی شہوات اور سفلی جذبات پر قابو پالے اور اپنی ملکوتی صفات کو بروئے کار لاکر اپنی حیات مستعار کو جلا بخشنے میں کامیاب ہو جائے تو یہ فرشتوں سے بہتر بن سکتا ہے۔ اور یہ اہلیت اور روحانی کمال رب کریم نے اس میں پہلے ہی ودیعت کر رکھا ہے۔ اسی لئے انسان کو مسجود ملائک بنایا تھا۔ البتہ اس عنصر کو بروئے کار لانے کیلئے جدوجہد اور مشقت کی ضرورت ہے۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

جب انسان دنیا کی رنگینیوں میں گم ہو کر اپنی اصلیت اور اپنے مقام "خلیفہ اللہ فی الارض" ہونے کو فراموش کر دیتا ہے تو اپنے اعلیٰ وارفع منصب سے گر جاتا ہے۔ اور حدود تناسب سے بڑھی ہوئی حیوانی صفات کے نتیجے میں اس سے ایسے افعال واعمال سرزد ہو جاتے ہیں جن سے اخلاقی قدریں بھی پامال ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے بھی تجاوز ہو جاتا ہے اور وہ رب ذوالجلال کی گرفت میں آ

جاتا ہے۔

لیکن اللہ جل مجدہ کی ذات والاصفات جوغفور الرحیم اور ارحم الراحمین ہے اور وہ اپنے بندوں سے بہت پیار رکھتا ہے یعنی رحیم ودود ہے اس کی چاہت ہوتی ہے کہ اگر چہ میرا بندہ دانستہ طور پر یا نادانی میں میری حدوں کو پھلانگ کر گناہوں کے ارتکاب سے اپنا دامن آلودہ کر چکا ہے لیکن اب بھی اگر وہ اپنے گناہوں پر پشیمان ہو کر ندامت محسوس کرے اور گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے میری طرف رجوع کر لے اور مغفرت طلب کرے تو میں نہ صرف اس کا نامہ اعمال گناہوں سے پاک کر دونگا بلکہ اس کا دامن نیکیوں کے گلہائے رنگا رنگ سے بھر دونگا اور اس پر اپنے انعامات کی بارش کر دونگا اس کی سچی کتاب قرآن کریم اس ضمن میں یوں پیغام حق دے رہی ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ط	(اے نبی) آپ فرمادیں اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔
(الزمر۔۵۳)	

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی کی مغفرت کی بے پایاں وسعت کا بیان ہے اسراف کے معنی ہیں گناہوں کی کثرت اور افراط "اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ایمان لانے سے قبل یا توبہ واستغفار کا احساس پیدا ہونے سے پہلے جس قدر بھی گناہ کئے ہوں انسان یہ نہ سمجھے کہ میں تو بہت زیادہ گنہگار ہوں مجھے اللہ کیونکر معاف کرے گا؟ بلکہ اگر وہ سچے دل سے ایمان لے آئیگا یا سچی توبہ کر لے گا تو اللہ تعالی سب گناہ معاف کر دے گا۔

دوزخ ہے گر وسیع تو رحمت وسیع تر

لَا تَقْنَطُوا جواب ہے هَلْ مِنْ مَّزِيد کا

اس آیت کی شان نزول کی روایت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہے۔ کچھ کافر د مشرک جنہوں نے کثرت سے قتل اور زنا کاری کا ارتکاب کیا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت صحیح ہے۔ لیکن ہم لوگ بہت زیادہ خطا کار ہیں۔ اگر ہم ایمان لے آئیں تو کیا وہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے؟ جس پر بہت بڑی خوشخبری ملتی ہے کہ اگر انسان نے کبیرہ صغیرہ کتنے ہی گناہ کیوں نہ کئے ہوں اگر وہ سچے دل سے توبہ کر لے تو رب کریم اس کی مغفرت فرما دے گا بشرطیکہ وہ شرک نہ کرے یا شرک سے بھی تائب ہو۔ شرک سے توبہ کرنے کی شرط بالا جماع ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ یہی وضاحت ملتی ہے۔ مختصر یہ کہ آیت محولہ بالا سے یہ معنی مترشح ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس اور ناامید ہو کر ایمان کو محض اس بنا پر نہ چھوڑ دو کہ تم نے اس سے قبل اپنے نفسوں پر زیادتیاں کی ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ بشرطیکہ تم شرک سے توبہ کر لو اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لے آؤ کیونکہ اسلام سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ختم کر دیتا ہے۔ (مسلم)

اس آیت کا شان نزول اگرچہ خاص ہے کیونکہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے حالت شرک میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور اس پر یہ مفہوم دلالت کرتا ہے۔ کہ بندہ جب ایمان لے آئے (چونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادی کی اضافت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا

یٰعبادی (اے میرے بندو) تو اس میں محاورۂ قرآن کے مطابق یہ دلیل موجود ہے کہ عباد سے مراد مومن بندے ہیں۔(تب ہی اللہ تعالیٰ نے نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔)اور اگر وہ اسلام لانے کے بعد گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو تو پھر بھی یہ امید ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس کی مغفرت فرما دے گا۔اور اس کی علت یہ ارشاد بیان کر رہا ہے۔اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (بے شک وہ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) کیونکہ اَلْغَفُوْر مبالغہ کا صیغہ ہے۔اور مغفرت کے بعد رحم کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور پھر مطلق رحمت سے مایوس اور ناامید ہونے سے منع فرمایا گیا ہے چہ جائیکہ کوئی مغفرت سے مایوس ہو۔تو مندرجہ بالا تمام قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں کہ بندۂ مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کی مغفرت عام ہے چاہے اس سے گناہ کبیرہ سرزد ہوں یا صغیرہ۔وہ توبہ کرے نہ کرے ہر دو حالت میں اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔اس پر متعدد احادیث اور واقعات سے دلائل موجود ہیں۔

سو آدمیوں کا قاتل اور رحمت حق تعالیٰ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی نے ننانوے (۹۹) آدمیوں کو قتل کیا تھا۔پھر وہ ایک راہب (تارک الدنیا شخصیت) کے پاس آیا اور (توبہ کے بارے میں)اس سے دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ ”تیرے لئے اب کوئی توبہ نہیں“۔تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا اور پھر لوگوں سے پوچھتا رہا تو پھر اسے ایک آدمی نے بتایا کہ فلاں گاؤں میں جاؤ(وہاں اللہ تعالیٰ کا ایک ولی ہے۔جا کر اس سے توبہ کا کوئی طریقہ دریافت کرو) چنانچہ وہ اس شخص کی راہنمائی پر اس آبادی کی طرف چل پڑا لیکن ابھی

وہاں نہیں پہنچا تھا۔ کہ راستے میں ہی اسے موت نے آلیا۔ اس نے بڑی تکلیف اور مشقت کے ساتھ (دم نکلتے نکلتے) اپنا سینہ اس آبادی کی طرف اٹھا دیا اور فوت ہو گیا۔ اس کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک طرف (گاؤں والی) زمین کو حکم دیا کہ تو قریب ہو جا (سکڑ جا) اور دوسری (جہاں سے وہ چل کر آیا تھا) طرف والی زمین کو حکم فرمایا کہ تو دور ہو جا (پھیل جا) اور فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان مسافت ناپ لو۔ چنانچہ ملائکہ نے گاؤں کی طرف والی زمین کو ایک بالشت قریب پایا تو اسی کے سبب اسے بخش دیا گیا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ)

اس حدیث کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کے مطابق روایت اس طرح ہے کہ اس قاتل کی راہنمائی راہب کی طرف کی گئی۔ وہ اس کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں نے ننانوے افراد کو قتل کیا ہے۔ کیا میرے لئے توبہ کا کوئی ذریعہ ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ چنانچہ اس نے اسے بھی قتل کر کے پورے سو کر دیئے۔ پھر اس نے دریافت کیا کہ اہل زمین میں سے بڑا عالم کون ہے؟ چنانچہ اس کی راہنمائی ایک عالم کے بارے میں کی گئی تو اس نے ان کے پاس جا کر پوچھا کہ میں نے سو افراد کو قتل کیا ہے۔ کیا اب توبہ کا کوئی ذریعہ ہے؟ تو عالم نے جواب دیا کیوں نہیں۔ آپ کے اور توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے۔ تم فلاں بستی کی طرف چلے جاؤ کیونکہ وہاں کے لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ مل کر عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی زمین کی طرف لوٹ کر نہ آنا کیونکہ یہ برائی والی زمین ہے۔ (مسلم)

سیاہ نامۂ اعمال ہو چکا پھر بھی
امیدِ رحمتِ پروردگار باقی ہے

چنانچہ وہ اس بستی کی طرف چل پڑا۔ابھی نصف راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے موت آگئی اب رحمت کے فرشتوں اور عذاب کے فرشتوں کے درمیان اختلاف ہوگیا۔پس ایک فرشتہ ظاہری صورت میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے اسے حکم ثالث) چن لیا تو اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں جانب کی زمین ناپ لو کہ کونسی جانب کی زمین قریب ہے۔جس جانب کی زمین قریب ہو(یعنی مسافت کم ہو) یہ اسی جانب کیلیئے ہوگا۔چنانچہ انہوں نے زمین کو ناپا تو انہوں نے اس جانب کی زمین کو کم اور قریب پایا جس جانب وہ جارہا تھا تو اس طرح رحمت کے فرشتوں نے اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔(مسلم)

میرا مولا رب جلّ وعلیٰ جو غفور الرحیم ہے۔اس کی مغفرت کا دائرہ بہت وسیع اور رحمت بے پایاں ہے۔وہ تو پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ میرے بندو تم اگرچہ دریائے عصیاں میں ڈوب کر سرتاپا گناہوں سے آلودہ ہو چکے ہو لیکن اپنے اعمال بد پر ندامت محسوس کرتے ہوئے میری طرف لوٹ کر تو دیکھو میں اپنی رحمت کے چھینٹوں سے تمہارے دامن کی سیاہی دھو کر تمہیں پاک وصاف کردونگا۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہِ ما درگہِ نو میدی نیست
صد بار گر توبہ شکستی باز آ

ترجمہ: (اللہ کی رحمت پکار پکار کر کہہ رہی ہے) باز آجا باز آجا۔تو جو کچھ بھی ہے جیسا بھی ہے گناہوں سے باز آجا۔خواہ تو کافر ہے۔آتش پرست ہے یا بت پرست ہے جو کوئی بھی ہے ہماری طرف لوٹ آ۔

یہ ہماری درگاہ ایسی درگاہ ہے جہاں ناامیدی کی کوئی گنجائش نہیں خواہ توبہ کر کے تو

سو بار بھی توڑ چکا ہے پھر بھی لوٹ آئے تو ہماری رحمت کو پھر بھی مائل بہ کرم پائے گا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہر و منزل ہی نہیں

بار بار گناہ اور بار بار بخشش

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بندہ جب کوئی گناہ کر لیتا ہے پھر کہتا ہے کہ مولا! میں نے گناہ کر لیا ہے مجھے معافی دے دے۔ رب فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور اس کو پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر جتنا رب چاہے بندہ رکا رہتا ہے۔ پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے۔ تو کہتا ہے یا رب میں نے گناہ کر لیا تو بخش دے۔ رب فرماتا ہے۔ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور اس پر پکڑ بھی کرتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا۔ پھر بندہ رکا رہتا ہے جتنا رب چاہے۔ پھر کوئی گناہ کر بیٹھتا ہے تو عرض کرتا ہے یا رب! میں نے گناہ کر لیا تو مجھے معاف فرما دے۔ تو رب فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے۔ جو بخشتا ہے اور پکڑ بھی لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندے کو بخش دیا جو چاہے کرے۔

(بخاری و مسلم)

کام میرا خطا خطا — شان تیری عطا عطا
میرے خدا کرم کرم — میرے کریم اماں اماں

(ii) گناہوں کی معافی وفلاح دارین

انسان پر رب کریم کے احسانات اور انعامات تو ان گنت اور لاتعداد ہیں لیکن توبہ ایک ایسا عمل ہے جس کی رغبت اللہ تعالیٰ نے خود دلائی ہے اور خود ہی آیات قرآنی کے ذریعہ انسان راہنمائی بھی فرمائی ہے۔انسان خطا کا پتلا ہے اور سہو ونسیان اس کی فطرت میں شامل ہے۔اس لئے اس کمزوری کے پیش نظر اس کی لغزشوں اور خطاؤں کی پردہ پوشی کرنے کیلئے ایک نسخہ بے خطا عطا فرمایا کہ اگر کبھی گناہ کا ارتکاب ہو جائے تو فوری طور پر توبہ کر لے۔اس کے اس عمل سے نہ صرف وہ گناہ معاف ہو جائے گا بلکہ اور بے شمار دنیوی اور اخروی بھلائیوں اور برکتوں سے سرفراز بھی کیا جائیگا۔ارشاد رب کریم ہے۔

وَتُوْبُوْآ اِلَى اللّٰهِ جَمِيعاً اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ط

اے ایمان والو تم سب کے سب اللہ کے حضور توبہ کرو تاکہ نجات پا جاؤ۔(النور-۳۱)

اور مزید ارشاد ہے۔

جو شخص تم میں سے جہالت کی وجہ سے برا کام کر بیٹھے پھر وہ اس کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ بڑی مغفرت کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔(انعام-۵۴)

اور یہ کہ تم لوگ اپنے رب سے گناہوں کی معافی چاہو پھر اس کی طرف توبہ (رجوع) کرو وہ تم کو وقت مقررہ تک اچھا سامان (زندگی) دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر و ثواب دے گا۔(ھود-۳)

کس قدر برکات ہیں مغفرت طلب کرنے میں اور اللہ رب العزت کی طرف رجوع کرنے میں۔دنیا کے سامان کو قرآن نے متاع الغرور دھوکے کا سامان کہا

ہے۔اس آیت کریمہ میں مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے والوں کو جو سامان زندگی عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اسے " مَتَاعاً حَسَناً " فرمایا ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ جو آخرت سے غافل ہو کر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا اس کے لئے یہ متاعِ غرور ہے کیونکہ اس کے بعد اسے برے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس سے فائدہ اٹھائے گا اس کے لئے یہ چندروزہ سامان زندگی متاع حَسَن ہے۔اور اس پر مزید انعام یہ کہ ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر وثواب سے مستفید کرے گا۔

اور قرآن کریم میں سورۃ الشوریٰ میں ارشاد ہے۔

وہی (اللہ ہی) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو (سب) جانتا ہے۔ (شوریٰ-۲۵)

توبہ کی قبولیت کا اختیار بھی خالق کائنات کے پاس ہے۔اعمال بد پر عذاب بھی وہی دیتا ہے۔اور بداعمالیوں اور گناہوں سے درگزر اور بخشش کا اختیار بھی اس رحمان ورحیم کے پاس ہے جو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

نقل ہے کہ لوگوں نے حضرت مائی رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا سے دریافت کیا کہ اگر گنہگار توبہ کرے تو قبول ہوتی ہے کہ نہیں۔آپ نے فرمایا "توبہ وہی کرتا ہے جسے وہ (اللہ) توفیق دے کہ توبہ کرے اور جب توفیق دے دیتا ہے تو قبول کیوں نہ کرے گا"۔

(iii) توبہ سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس کے ذمہ کوئی گناہ نہ ہو۔ (الحدیث)

گناہوں کی بخشش

البتہ جن لوگوں نے جہالت کی بنا پر برا عمل کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کرلی تو بیشک تمہارا رب اس کے بعد بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (النحل-۱۱۹)

یہ اللہ تعالیٰ کی بشارت ہے ان لوگوں کیلئے جن کی زندگی طرح طرح کے گناہوں سے آلودہ رہی اور اب وہ اپنی اصلاح پر آمادہ ہوں۔ یہی تھا عام معافی کا وہ اعلان جس نے اس بگڑے ہوئے معاشرے کے لاکھوں افراد کو سہارا دے کر مزید بگڑنے اور مستقبل میں ظلمتوں کے گڑھوں میں گرنے سے بچالیا۔ اس نے ان کو امید کی روشنی دکھائی اور اصلاح احوال پر آمادہ کیا ورنہ اگر ان سے یہ کہا جاتا کہ جو گناہ تم کر چکے ہو اس کی سزا سے تم کسی طرح نہیں بچ سکتے تو اس سے وہ مایوس ہو کر ہمیشہ کیلئے بدی کے بھنور میں پھنس جاتے اور کبھی ان کی اصلاح نہ ہو سکتی۔ مجرم انسان کو صرف معافی کی امید ہی جرم کے چکر سے نکال سکتی ہے۔ مایوس ہو کر وہ ابلیس بن جاتا ہے۔

توبہ کی اس نعمت نے عرب کے بگڑے ہوئے لوگوں کو کس طرح راہ راست پر گامزن کر دیا اس کا اندازہ ان بہت سے واقعات سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیش آئے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ تحریر کیا جاتا ہے جسے ابن جریر اور طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے۔

زانیہ اور قاتلہ عورت کا واقعہ

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں مسجد نبوی سے عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹا تو دیکھا کہ ایک عورت میرے دروازے پر کھڑی ہے میں اس کو سلام کر کے اپنے حجرے میں چلا گیا اور دروازہ بند کر کے نوافل پڑھنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد اس نے

دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور پوچھا کیا چاہتی ہے؟ وہ کہنے لگی میں آپ سے ایک سوال کرنے آئی ہوں۔ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوا۔ ناجائز حمل ہوا۔ بچہ پیدا ہوا تو میں نے اسے بھی مار ڈالا۔ اب میں یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ میرا گناہ معاف ہونے کی بھی کوئی صورت ہے؟ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ وہ بڑی حسرت کے ساتھ آہیں بھرتی ہوئی واپس چلی گئی اور کہنے لگی "افسوس یہ حسن آگ میں جلنے کیلئے پیدا ہوا تھا"۔

صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ کر جب میں فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کا قصہ سنایا۔ آپ نے فرمایا "ابو ہریرہ تم نے بڑا غلط جواب دیا۔ کیا تم نے قرآن پاک میں یہ آیت نہیں پڑھی۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ.....اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا........غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ط (سورہ فرقان ۶۸۔۷۰)

ترجمہ: وہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے۔ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جو کوئی بھی یہ کام کرے گا وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔ قیامت کے روز اس کو عذاب دیا جائے گا۔ اور اسی میں وہ ذلت کے ساتھ پڑا رہے گا۔ مگر وہ جو کہ (ان گناہوں کے بعد) توبہ کر لے اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگ جائے۔ ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں میں بدل دے گا اور بڑا غفور والرحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جواب سن کر میں نکلا اور اس عورت کو تلاش کرنا شروع کیا۔ وہ رات کو عشاء ہی کے وقت ملی۔ میں نے اسے بشارت دی اور بتایا کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے سوال کا یہ جواب دیا ہے۔ وہ سنتے ہی سجدے میں گر گئی اور کہنے لگی شکر ہے اس خدائے پاک کا جس نے میرے لئے معافی کا دروازہ

کھولا۔ پھر اس نے گناہ سے توبہ کی اور اپنی لونڈی کو بیٹے سمیت آزاد کر دیا۔

ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسہ ہے تو ہے تیرے کرم کا

گناہ کبیرہ نہ کرے تو صغیرہ معاف

قرآن حکیم میں اللہ جد مجدہٗ کا ارشاد ہے۔

"اگر تم بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری خفیف برائیوں کو تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تمہیں عشرت کی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے"۔ (سورۃ النساء۔۳۱)

اللہ رب العزت کا اپنے بندوں پر کتنا بڑا اکرم ہے جو یہ فرما رہا ہے کہ اگر تم کبائر سے بچتے رہے تو چھوٹی برائیوں سے درگزر کرتے ہوئے انہیں معاف کر دیا جائے گا۔

(iv) نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں

الحدیث: احمد نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ صلی علیہ وسلم مجھے وصیت فرمایئے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً اس کے بعد نیکی کر وہ اس برائی کو مٹا دے گی۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (هود-۱۱۴)

(ترجمہ) بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک اجنبی

عورت کا بوسہ لیا۔ پھر شرمندہ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ بیان کیا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمادی (جس میں ہے کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔) اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! یہ مژدہ فقط میرے لئے ہے یا تمام امت کیلئے؟ فرمایا میری تمام امت کیلئے ہے۔ (بخاری شریف)

مسلم کی روایت میں بھی اسی طرح ہے اور اس میں یہ (اضافہ) بھی ہے کہ اسے حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تو اپنے نفس پر پردہ ڈالتا تو اللہ تعالیٰ بھی پردہ ڈالتا۔

گناہوں کا کفارہ

حاکم اور بیہقی نے معاذ ابن جبل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اور جمعہ تک جمعہ اور رمضان تک رمضان کفارہ ہے ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہوئے جبکہ وہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کرے۔ (مسلم)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ وضو کرتے ہوئے ہر عضو کے دھونے سے اس عضو کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ لیکن ان سب سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کبیرہ گناہ تو سچی توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت

الحدیث: حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیک کام کرو تا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه نیکیوں میں سے ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ نیکیوں میں سے افضل ترین نیکی ہے۔ (مسند احمد)

(v) توبہ دلوں کی سیاہی کا علاج

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے اگر توبہ واستغفار کر لے تو اس کا دل صیقل ہو جاتا ہے۔ اور اگر گناہ زیادہ کرے تو سیاہی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ حتی کہ اس کے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ ''ان کے اعمال نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے''۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

(vi) توبہ سے اللہ کی رضا اور خوشنودی

خالق کائنات رب ذوالجلال کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ-۲۲۲)

ترجمہ: اللہ توبہ کرنے والوں اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جو غفور الرحیم ہے وہ اپنے بندے کی توبہ سے راضی ہوتا ہے اور بندے کو خالق کائنات کی خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور رب ذوالجلال کی رضا کا حصول سب سے بڑی نعمت ہے۔ جسے اس کی رضا حاصل ہو گئی وہ دونو جہانوں میں عظیم کامیابی سے ہم کنار ہو گیا۔ سورۃ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ-۷۲)

اور رضائے خداوندی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور یہ عظیم کامیابی ہے۔

سالکان راہِ طریقت اور عاشقان الٰہی کیلئے تسلیم ورضا کا خوگر ہونا انتہائی ضروری ہے۔

کامیابی ہو یا ناکامی، دکھ ہو یا سکھ، فائدہ ہو یا نقصان وہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہتے ہیں کیونکہ تقاضائے محبت و تسلیم و رضا یہی ہے اور یہ مقام درحقیقت جان جاں آفریں کے سپرد کرنا ہے اور پھر ان پر قادر مطلق کے انعامات کی بارش بھی بے محابا ہوتی ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جان دیگر است

رضائے الٰہی کے بارے میں صحیحین میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے اہل جنت وہ عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار ہم حاضر ہیں اور تیری سعادت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم (میری ان جنتوں اور نعمتوں میں) خوش ہو۔ وہ عرض کریں گے ایسی کونسی وجہ ہے کہ ہم خوش نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہیں ان سے بھی بہتر نعمت عطا کروں گا۔ وہ عرض کریں گے پروردگار ان سے بہتر کونسی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا کو اتارتا ہوں۔ پھر میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (صحیح بخاری)

سورۃ بقرہ کی مذکورہ آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ وہ توبہ کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اس رب کریم و رحیم کی خواہش ہوتی ہے کہ میرے بندے سے اگر سہواً یا عمداً کسی گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے تو وہ میری طرف رجوع کر لے۔ میری طرف لوٹ آئے اور توبہ کر لے تو میں اس پر راضی ہو جاؤں گا۔ اس طرح اسے میری رضا بھی حاصل ہو گی میں اس کی توبہ قبول کر لوں گا اور اسے معاف بھی کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ کی خوشی

گنہگار کے اللہ کی طرف لوٹنے اپنے خالق و مالک سے رجوع کرنے اور معافی مانگنے سے رب ذوالجلال بہت خوش ہوتا ہے۔

الحدیث: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جس کی سواری بیابان زمین میں ہو اور وہ سواری بھاگ جائے۔ اس کے کھانے اور پینے (کا سامان) بھی اس پر ہو۔ پھر وہ اس سے مایوس ہو کر کسی درخت کے نیچے اور اپنی سواری سے ناامید ہو کر درخت کے سایہ میں لیٹ جائے۔ اور اسی (پریشانیکی) کیفیت میں اس کی سواری اس کے پاس آ کھڑی ہو اور وہ اس کی مہار پکڑے اور انتہائی خوشی کے عالم میں یوں کہہ دے اے ”اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب“۔ خوشی کی شدت سے (بندہ) خطا کر گیا۔ (مسلم)

اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت ہم پر خود ہم سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ جتنی خوشی ہمیں اپنی جان بچانے سے ہو سکتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ تعالیٰ کو بندے کا ایمان بچنے سے ہوتی ہے یعنی جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان بچ جاتا ہے اور اخروی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کی مثال میں جب بندہ اپنی گم شدہ سواری پا کر اس قدر مسرور ہوتا ہے کہ وہ خوشی سے دیوانہ ہو کر اپنے حواس پر بھی قابو نہیں رکھتا اور اسے کچھ ہوش نہیں رہتا کہ اس کے منہ سے کیسے الفاظ نکل رہے ہیں یعنی بجائے یہ کہنے کے کہ اے اللہ تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں وہ اس کے الٹ کہہ جاتا ہے۔ اس سے محض بندے کی انتہائی خوشی کی کیفیت بیان کرنا

ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جس قدر خوشی کی انتہا اس بندے کو اپنی سواری کے لوٹ آنے سے ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی رب کریم کو اپنے گنہگار بندے کے لوٹ آنے سے ہوتی ہے۔

رب ذوالجلال اپنے بندوں پر انتہائی رحیم و کریم اور انتہائی محبت رکھنے والا ہے۔ سورۃ ھود میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ (سورۃ ھود۔۹۰)

اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر رجوع کرو اس کی طرف۔ بے شک میرا رب بہت مہربان اور انتہائی پیار کرنے والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں وَدُود، وِدٌّ سے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی وہ (اللہ) مومنین سے انتہائی پیار کرنے والا ہے۔ اس سے بندے کی توبہ کی قبولیت اور مغفرت کے حق میں انتہائی ٹھوس دلیل موجود ہے۔ ذیل کی حدیث مبارکہ میں اس امر کی مزید وضاحت موجود ہے۔

الحدیث: ایک عورت، آگ اور بچہ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم بعض غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک قوم پر ہوا۔ پوچھا تم کونسی قوم ہو۔ وہ بولے ہم مسلمان ہیں۔ ایک عورت ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ جب آگ بھڑک کر اونچی ہوتی تو عورت بچے کو دور ہٹا دیتی۔ وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا "کیا آپ اللہ کے رسول

ہیں"۔فرمایا "ہاں" اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں" کیا اللہ تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم نہیں ہے"۔فرمایا"ہاں"اس نے کہا" کیا اللہ اپنے بندوں پراس سے زیادہ مہربان نہیں ہے جتنا ماں اپنے بچے پر؟ آپ نے فرمایا"ہاں"تو اس نے کہا"ماں تو اپنے بچے کو آگ میں نہیں ڈالتی"۔اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک جھکا لیا، بہت روئے اور پھر سر مبارک اس کی طرف اٹھا کر فرمایا"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو عذاب نہیں دیتا مگر ان کو جو سرکش اور متکبر ہو جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرکشی کرے اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے سے انکار کرے (ابن ماجہ)

(vii) توبہ سے برائیاں نیکیوں میں بدل جاتی ہے

ارشاد رب ذوالجلال والاکرام:۔

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحج۔۶۵)

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

یہ رب کریم و رحیم کی انتہائی شفقت ہے کہ ہمارے سراپا گنہگار ہونے کے باوجود لاتعداد نعمتوں سے سرفراز کر رکھا ہے کہ اس فانی دنیا میں بھی جنت کا سماں نظر آتا ہے۔اور توبہ کی صورت میں ایک ایسی بے مثال نعمت سے نوازا ہے کہ ہمیں آخرت کے عذاب سے نجات کی نہ صرف بشارتیں موجود ہیں بلکہ ہماری برائیوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ برائیوں کے نیکیوں میں بدل دینے کا مژدہ جاں فزا بھی ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا

مگر وہ جس نے توبہ کی اور ایمان لے آیا اور

صَالِحاً فَاُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ ط وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (الفرقان-۷۰)

نیک عمل کیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے۔

ساری عمر کفر و شرک میں اور فسق و فجور میں ضائع کرنے کے بعد اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنا چاہے گا تو اللہ کی رحمت کے دروازے بند نہیں پائے گا۔ اگر اس نے کفر و شرک سے توبہ کی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کو تسلیم کیا اور نیک اعمال سے اپنی توبہ کی تصدیق اور اپنے ایمان کو توثیق کر دی تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مینہ برسے گا اور اس کی سیرت کے تمام نما داغوں اور سیاہ کاریوں کو دھو کر صاف کر دے گا۔

اس سے یہ امر واضح ہے کہ دنیا میں خالص اور سچی توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو۔ سورہ النساء کی آیت نمبر 93 میں جو مومن کے قتل کی سزا جہنم بتائی گئی ہے وہ اس صورت پر محمول ہو گی جبکہ قاتل نے توبہ نہ کی ہو اور بغیر توبہ کے ہی فوت ہو گیا ہو ورنہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سو آدمیوں کے قاتل نے بھی سچی توبہ کی تو اللہ نے اسے معاف فرما دیا۔ (سابقہ صفحات میں ذکر موجود ہے) (صحیح مسلم۔ کتاب التوبہ)

مذکور آیت مبارکہ میں برائیوں کو نیکیوں میں بدلنے کے ایک معنی تو مفسرین یہ کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حال تبدیل فرما دیتا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ برائیاں کرتا تھا اب نیکیاں کرتا ہے۔ پہلے شرک کرتا تھا اب صرف الٰہِ واحد کی عبادت کرتا ہے نیز یہ کہ اللہ زنا کو عفت اور پاک دامنی میں بدل دیتا ہے۔

ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے ان گناہوں کو جو اس نے حالِ اسلام میں کیے از روئے فضل قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ اس کی تائید ایک حدیث سے ہوتی ہے:

میرے گناہ اور بھی ہیں (الحدیث)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہونے والا اور سب سے آخر میں جہنم سے نکلنے والا ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوگا کہ قیامت کے دن اس پر اس کے صغیرہ گناہ پیش کیے جائیں گے اور اس کے کبیرہ گناہ چھپا لیے جائیں گے۔ اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ اثبات میں جواب دے گا۔ انکار کی اسے طاقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں وہ اس بات سے بھی ڈر رہا ہوگا کہ ابھی تو بڑے گناہ بھی پیش کیے جائیں گے اتنے میں اسے کہا جائے گا کہ جا تیرے لئے ہر برائی کے بدلے ایک نیکی ہے۔ اللہ کی یہ مہربانی دیکھ کر وہ کہے گا کہ ابھی تو میرے بہت سے اعمال ایسے ہیں کہ جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا۔ یہ بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)

کاش گناہ زیادہ ہوتے

حضرت ابوہریرہ سے یہ روایت بھی ہے کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو لائے گا اور وہ یہ پسند کریں گے کہ کاش ان کے گناہ زیادہ ہوتے۔ پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرمایا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں میں بدل دے گا۔ (الدر المنثور)

شرک نا قابل معافی ہے

الحدیث: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملے کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ جانتا ہو۔ پھر

اس پر گناہوں کے پہاڑ ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔" (بیہقی کتاب البعث)

الحدیث: حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: "اے اولاد آدم جب تک تو مجھ سے دعا مانگتا رہے اور مجھ سے آس لگائے رکھے تو میں تجھے عیوب کے باوجو بخشتا رہوں گا میں بے پرواہ ہوں۔ اے ابن آدم اگر تیرے گناہ کنارۂ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دونگا کچھ پرواہ نہ کرونگا۔ اے ابن آدم اگر تو زمین بھر کر خطاؤں کے ساتھ ملے مگر ایسے ملے کہ کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں زمین بھر بخشش کے ساتھ تیرے پاس آؤں گا۔" (ترمذی۔ احمد۔ دارمی)

قربان جاؤں میرے غفور الرحیم مولا تیری بخشش اور رحمتیں بہت وسیع ہیں یہ راقم جو سراپا خطا کار و گنہگار ہے۔ اپنے باراں رحمت کے چند چھینٹوں سے اس کے نامہ اعمال کی سیاہی بھی دھو ڈال۔

ابوطویل کی توبہ

سب گناہوں کو مٹانے کا نسخہ: توبہ (ابوطویل ؓ کی زبانی)

حضرت ابوطویل ؓ اپنے اسلام لانے کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جس نے تمام گناہ کر ڈالے ہوں کوئی گناہ نہ چھوڑا ہو۔ اور اس سلسلے میں اپنے تمام ارمان پورے کر لئے ہوں۔ کیا ایسے شخص کے لئے توبہ ہے۔

آپ نے پوچھا: کیا تم اسلام لاؤ گے؟

میں نے کہا: ہاں! میں گواہی دیتا ہوں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی

گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا "دیکھو! اسلام لانے کے بعد اچھے کام کرو اور برے کام چھوڑ دو تو ماضی میں کی گئی برائیوں کو اللہ نیکی سے بدل دے گا"

میں نے عرض کیا: اسلام لانے سے پہلے میں نے بہت سے معاہدے توڑے ہیں۔ بہت سی بدکاریاں کی ہیں۔ کیا یہ سب معاف ہو جائیں گی؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں! یہ سب معاف ہو جائیں گی۔

میں خوشی کے مارے "اللہ رے تیری شان رحیمی۔ اللہ رے تیری شان کریمی" کہتا ہوا واپس ہوا یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا۔

(ترغیب وترہیب بحوالہ بزار وطبرانی)

(viii) آخرت کی فلاح وکامرانی اور جنت کی بشارت

خالق کائنات کے انعامات جو سچی توبہ کے بعد حاصل ہوتے ہیں وہ حد وحساب سے باہر ہیں۔ آیات قرآنی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ سورۃ مریم میں ارشاد ہے۔

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف آئے کہ انہوں نے نماز ضائع کر دی اور نفسانی خواہشات کی پیروی کی سو وہ اپنے نقصان سے دوچار ہونگے۔ مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان کی ذرا سی بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ ہمیشگی والی جنت میں جن کا غائبانہ وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ یقیناً اس کا وعدہ پورا ہونے والا ہے۔ وہ لوگ وہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے سوائے سلامتی کی دعا کے اور انہیں ہر صبح شام ان کا رزق ملے گا۔ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے انہیں بنائیں گے جو متقی ہونگے۔ (مریم ۶۰-۶۳)

ان آیات مبارکہ میں صالح اور انعام یافتہ بندگان الٰہی کا ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سابقہ نیک لوگوں کے برعکس اللہ کے احکام پس پشت ڈالنے والے تھے اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے والے تھے۔ اگلی آیات میں ان لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تفصیلی ذکر ہے۔ جنہوں نے سچی توبہ کی ترک صلوٰۃ اور شہوات کی اتباع سے باز آ گئے۔ ایمان اور عمل صالح کا اہتمام کرنے لگے تو ایسے لوگ مذکورہ انجام بد سے محفوظ اور جنت کے مستحق ہونگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے جنت کو دیکھا تک نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے غائبانہ وعدے کے مطابق انہیں جنت ضرور ملے گی جس میں فرشتے انہیں ہر طرف سے سلام کریں گے اور اہل جنت بھی آپس میں کثرت سے ایک دوسرے سے سلامت رہو کی صدائے دلنواز سنیں گے اور وہاں کوئی لغو اور فضول بات سننے میں نہ آئے گی۔

مزید آیات توبہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو!

مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور انتہائی رحم کرنے والا ہوں۔ (البقرہ-۱۶۰)

ہاں ہو جو توبہ کر لے، ایمان لے آئے اور نیک کام کرے۔ یقیناً وہ کامیاب و نجات پانے والوں میں سے ہوگا۔ (القصص-۶۷)

اور رجوع کرو اللہ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو تاکہ تم نجات پاؤ۔ (النور-۳۱)

مذکور تینوں آیات قرآنی میں صاحب ایمان ہونے کی حیثیت سے سچے دل سے توبہ کرنے والوں اپنی اصلاح کر لینے اور نیک اعمال کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نجات پا جانے کی بشارت ہے۔

(ix) اللہ کے رحم وکرم کی وسعت

الحدیث: حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ مسلمان ہو اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے کیے ہوئے سارے گناہ مٹا دیتا ہے۔ اس کے بعد قصاص ہوتا رہتا ہے کہ نیکی تو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ گنا تک ہے۔ اور گناہ اس کے برابر البتہ یہ کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے۔

(رواہ بخاری)

مذکورہ بالا حدیث میں مسلمان سے مراد وہ شخص ہے جو دل سے مسلمان ہو منافقت سے کلمہ نہ پڑھے۔ زمانہ کفر کے سارے گناہ اسلام لانے سے ختم ہو جاتے ہیں لیکن حقوق العباد معاف نہیں ہوتے لہذا زمانہ کفر کے قرض وغیرہ اس کے ذمہ رہیں گے۔ دس گنا نیکیوں میں اس آیت کی تفسیر ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ..... اور سات سو گنا نیکیوں میں اس آیت کی تفسیر ہے۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ....

یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ایک نیکی کا اجر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ اور ایک گناہ کی جزا صرف ایک اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی معافی کی دو صورتیں ہیں کہ یا تو وہ بندے کو توبہ کی توفیق دے دے یا بغیر توبہ کے ویسے ہی بخش دیا جائے۔

گناہِ رضا کا حساب کیا وہ گرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے کریم تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

الحدیث: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور گناہ تحریر فرما دیئے ہیں۔ پس جو نیکی کا ارادہ کرے مگر کرے

نہیں تو اسے اللہ تعالیٰ اپنے ہاں ایک پوری نیکی لکھتا ہے۔ پھر اگر قصد کر کے نیکی کر لے تو اسے اپنے ہاں دس سے سات سو گنا تک بلکہ بہت زیادہ تک لکھ لیتا ہے۔
اور جو گناہ کا ارادہ کرے پھر کرے نہیں اس کیلئے بھی اللہ تعالیٰ ایک پوری نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر وہ گناہ کا ارادہ کرے اور پھر اس کا ارتکاب بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ ایک گناہ لکھتا ہے۔ توبہ کر لی تو اس کو مٹا دیتا ہے اور برباد ہونے والا ہی اللہ کے یہاں برباد ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں خدا کی بے پایاں رحمت کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے بڑی رحمانیت اور کیا ہوگی کہ نیکی کا کام جو کیا نہیں صرف اس نیکی کے ارادے پر بندے کے نامہ اعمال میں ایک نیکی بنا کر لکھ دی جاتی ہے اور اگر نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو کر ڈالا تو وہ دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سات سو نیکیاں تک درج کی جاتی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

اس کے برعکس برائی کا ارادہ کیا لیکن اس کو کیا نہیں تو اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں نیکی میں شمار ہوتا ہے۔ اور اگر برائی کا ارادہ کیا اور پھر اسے کر ڈالا تو صرف ایک ہی برائی لکھی جاتی ہے اور اگر توبہ کر لی تو وہ معاف ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کا آخری جملہ اس حدیث کی جان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رحمت کا دامن تو بہت وسیع ہے۔ اب کوئی شامت زدہ بدنصیب ہی ہوگا جو گناہ پر گناہ کرتا رہے۔ زندگی بھر اسے توبہ کی توفیق نہ ہو اور اسی حالت میں مر جائے تو ظاہر ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوگا۔

اُس کے الطاف تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

(x) مومنین کیلئے فرشتوں کی دعا

اس باب کے شروع میں ارشاد باری تعالیٰ گزر چکا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ان بندوں کو جنہوں نے عمر بھر اپنے اوپر ظلم اور زیادتیاں کیں۔ فسق و فجور میں مبتلا رہے۔ بداعمالیوں سے اپنی اخروی زندگی کو تباہ برباد کر لیا ایسے لوگوں کو میری طرف خوشخبری دے دو کہ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ بے شک وہی ہے جو بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

جب بندہ توبہ کیلئے رجوع کرتا ہے تو اللہ رب العزت کی ان نوازشات میں مزید اضافہ کیلئے اللہ کی پاکیزہ مخلوق یعنی فرشتے بھی دست بدعا ہیں۔ سورۃ المومن کی آیات کا مندرجہ ذیل ترجمہ اس کی تائید میں شاہد ہے۔

وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن ہیں) وہ اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں حمد کے ساتھ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو ہر چیز کو رحمت اور علم سے گھیرے ہوئے ہے۔ پس تو ان کو بخش دے جو توبہ کریں اور تیری راہ کی پیروی کریں اور تو انہیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالے۔

اے ہمارے رب تو انہیں ہمیشگی والی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ اور ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو نیک عمل ہیں۔ یقیناً تو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اور بچالے ان کو برے اعمال کی سزاؤں سے اور اس دن تو نے جس کو سزاؤں

سے بچالیا تو اس پر تو نے بڑی رحمت فرمائی اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔

(المومن۔ آیات ۷۔۹)

مندرجہ بالا آیات میں ملائکہ مقربین کے ایک خاص گروہ کا ذکر ہے۔ یہ ان فرشتوں کا گروہ ہے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو ان کے اردگرد ہیں۔ ان کا ایک کام تو یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں حمد کے ساتھ۔ یعنی اللہ کی ذات جلیلہ جملہ نقائص سے پاک ہے اور جملہ کمالات اور خوبیوں کی حامل ہے۔ اور اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ اور دوسرا کام یہ کرتے ہیں کہ اہل زمین کے صاحب ایمان لوگوں کیلئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

مزید یہ کہ تو ان کے ماں باپ، ازواج اور اولاد کو بھی بخش دے جو مغفرت کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مغفرت اور بخشش کا مستحق وہی ہے جو صاحب ایمان ہو۔ آیت میں ان کیلئے لفظ صَلُحَ استعمال ہوا ہے۔ اسی سلسلہ میں صاحب تفسیر مظہری علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صَلُحَ، کا معنی ایمان ہے کیونکہ جب انسان صفت ایمان سے متصف ہو جاتا ہے تو وہ بخشش کے اہل ہو جاتا ہے۔ نیز یہ کہ اگر یہاں بھی صَلُحَ سے مراد زہد، تقویٰ اور نیکی ہو تو پھر یہ الذین تابوا کے زمرہ میں داخل ہونگے ان کو علیحدہ ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

امام بغوی سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن جنت میں داخل ہوگا تو پوچھے گا میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ میرے بچے کہاں ہیں؟ میری بیوی کہاں ہے؟ اسے بتایا جائے گا کہ انہوں نے تیری طرح کے نیک اعمال نہیں کئے اس لئے وہ یہاں موجود نہیں۔ تو وہ جنتی کہے گا کہ میں اپنے لئے اور ان کیلئے نیک اعمال کیا کرتا تھا۔ پھر کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو بھی جنت میں داخل

کرو۔اس سے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں صَلُحَ سے مراد ایمان ہے۔

فرشتوں کے دل میں ہمارے لئے خلوص اور خیر خواہی کے یہ پاکیزہ جذبات اور ہمدردیاں کیونکر پیدا ہوئیں اس کی وجہ ایک ہی ہے جو دونوں میں مشترک ہے اور وہ ہے ایمان یعنی ہر دو صاحب ایمان ہیں۔مندرجہ بالا آیات کی تائید سورۃ شوریٰ کی مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور وہی سب سے اعلیٰ (اور) عظمت والا ہے۔

قریب ہے (جلال الٰہی سے) اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) تمام فرشتے اپنے رب کی تسبیح بیان کر رہے ہیں حمد کے ساتھ اور اہل زمیں کیلئے بخشش طلب کر رہے ہیں۔خوب سمجھ لو! کہ یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

کرہ ارض پر ہر طرف فسق و فجور کا بازار گرم ہے۔خالق کائنات کے لطف و کرم کو بھلا کر اس کے اوامر ونواہی کی نافرمانیاں ہو رہی ہیں۔اس لئے آیت میں ارشاد ہے کہ قریب ہے کہ اوپر سے آسمان پھٹ پڑیں لیکن ایسا نہیں ہو رہا کیونکہ تمام فرشتے رب ذوالجلال کی تسبیح وتحمید بیان کر رہے ہیں اور یہ پاکزہ مخلوق اولاد آدم کیلئے مغفرت کی طلب گار بھی ہے اور مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔

در سے تیرے اے کریم کونسی شے ملی نہیں
جھولی ہی اپنی تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

(xi) اصلاحِ احوال اور صالح معاشرہ:۔

توبہ امید کی ایک کرن ہے گناہوں کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں توبہ ایک شاہراہ ہے جو نجاتِ اخروی کی منزل کی طرف لے جاتی ہے۔توبہ ایک امید جانفزا ہے گناہوں کے عذاب سے رستگاری کیلئے۔اگر توبہ کے ذریعہ معصیت کی زندگی سے نکلنے کی امید نہ ہوتی تو انسان گناہوں پر گناہ کرتا چلا جاتا کہ جہاں زندگی بھر لاکھوں گناہوں کا ارتکاب کر چکا ہوں دو چار اور کرلوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔جیسے کہ سابقہ صفحات میں ننانوے آدمیوں کے قاتل نے مغفرت سے ناامید ہوکر ایک اور کو قتل کر کے سو کی گنتی پوری کردی۔اس طرح مایوسی کے عالم میں انسان معصیت کی دلدل میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی اس کے کردار اور چلن کی اصلاح کی صورت نکل سکتی ہے۔اگر ہر فرد و بشر اسی ڈگر پر چل نکلے تو پورا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے۔

لیکن دوسری جانب اعترافِ گناہ، ندامت اور توبہ سے گناہوں کے عذاب سے بچنے کی امید پر انسان اپنے کردار میں مثبت تبدیلیاں لاتا ہے۔گناہوں اور اللہ کے احکام کی نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اللہ کے اوامر و نواہی پر عمل درآمد کر کے اصلاح احوال اور سیرت صالح کا حامل ہو جاتا ہے۔اور ہر فرد یہ سوچ اپنا لے تو ایک نیک اور صالح معاشرہ جنم لے سکتا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

(xii) توبہ واستغفار کی برکات

(ذریعہ مغفرت، مال واولاد میں برکت، بارش اور باغات کا انعام)

توبہ نہ صرف گناہوں کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ اور اخروی نجات کا وسیلہ ہے بلکہ یہ انسان کو دنیوی نعمتوں سے بھی مالا مال کرنے کا مژدہ بھی ہے۔ ارشاد ہے۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ۝ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ۝ (سورۃ نوح ۱۰-۱۲)

پس میں نے کہا اپنے رب سے مغفرت طلب کرو بیشک وہ بہت بخشش کرنے والا ہے۔ وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری مدد کریگا مال اور فرزندوں سے اور تمہارے لئے باغات بنائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کریگا

مندرجہ بالا آیات سورۃ نوح سے لی گئی ہیں۔ آپ کا زمانہ نبوت وتبلیغ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ ساڑھے نو سو سال تک شب وروز جلوت اور خلوت میں لوگوں کو دعوت حق دیتے رہے لیکن گنتی کے چند آدمیوں کے سوا کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ عناد بڑھتا گیا۔ آپ اس قدر طویل عرصہ ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف ومصائب کو انتہائی صبر واستقامت کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ یہ حوصلہ اور صبر اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ اسلام کی قوم نے طویل زمانہ تک حضرت نوح علیہ اسلام کو جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش کو روک لیا۔ چالیس سال تک ان کی عورتوں کے رحموں کو بانجھ کر دیا۔ ان کی اولادیں، ان کے

مال اور چوپائے ہلاک ہوگئے۔ اس موقع پر حضرت نوح علیہ اسلام نے ان سے کہا کفر سے توبہ کر کے، معاصی پر شرمندگی کا اظہار کرو اور آئندہ ایسے (برے) اعمال چھوڑ کر اپنے رب سے بخشش طلب کرو (استغفار کرو) اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ وہ آسمان سے موسلا دھار بارش تم پر برسائے گا اور مالوں اور فرزندوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے لئے باغات بنادے گا اور تمہارے لئے نہریں بنادے گا۔

صرف توبہ اور استغفار کرنے سے اس قدر عنایات اللہ تعالیٰ کے بے پایاں لطف وکرم کی مظہر ہیں۔ حضرت نوح علیہ اسلام کی بشارت کے پیش نظر یہ کہ نہ صرف تمہاری آخرت بلکہ دنیا بھی سنور جائے گی۔ بروقت بارشیں برسیں گی قحط سالی کا اندیشہ نہ رہے گا۔ آب پاشی کی زحمت سے نجات مل جائے گی۔ تمہارے مال و دولت میں اضافہ ہوگا۔ خوبصورت اور قوی ہیکل فرزند بھی عطا کئے جائیں گے۔ خشک زمیں اور بنجر میدان باغات میں ڈھل جائیں گے اور ان ریگزاروں میں نہریں بہنے لگیں گی۔ بتاؤ اور کیا چاہیے؟ یہ ہیں انعامات توبہ اور استغفار کے۔

سورہ مائدہ، اعراف، اور ھود کی آیات بالترتیب 96,6 اور 52 اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار بن جاتی ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر استغفار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت بھی بہتر بنادیتا ہے۔

ابن صبیح کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا استغفر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ ایک اور آدمی آیا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اس کو بھی یہی جواب دیا۔ تیسرا آدمی آیا اس نے اولاد نرینہ کیلئے درخواست کی اس کو بھی یہی جواب دیا۔ ایک اور آدمی آیا اس نے عرض کیا میرا باغ خشک ہو گیا ہے۔ پھل نہیں دیتا۔ اسے بھی یہی

جواب دیا۔ ہم نے کہا کہ مختلف لوگوں نے مختلف درخواستیں پیش کیں اور آپ نے سب کا ایک ہی جواب دیا۔ حضرت حسن بصریؒ نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نوح میں فرمایا ہے۔ استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السمآء علیکم مدرارا و یمددکم باموال و بنین ویجعلکم جنٰت و یجعل لکم انهارا۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو استغفار کو اپنے اوپر لازم کر لے تو اللہ اس کیلئے ہر تنگی سے چھٹکارا اور ہر غم سے نجات دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو (احمد۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ)

(xiii) مغفرت (بخشش) چاہنے والے بندے اور ان کا انعام

اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جتنی ہے جو پرہیز گاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ خوشحال ہوں یا تنگ دست۔ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگوں کو اللہ بہت پسند کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ان سے کوئی فحش کام سرزد ہو جاتا ہے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو انہیں اللہ یاد آ جاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں تو اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہ معاف کر سکتا ہو۔ اور جو ان سے ہو چکا وہ اس پر اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ جانتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور جنتوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی اچھا بدلہ ہے (نیک) عمل کرنے والوں

کیلئے۔ القرآن (سورہ آل عمران۔ ۱۳۳تا۱۳۶)

توبہ کرنے کیلئے مزید احکامات قرآنی

اے ایمان والو نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ اسلام لانے کے بعد گناہ کا نام (لگنا) ہی برا ہے۔ اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔ (الحجرات۔۱۱)

اے ایمان والو بہت گمان کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور سراغ نہ لگاؤ (تجسس نہ کرو) اور غیبت نہ کرو ایک دوسرے کی۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔ تم تو خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (الحجرات۔۱۲)

دیا۔۔

اور آدمی آیا اس کے

باب ششم

توبہ کا طریقہ اور لوازمات

اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کے حکم کے مطابق سچی توبہ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

-1 يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (تحریم۔۸)

اے ایمان والو تم اللہ تعالیٰ کے حضور سچی اور خالص توبہ کرو۔

-2 وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات۔۱۱)

اور جو توبہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔

-3 الحدیث:

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہا کرو۔ میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک دن میں سو بار توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم)

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ توبہ کا عمل ہر صاحب ایمان مسلمان پر فرض ہے۔

سچی توبہ کی تشریح

مندرجہ بالا سورۃ تحریم کی آیت مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خالص اور سچی توبہ کرو۔ اس آیت میں "نصوح" مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عربی زبان میں نصح کے معنی خلوص اور خیر خواہی کے ہیں۔ خالص شہد کو بھی عسلِ ناصح کیا جاتا ہے۔ نصاحت کے معنی پھٹے ہوئے کپڑے کو سی دینے اور ادھڑے ہوئے کو مرمت کر دینے

کے بھی ہیں۔ پس توبہ کو نصوح کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان ایسی خالص توبہ کرے جس میں ریا اور منافقت کا شائبہ تک نہ ہو۔ یا یہ کہ گناہ کے ارتکاب سے اس کے دین اور اعمال میں شگاف پڑ گیا ہے توبہ کے ذریعے اس کی مرمت اور اصلاح کرے۔

امام بغوی نے کہا کہ توبتہ النصوح یہ ہے کہ بندہ گزشتہ عمل پر شرمندہ ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے۔

جہاں تک اس کے شرعی مفہوم کا تعلق ہے تو اس کی تشریح ہمیں اس حدیث سے ملتی ہے جو ابن ابی حاتم نے زِرّ بن حبیش سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب سے توبتہ النصوح کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب تم سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو اپنے گناہ پر نادم ہو۔ پھر شرمندگی کے ساتھ اس پر اللہ سے استغفار کرو اور آئندہ کبھی اس فعل کا ارتکاب نہ کرو''۔ یہی مطلب حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس سے بھی منقول ہے۔

حضرت علی نے ایک مرتبہ ایک بدو کو جلدی جلدی توبہ و استغفار کے الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے سنا تو فرمایا ''یہ جھوٹوں کی توبہ ہے''۔ اس نے پوچھا پھر صحیح توبہ کیا ہے؟ فرمایا توبہ چھ چیزوں پر مشتمل ہے۔

1- گزشتہ گناہوں پر ندامت۔

2- ترک شدہ فرائض کو دوبارہ ادا کرنا۔ (چھوڑی ہوئی نمازیں۔ روزے زکوٰۃ وغیرہ)

3- حقوق لوٹانا۔ (کسی کا حق مارا ہو، جائیداد یا مال و دولت غصب کیا ہو۔ وراثت سے کسی کو محروم کیا ہو۔ امانت میں خیانت کو ہو تو ان کا ازالہ کرے۔ چوری کی

ہوتو مالک کولوٹائے وغیرہ)

4- دعویداروں کو راضی کرنا، جن کو تکلیف پہنچائی ہو ان سے معافی مانگنا۔

5- دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

6- اپنے نفس کو اللہ کی اطاعت میں گھلا دے۔ جس طرح تو نے اب تک اسے معصیت کا خوگر بنائے رکھا ہے اس کو اطاعت کی تلخی کا مزا چکھا۔

توبہ کے سلسلے میں چند اور امور کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

توبہ خالص اللہ کی رضا کیلئے ہو

کسی گناہ سے اس نیت سے پرہیز کرنا کہ وہ صحت کیلئے مضر ہے۔ کسی بدنامی کا باعث ہے یا کسی مالی نقصان کو موجب ہے۔ گناہ کرنے کی استعداد یا گناہ پر قدرت اور طاقت نہ رہے اس لئے اسے چھوڑ دے تو یہ توبہ کی تعریف میں نہیں آتا۔ گناہگار توبہ کے اجر و ثواب کا حقدار تو اس وقت ہوگا جبکہ گناہ کی طاقت اور استعداد کے باوجود رب ذوالجلال کے خوف سے اسے چھوڑ دے اور فقط اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے خلوص اور سچے دل سے توبہ کرے۔ حدیث مبارکہ ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو قبول ہی نہیں کرتا جب تک وہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے نہ کیا جائے۔ (نسائی)

بعض نے فرمایا ہے کہ توبہ سے مراد نیۃً اور عملاً گناہوں کو ترک کرنا ہے اور نیۃً اور عملاً عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سچی توبہ کے مدارج

قرآنی آیات احادیث مبارکہ اور اقوال بزرگان دین سے جو وضاحت ملتی

ہے۔اس کی روشنی میں توبہ کے مدارج درج ذیل ہیں۔

1-ندامت 2-ترک گناہ 3-اعتراف گناہ

4-استغفار 5-توبہ 6-ترک شدہ فرائض کی ادائیگی

7-حقوق لوٹانا 8- گناہ سے شدید نفرت 9-نفس کی تادیب

اب تمام اقدامات توبہ ایک ایک کر کے زیر بحث لائے جاتے ہیں۔

(1) ندامت

غلطی، خطا اور ارتکاب گناہ کے بعد احساس ندامتِ توبہ کیلئے پہلا قدم ہے۔ جب تک انسان کا ضمیر زندہ ہے۔ تمیز خیر و شر موجود ہے۔ نیکی اور بدی کی پہچان باقی ہے تو اس کے اصلاح پذیر ہونے کے امکانات روشن ہیں اور اس کے راہ راست پر آنے کی گنجائش بھی باقی ہے۔ ایسا شخص توبہ کے قریب تر ہوتا ہے۔ جب کبھی بہ تقاضائے بشریت اس سے برائی کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ غلط کام جو مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہے۔ درحقیقت اپنے عمل بد پر افسوس ہونا۔ ندامت محسوس کرنا ہی توبہ کی پہلی منزل ہے بلکہ حدیث نبوی کے مطابق یہ احساس ندامت ہی توبہ ہے۔ ارشاد ہے:

اَلنَّدَمُ تَوبَۃٌ ندامت توبہ ہی ہے۔

علامہ بغوی نے شرح السنہ میں ابن مسعودؓ سے موقوفاً روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نادم ہونا توبہ ہے اور توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں"۔

احساس ندامت کے سلسلے میں غزوہ تبوک کے موقع پر ایک صحابی رسول کا واقعہ ملاحظہ کریں۔

غزوہ تبوک اور ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ

غزوہ تبوک اس زمانہ میں پیش آیا جب مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر طویل اور کٹھن تھا۔ قیصر روم کے لشکر جرار سے مقابلہ تھا۔ سواریوں کی از حد قلت تھی یہاں تک کہ دس آدمیوں کیلئے ایک اونٹ تھا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ راشن بھی کم تھا۔ ایسا وقت بھی آیا جب دو آدمیوں کو ایک کھجور پر رات اور دن بسر کرنا پڑا۔ پانی اتنا کمیاب تھا کہ سواری کے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں جو پانی ہوتا ہے۔ اس سے اپنی پیاس بہلا یا کرتے۔ اس کٹھن وقت کو قرآن پاک نے سورۃ توبہ میں ساعۃ العسرہ (مشکل گھڑی) کہا ہے۔ ایسے مشکل وقت میں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد عام کا اعلان کیا تو اس صورت حال میں منافقین کو تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھے رہنا ہی تھا۔ حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی شریک سفر نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں کو مضبوط کر دیا۔ اور ان کے دلوں سے اس شیطانی وسوسہ کو نکال دیا۔ اور محض توفیق الٰہی کی یاوری سے وہ شریک جہاد ہوئے۔

انہی میں سے ایک ابوخیثمہ بھی تھے۔ یہ مخلص مومن ہونے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر روانہ نہ ہوئے۔ ایک روز جب دوپہر کے وقت گھر تشریف لائے اور دیکھا کہ ان کی دونو بیویوں نے اپنے اپنے چھپر کے نیچے چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں رکھی ہوئی ہیں اور لذیذ کھانا تیار ہے تو کچھ سوچ کر دہلیز پر ہی رک گئے۔ اور اپنے دل سے کہنے لگے صد حیف! (تم پر) اللہ تعالیٰ کا محبوب تو

چلچلاتی دھوپ اور گرم لو میں سفر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور ابوخیثمہ کیلئے ٹھنڈی چھاؤں میں پلنگ بچھا ہوا ہو۔ اس کے پینے کیلئے ٹھنڈا پانی اور کھانے کیلئے لذیذ کھانا موجود ہو۔ اور دو خوبصورت بیویاں اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوں وہ بہت نادم ہوئے اور کہنے لگے بخدا یہ انصاف نہیں۔ پھر انہوں نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ابوخیثمہ جب تک اپنے حبیب کے ساتھ جا کر نہ ملے وہ اب ٹھنڈے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوئے اور تبوک کی راہ لی۔ جب وہ کچھ نزدیک پہنچے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوار تو ہماری طرف آتا معلوم ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کن ابا خیثمہ" (یہ ابا خیثمہ ہوگا) جب وہ قریب ہوئے تو صحابہ نے پہچانا تو پکار اٹھے واللہ ھو ابوخیثمہ (بخدا وہ تو ابوخیثمہ ہی ہے) انہوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا قصہ عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کیلئے دعائے خیر فرمائی۔

الحدیث:۔

ایسی معصیت جس کی ابتدا غفلت ہو اور اس کے آخر میں ندامت ہو تو وہ اس نیکی سے بہتر ہے جس کی ابتدا میں تکبر ہو اور آخر میں ریاکاری ہو (مسلم عن بریدہ بہ ضمن قصہ ماعز و غامدیہ)

(2) ترک گناہ

توبہ کرنے والا جب گناہ پر ندامت محسوس کرے اور پشمان ہو تو اس کو چاہیئے فوری طور پر اس گناہ کو ہمیشہ کیلئے چھوڑ دے۔ اور آئندہ اس کی اعادہ نہ کرے۔ کئی عادی گناہگار کہتے ہین کہ میں نے گناہ کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ آہستہ آہستہ چھور دونگا جیسا کہ نشہ کے عادی لوگ زبان سے تو کہہ دیتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے۔ توبہ کی

قبولیت کا تعلق اخلاص سے ہے۔ محض زبانی اقرار کرلینے اور منہ سے بار بار توبہ استغفار توبہ استغفار کہہ دینے سے توبہ معیار قبولیت پر پوری نہیں اترتی۔ تائب کی سچی توبہ یہی ہے کہ وہ گناہ کے بعد شرمسار ہو اور خلوص نیت سے گناہ کو اسی لمحے فوراً ترک کردے اور آئندہ پختہ ارادہ کرے کہ اس کا اعادہ نہیں کرے گا۔ توبہ کو بار بار توڑنا اور معصیت کا اعادہ کرنا یہ سچی توبہ نہیں بلکہ توبہ سے مذاق ہے۔

توبہ برلب سبحہ برکف دل پر از ذوق گناہ
معصیت را خندہ می آید ز استغفارِ ما

(3) اعتراف گناہ

اگر کسی شخص سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی نافرمانی ہو جاتی ہے اور وہ معافی چاہتا ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی خطا کا اعتراف کرے، اقبال جرم کرے اور اپنا گناہ تسلیم کرے۔ اگر وہ اپنے گناہ کو تسلیم ہی نہیں کرتا تو معافی کس بات کی۔ اس لئے توبہ کی قبولیت کیلئے اعتراف گناہ انتہائی ضروری ہے۔ اس امر کی وضاحت کیلئے جنگ تبوک کا واقعہ تحریر کیا جاتا ہے۔

غزوہ تبوک جن مخدوش اور ناموافق حالات میں پیش آیا اس کی اجمالی صورت حال آپ سابقہ دو تین صفحات میں پڑھ چکے ہیں یہ ایک بڑی حکومت کی باقاعدہ تربیت یافتہ افواج کے ساتھ مقابلہ تھا اور یہ اسلامی تاریخ کا پہلا واقعہ تھا۔ ان حالات میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد عام کا اعلان کیا تو لوگ مذکورہ حالات کے پیش نظر کئی گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

پہلی قسم ان مخلصین صحابہ کی تھی جو حکم جہاد سنتے ہی بلاتردد جہاد کیلئے تیار ہو گئے

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ابتدا میں کچھ تردد میں مبتلا رہے لیکن بالآخر تیار ہو کر ساتھ ہو لئے۔

تیسری قسم ان حضرات کی تھی جو معذور یا ضعیف تھے اس لئے نہ جا سکے چوتھی قسم ان مخلصین صحابہ کی تھی جو عذر نہ ہونے کے باوجود محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوئے۔ پانچویں قسم منافقین کی تھی جو نفاق کے سبب شریک جہاد نہ ہوئے۔ زیر تحریر واقعہ میں چوتھی قسم کے ان حضرات کا ذکر ہے جو مخلص مومنین ہونے کے باوجود محض سستی و کاہلی سے شریک جہاد نہ ہو سکے۔

ابولبابہؓ کی توبہ

پانچویں قسم کے منافقین جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ان کا طرز عمل تو یہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر اور حیلوں بہانوں سے جھوٹے عذر پیش کر کے معذرت کر لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کے اندرونی اور قلبی معاملہ کو اللہ پر چھوڑتے ہوئے ان کے ظاہری عذر کو قبول کر کے ان کو چھوڑ دیا۔ لیکن چوتھی قسم کے لوگ جو سچے مومن تھے انہوں نے سچ کو اپنایا اور اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عفوو مغفرت کیلئے درخواست پیش کی روایات میں ہے کہ عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ان حضرات کی تعداد دس تھی۔ ان میں سے سات افراد نے جن میں حضرت ابولبابہ اور ان کے چھ ساتھی تھے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور ان کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک آپ انہیں اپنے دست مبارک سے نہیں کھولیں گے وہ یونہی بندھے رہیں گے آپ نے فرمایا بخدا میں بھی انہیں اس وقت تک

نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انہیں کھولنے کا حکم نہ دے گا اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھولنے کا حکم دے دیا اور وہ کھول دیئے گئے وہ آیت مبارکہ درج ذیل ہے جس میں ان کے اعتراف گناہ کا ذکر ہے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ	اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے قصوروں کا
خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا	اعتراف کر لیا ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک
عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ط	اور کچھ بد۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	توبہ قبول فرمائے گا۔
	کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور ہمیشہ رحم
(سورۃ توبہ۔۱۰۲)	کرنے والا ہے۔

حضرت سعید بن مسیبؒ کی روایت ہے کہ جب ابولبابہ کو کھولنے کا ارادہ کیا گیا تو انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ جب تک خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو کر اپنے ہاتھ سے مجھے نہ کھولیں گے میں بندھا رہوں گا چنانچہ صبح کی نماز میں جب آپ تشریف لائے تو اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا۔

اس طرح ان سات صحابہ کرام نے نہ صرف سچی توبہ کیلئے سچ بولتے ہوئے اعتراف گناہ کر لیا بلکہ عملی طور بھی (اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ کر) اپنے اعتراف گناہ کی تائید بھی کی۔

الحدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے پھر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ (مسلم، بخاری)

نوٹ:۔ ان دس سچے مومنین میں سے بقیہ تین افراد کا ایمان افروز واقعہ اس باب کے

آخر پر درج کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

(4) استغفار

استغفار غَفَرَ سے بنا ہے اس کے لغوی معنی ہیں چھلکا پوست، ڈھانپنا، چھپانا خطا پوشی کرنا وغیرہ۔ استغفار کے اصطلاحی معنی ہیں معافی چاہنا مغفرت طلب کرنا یعنی بخشش مانگنا۔ استغفار کے فیوض و برکات بہت زیادہ ہیں۔ اسی لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی طرف لوٹ آؤ اور اس سے استغفار کرو۔ (مجھے دیکھو) میں دن میں سو بار مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ ایک اور حدیث پاک میں ستر بار کا ذکر ہے۔ (بخاری، مسلم)

انسان خطا کا پتلا ہے۔ کوئی مومن بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اس لئے اس کو چاہیے کہ اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے تو نادم ہو کر اعتراف گناہ کرتے ہوئے سچے دل سے معافی کا خواستگار ہو اور استغفار کرے۔ اور گناہ کو ترک کر کے دل سے پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ وہ اس فعل کو نہیں دہرائے گا۔ قرآن حکیم استغفار کی وضاحت اس طرح کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (آل عمران-۱۳۵)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی برا کام کر بیٹھیں یا اپنے آپ پر ظلم کر لیں تو اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں اور اپنے گناہوں کیلئے استغفار کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کو بخشنے والا

کسی غلطی یا خطا کے بعد نادم ہونا۔ ترک گناہ اور عتراف گناہ کے ساتھ رب کریم سے مغفرت کا خواستگار ہونے کیلئے اس آیت مبارکہ میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اللہ

کے صالح بندے مغفرت کے حصول کیلئے اللہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل حدیث غالباً اس کی شرح ہے۔

طریقہ توبہ

حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا کہ کوئی بندہ مومن گناہ کرتا ہے۔ پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے۔ (الحدیث) (ابوداؤد۔ترمذی۔نسائی۔ابن ماجہ)

اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب لبیب رحمتہ اللعالمین کا دامن بھی شفقت و رحمت سے مالا مال کر دیا ہے۔ گنہگار کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن بہت وسیع ہے۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا وہ دہائی دے رہا تھا۔ وَاذُنُوْبِیْ وَاذُنُوْبِیْ ہائے میرے گناہ، ہائے میرے گناہ! رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا یہ کہہ:

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَ رَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ (صحیح حاکم)

ترجمہ: ''اے اللہ تیری بخشش تو میرے گناہوں سے وسیع تر ہے اور میں اپنے عمل کی نسبت تیری رحمت کا زیادہ امیدوار ہوں۔''

اس آدمی نے ایک دفعہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ پڑھ۔ اس نے دوسری دفعہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پڑھو۔ اس نے تیسری دفعہ پڑھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اٹھ جا، اللہ نے تیرے گناہ بخش دئے''۔

قرآن مجید میں استغفار کا بہت دفعہ ذکر آیا ہے۔ چند آیات پیش ہیں۔

☆وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ (ھود-۵۲)
اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر رجوع کرو اس کی طرف۔

☆وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ط اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ ؀ (ھود-۹۰)
اور تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو پھر رجوع کرو اس کی طرف۔ بیشک میرا رب بہت مہربان اور بہت محبت کرنے والا ہے۔

☆وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ؀ (مزمل-۲۰)
اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت (بخشش) طلب کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

اور کبھی اللہ تعالیٰ بخشش مانگنے والوں کا ذکر خیر یوں کرتا ہے۔

☆وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ط (آل عمران-۱۷)
اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت۔

قرآن پاک اور احادیث میں اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کے تاکیدی احکام موجود ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے احادیث کے ذریعہ مومنین کو رغبت بھی دلائی گئی ہے۔ حالانکہ انبیاء کرامؑ معصوم عن الخطار ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود امت کیلئے رؤف ورحیم ہونے کے سبب مومنین کو رغبت دلانے کیلئے ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بھی دن میں سو دفعہ استغفار کرتا ہوں تم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اور استغفار کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کی فلاح وبہبود اور مغفرت کس قدر عزیز ہے۔ اس لئے ہمیں بھی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کے بعد کثرت سے استغفار کرتے رہا کریں تاکہ بہ تقاضاءِ بشریت روزمرہ وقوع پذیر ہونے والے چھوٹے بڑے گناہ معاف ہوتے رہیں اور ہم پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہے۔

استغفار کی دعائیں: ذیل میں بسلسلہ استغفار کچھ دعائیں درج کی جاتی ہیں۔

(ا) رَبِّ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِيْ (القصص۔۱۶) — پروردگار میں اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں پس تو مجھے بخش دے۔

(ب) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ (المومنون آخری آیت) — اے میرے پروردگار میری مغفرت کر اور مجھ پر رحم فرما تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

مندرجہ بالا دونو دعائیں قرآن پاک سے ماخوذ ہیں پہلی دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جو آپ نے مصر میں ایک قبطی کے قتل کے بعد مغفرت کیلئے مانگی تھی اور دوسری دعا فخر موجودات نبی کریم ﷺ کو تلقین فرمائی گئی اور آپ کے واسطہ سے تمام امت مسلمہ کو تعلیم فرمائی گئی ہے۔

(ج) اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ط — میں مغفرت طلب کرتا ہوں اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے اور میں توبہ کرتا ہوں اس کی طرف۔ (صبح و شام تین تین دفعہ پڑھیں)

الحدیث:۔ جو شخص ان کلمات کے ساتھ (صدق دل سے) مغفرت طلب کرے اس کو بخشش دیا جائے گا اگرچہ وہ میدان جہاد سے بھاگا ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کی مانند ہوں۔

(د) سیّد الاستغفار

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ استغفار کا سردار یہ ہے کہ تو کہے:۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ — اے اللہ تعالیٰ تو میرا رب ہے تیرے سوا

خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَوَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ. اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ط

کوئی معبود نہیں تو نے مجھے بنایا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے ساتھ کیے گئے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اپنی استطاعت کے مطابق۔ برے کاموں کے وبال سے تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت جو مجھ پر ہے اس کا اقرار کرتا ہوں اور مجھے اعتراف ہے اپنے گناہوں کا۔ پس تو بخش دے میرے گناہ کیونکہ تیرے سوا کوئی نہیں گناہ بخش سکتا۔

فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دل کے یقین کے ساتھ صبح کو یہ کلمات پڑھ لے پھر اسی دن شام سے پہلے مرجائے تو وہ جنتی ہوگا۔ اور جو رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے مرجائے تو وہ شخص جنتی ہوگا۔ (بخاری)

مغفرت الٰہی کی وسعتیں

حدیث قدسی: حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے ہی آس لگائے رکھے گا میں تیرے گناہوں کو معاف کرتا رہوں گا اور مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہوں کا (ڈھیر) کنارہ آسمان تک پہنچ جائے پھر تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے بخش دونگا۔ میں کچھ پرواہ نہیں کرونگا۔ اے

ابن آدم! اگر تو ساری روئے زمین خطاؤں سے بھر کر اس حال میں میرے دربار میں آئے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو ساری روئے زمین بخشش سے بھر کر تجھ سے ملاقات کرونگا۔ (ترمذی۔احمد۔دارمی)

یہ حدیث اللہ تعالٰی کے فضل و کرم پر بہت بڑی دلیل ہے۔ اس کی مغفرت کی وسعتوں کی امین ہے۔ امام نووی نے اس حدیث کو اپنی اربعین میں آخر پر لا کر ہر انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ انسان سے جو لغزشیں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں وہ ظاہری ہوں یا باطنی اگر وہ اپنے اللہ کے حضور عاجزی و انکساری کے ساتھ آہ وزاری کے ساتھ گڑ گڑاتے ہوئے دعا کیلئے اپنا دامن پھیلا دے تو وہ کریم آقا جو غفور الرحیم ہے اور اپنی مخلوق پر بہت مہربان ہے وہ پھیلائی ہوئی جھولی کو خالی نہیں لوٹائے گا بلکہ اس کو رحمت و مغفرت کے موتیوں سے بھر دے گا خواہ بندے کے گناہ زمین و آسمان کی وسعتوں کو کیوں نہ چھو رہے ہوں۔ مگر ایک انتہائی ضروری شرط درمیان میں ہے وہ یہ کہ اس کے بندے نے اللہ کا شریک نہ کسی کو ٹھہرایا ہو۔ وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ ہے اس کا اپنا ارشاد ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء-۴۸)

بیشک اللہ تعالٰی اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور (مشرک) کے علاوہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اگر کسی غیر مومن کی موت شرک پر واقع ہوئی تو اس کی مغفرت کسی صورت نہ ہو گی کیونکہ مشرکین پر جنت اللہ تعالٰی نے حرام کر دی ہے۔ البتہ مومن کا گناہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے لیکن اگر مومن بغیر توبہ کے مر جائیں تو یہ اللہ تعالٰی کی مشیئت پر منحصر ہے وہ اگر چاہے تو کسی قسم کی سزا دیئے بغیر ہی معاف کر دے۔ بہت سوں کو سزا کے بعد

اور بہت لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر معاف فرمادے گا۔ لیکن مشرک کی معافی کسی صورت نہیں ہوگی۔

اس لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں صفات میں کسی کو شریک نہ کیا جائے اور ریا سے پرہیز کیا جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''ریا کاری شرک اِصغر ہے'' (مسند احمد)

شرک پر مزید بحث باب ہفتم میں ملاحظہ فرمائیں:۔

استغفار ہی کے عنوان کے تحت ایک حدیث پاک درج کی جاتی جس سے استغفار کرنے یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش طلب کرنے کی اہمیت مزید واضح ہو جاتی ہے۔

شیطان کا چیلنج اور رحمان کا اعلانِ مغفرت

الحدیث: حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے عرض کیا کہ یارب! تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک ان کی جانیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔ رب عزوجل نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت وجلال اور بلند درجہ کی قسم میں ان کی مغفرت (بخشش) کرتا ہی رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے۔ (مشکواۃ۔احمد)

خالق کائنات رب العزت کو اپنے بندوں کا راہ راست پر قائم رہنا اور ابن آدم کی اخروی زندگی کیلئے کامیابی کس قدر عزیز ہے۔ کہ شیطان کے بہکاووں اور ریشہ دوانیوں کے علاج کیلئے خود ہی نسخہ تجویز فرمادیا اور شیطان کے چیلنج کا حل فرمادیا کہ خواہ شیطان جتنا بھی بہکاتا جائے اور بندہ اس کے جال میں پھنس کر جس قدر بھی گناہوں

کا ارتکاب کرتا جائے لیکن جونہی وہ ارتکاب گناہ کے بعد نادم ہو کر مجھے یاد کرے گا اور مغفرت طلب کرے گا تو میں اسے بخش دونگا۔

نبی کریم رؤف الرحیم اور رحمت للعالمین ﷺ بھی اپنی امت کیلئے انتہائی شفیق اور مہربان ہیں۔انہوں نے شیطانی وساوس کا علاج بھی مرحمت فرمایا ہے۔حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"شیطان انسان کے دل پر پنجہ جما کر بیٹھتا ہے۔جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے اور جب انسان غافل ہوتا ہے تو وہ وسوسے ڈالتا ہے"۔(بخاری)

معلوم ہوا کہ انسان کا اللہ کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل ہونا گویا شیطانی وساوس کو دعوت دینا ہے۔یاد رہے کہ ابن آدم (انسان) سے مراد مسلمان غافل ہے نہ کہ کافر۔کافر کے دل سے تو شیطان ایمان سے نکلے گا۔کفر کی حالت میں خواہ وہ سارا قرآن پڑھ جائے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔صاحب ایمان کیلئے اللہ کا ذکر شیطان اور اس کے لشکروں کے خلاف ایک بہت بڑا ہتھیار اور مومن کا اسلحہ ہے۔جب تک وہ ذکر الٰہی سے مسلح رہتا ہے۔شیطان اس کے قریب نہیں پھٹکتا۔شیطان لعین کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کو غیر مسلح کر دے اور پھر اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو جائے اور اس کا اسلحہ چھین کر اسے غیر مسلح کر دے یعنی اللہ کی یاد سے غافل کر دے تاکہ انسان اپنے دفاع سے کلی طو پر محروم ہو جائے۔اس لئے ذکر کی مداومت نہ صرف شیطان اور گناہوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے بلکہ قرب الٰہی اور واصل حق ہونے کا بے خطا نسخہ ہے اور تمام روحانی امراض کا علاج ہے۔استغفار بھی ذکر الٰہی میں داخل ہے۔نماز

تلاوت قرآن اور دیگر ورد و وظائف سب ذکر الٰہی میں شمار ہوتے ہیں۔

(5) توبہ

توبہ کے معنی ہیں واپس آنا، لوٹ آنا، (برائی سے اچھائی کی طرف، گناہ کو چھوڑ کر خالق و مالک کی طرف) رجوع کرنا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

1- ''اے مومنو تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرو تا کہ نجات پا جاؤ'' (النور-۳۱)

2- اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں (الحجرات-۱۱)

اللہ رب العزت کے یہ احکامات انسان کی دنیوی اور اخروی بھلائی کیلئے ہیں وہ رحیم و کریم آقا چاہتا ہے کہ میرا بندہ میری بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلتا رہے۔ تا کہ اس جہان فانی کی خوبیاں بھی اپنے دامن میں سمیٹ لے اور اخروی نجات بھی حاصل کر لے۔

انسان کو گناہ یا کسی برائی کی طرف مائل یا راغب کرنے کے دو بڑے عوامل ہیں ایک بندے کا اپنا نفس اور دوسرا شیطان اور یہی دونو انسان کے حقیقی دشمن ہیں۔ انسان اپنی بشری کمزوریوں کی وجہ سے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے یا شیطان کے بہکاوے پر برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور اپنے خالق و مالک کے بتائے ہوئے۔ رشد و ہدایت کے راستوں کو چھوڑ کر نفس و شیطان کی پیروی شروع کر دیتا ہے حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شیطان تمہیں ڈراتا ہے تنگ دستی سے اور تم کو بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے مغفرت کا اور فضل (وکرم) کا۔ (البقرہ-۲۶۸)

جب بندے کا ضمیر اس کو ٹوکتا ہے اور غفلت کے پردے اس کی آنکھوں سے

ہٹتے ہیں تو وہ نادم اور پشیمان ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔اپنے کیئے پشیمان ہو کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کا نام ہی توبہ ہے۔توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا۔لوٹ آنا بدی سے نیکی کی طرف شر سے خیر کی طرف، بغاوت وسرکشی سے اطاعت وفرمانبرداری کی طرف اور اسی لوٹ آنے اور خالق و مالک کی طرف رجوع کرنے سے اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ بہت خوش ہوتا ہے۔جس طرح کی خوشی کسی بھاگے ہوئے غلام کے واپس اپنے مالک کے پاس لوٹ آنے سے مالک کو ہوتی ہے۔اس کی مثال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں اس طرح دی ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔جو جانوروں کی ہلاکت والی زمین میں اترے۔اس کے ساتھ سواری ہے جس پر اس کا کھانا اور پانی ہے۔پس اس نے سر رکھا کچھ سو گیا۔جاگا تو اس کی سواری (کہیں) جا چکی تھی۔اسے بہت ڈھونڈ رہا تھا۔حتیٰ کہ اس کی دھوپ یا پیاس یا جو اللہ نے چاہا غالب آ گئی تو بولا کہ میں اپنی اسی جگہ لوٹ جاؤں جہاں تھا۔وہاں سو جاؤں حتیٰ کہ مر جاؤں۔اپنے بازوں پر مرنے کیلئے سر رکھ دیا۔پھر جاگا تو اسکی سواری اس کے پاس تھی۔جس پر اس کا توشہ، پانی تھا۔اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے۔جو (اپنی) سواری اور توشہ کے (ملنے پر) خوش ہوا۔(مسلم)

خالق بھی کار ساز بھی پروردگار بھی
وہ جس کی ذات پردہ کشا پردہ دار بھی
مجھ سے گنہگار کو بخشش کی ہے امید
اس سے کہ جو کریم ہے آمرزگار بھی

مختصراً توبہ کا طریقہ

توبہ چونکہ خطاؤں، غلط کاریوں، گناہوں اور بدکاریوں سے واپسی کا عمل ہے اور لوٹ کر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے تعلق رکھتا ہے اس لئے پختہ ارادے اور خلوص نیت کے ساتھ گناہوں کی دنیا کو خیر باد کہہ کر اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن ہونے کیلئے معصیت کاریوں میں استعمال ہونے والے ساز وسامان، اشیاء اور آلات وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے یکسر اور کلی اجتناب کیا جائے۔ اور توبہ کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے کوئی نیک عمل کیا جائے کیونکہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں) اور چونکہ عبادات میں اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل نماز ہے جو کہ بروئے حدیث پاک، دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے۔ اس لئے توبہ کی دعا کرنے سے پہلے توبہ کی نیت سے دو نفل ادا کئے جائیں۔

مسند احمد میں حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اگر کوئی بندہ مومن گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ کھڑا ہوتا ہے، نماز پڑھتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے"۔ (ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

پس وہ اچھی طرح وضو کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور دو رکعت نفل توبہ کی نیت سے ادا کرے پھر اللہ کی تسبیح وتحمید کے بعد نبی کریم رؤف الرحیم پر درود شریف پڑھے اور پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے خلوص نیت اور سچے دل سے روتے

اور گڑگڑاتے ہوئے توبہ کرے کہ اے میرے کریم ورحیم مولےٰ میرے گناہ معاف فرما۔میں سچے دل سے توبہ کرتا ہوں آئندہ اس گناہ (یا گناہوں) کا اعادہ نہیں کرونگا۔مجھے توفیق بھی عطا فرما کہ معصیت اور گناہوں سے بچا رہوں ۔میرے مولا تیرے سوا کوئی بخشنے والا اور محفوظ رکھنے والا نہیں۔

دعائے توبہ پوری توجہ اور دل ودماغ کی حاضری کے ساتھ کی جائے اور یہ تصور کیا جائے کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں بیٹھا ہوں اور وہ میری آہ وزاری سن رہا ہے۔اور ہر لحاظ سے پرامید ہو کر دعا کرے کہ وہ میرے گناہوں کو ضرور بخش دے گا۔ ناامیدی گناہ ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "میرے بندوں کو خبر کرو کہ میں بہت بخشنے والا اور بہت ہی مہربان ہوں"۔(الحجر-۴۹)

اے ربِّ علا! خالقِ بحروبر! بھروسہ ہے مجھ کو تیری ذات پر
نگاہیں ہیں لاتقنطوا پر مری خطاکار پر ہو عنایت تری

دعا کے بعد اللہ کی راہ میں کچھ مال صدقہ وخیرات کر دے۔توبہ کی قبولیت کیلئے معاون ہوگا۔

چند دیگر ضروری امور بسلسلہ توبہ

توبہ کی قبولیت کیلئے چند دیگر ضروری امور کا پورا کرنا بھی بہت ضروری ہے جس میں حقوق وفرائض کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

(6) ترک شدہ فرائض کی ادائیگی (قضاء)

ترک شدہ فرائض میں وہ فرائض شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد ہیں ان میں نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ شامل ہیں۔جتنی نمازیں چھوٹ گئی ہیں ان کی قضا کرے

۔پچھلی زکوۃ اگر ادا نہیں کر سکا تو وہ ادا کرے۔اسی طرح اگر رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکا تو ان کی قضا پوری کرے۔اور ارکان اسلام کی سختی سے پابندی کرے۔

(7) حقوق کی ادائیگی

فرائض کی طرح حقوق کی ادائیگی ان سے بھی زیادہ اہم ہے۔کسی کا حق مارا ہو، کسی کی امانت میں خیانت کی ہو، کسی کا مال چرایا ہو یا ڈاکہ زنی کی ہو تو مالکوں کو ان کا حق لوٹایا جائے۔مالی اداروں میں ذمہ دار منصب پر ہوتے ہوئے کوئی غبن وغیرہ کیا ہو تو وہ واپس اس مد میں جمع کرایا جائے۔کسی کی تذلیل یا بے عزتی کی ہو تو اس سے معافی مانگی جائے۔جس قسم کے ماحول میں بے عزتی کی ہو یا گالی وغیرہ دی ہو اسی قسم کے ماحول یا اجتماع میں معافی طلب کی جائے۔

توبہ کا وقت اور مدت

جب انسان کو اپنے گناہوں پر احساس ندامت دامنگیر ہو جائے تو توبہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انسان اپنی موت سے بے خبر ہے۔کسی بشر کو بھی کوئی علم نہیں کہ اس کی موت کب واقع ہو جائے۔موت کسی کی عمر کا انتظار نہیں کرتی۔وہ نہ بچہ دیکھتی ہے نہ جوان نہ بوڑھا نہ بیمار نہ تندرست۔جب وقت آ جاتا ہے تو وہ ٹل نہیں سکتی۔ اس لئے جو وقت ہمیں میسر ہے اس کو غنیمت جانتے ہوئے جس قدر جلد ہو سکے گناہوں سے توبہ کر لینی چاہیے۔تاکہ موت سے پہلے پہلے گناہوں کا کھاتہ صاف ہو جائے اور نامہ اعمال اس قابل ہو جائے کہ روز حشر دائیں ہاتھ میں ملے۔اس جلدی کیلئے ارشاد خداوندی ہے۔

"دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے اور (دوڑو) جنت کی طرف

جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جتنی ہے"۔(آل عمران۔ ۱۳۳)

توبہ کی مدت اور مخصوص وقت کے تعین کے سلسلے میں متعدد احادیث منقول ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

"حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا دستِ کرم رات کو پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کر لے اور دن کو پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے۔ یہ کرم نوازی اس وقت تک ہوگی جب کہ سورج مغرب سے نکلے"۔(مسلم)

اس حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے رات کو اور دن کو ہاتھ پھیلانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی مغفرت اور دامن عفور کرم وسیع کرتا ہے تاکہ ہر مومن جلد از جلد اس کی ردائے رحمت میں پناہ لے لے اور عفوو رحمت کا یہ دروازہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہیں ہوتا۔ سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا نشانی ہے روز قیامت کے وقوع پذیر ہوئے کی۔ گویا توبہ کا دروازہ قیامت کے واقع ہونے تک کھلا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزید ارشاد ہے:

اس حدیث مبارکہ کو حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لے گا۔(مسلم)

اس حدیث مبارکہ میں بھی سورج کے مغرب سے طلوع ہونے یعنی قیامت کے بپا ہونے سے پہلے توبہ کر لینے کی ہدایت کی گئی ہے البتہ ساتھ یہ نوید بھی ہے کہ جو کوئی قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے پہلے سچے دل سے توبہ کر لے گا اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔

وہ لوگ جو قیامت یا روزحشر کے بپا ہونے سے پہلے ہی فوت ہو جائیں گے ان کی توبہ کیلئے وقت کا تعین مندرجہ ذیل حدیث سے واضح ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

اس حدیث پاک میں غرغرہ سے مراد وہ وقت ہے جب کہ بندے کو نزع کی حالت میں فرشتے نظر آ جائیں۔

توبہ توبہ

یاالٰہی! گنہگار ہوں میں
یاالٰہی! سیاہ کار رہوں میں

اپنے اعمال پر ہوں شرمندہ
اپنے افعال پر ہوں شرمندہ

تیرے قہر و غضب سے ڈرتا ہوں
توبہ کرتا ہوں توبہ کرتا ہوں

میں کہاں اور ترا عتاب کہاں
قہر کی تیرے مجھ کو تاب کہاں

تو نے اک حکم آشکار کیا
مغفرت کا امیدوار کیا

رحمت خاص عام کی تو نے
نا امیدی حرام کی تو نے

میں ہوں امیدوار رحمت کا
مجھ کو ہے انتظار رحمت کا

تو نے دی ہے مجھ کو خوشخبری
سَبَقَتْ رَحْمَتِی عَلٰی غَضَبِی

شرک و بدعت سے توبہ کرتا ہوں
کبر و نخوت سے توبہ کرتا ہوں

توبہ توبہ غرور سے توبہ
کفر و فسق و فجور سے توبہ

(حافظ پیلی بھیتی)

توبہ کی قبولیت میں صدقات کی اہمیت

اسی باب میں ندامت اور اعتراف گناہ کے عنوانات کے تحت غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جو صحابہ جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے وہ اپنے اس عمل پر پشیمان ہوئے اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے ابولبابہؓ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ سورۃ توبہ کی آیت نمبر 102 کی رو سے جب ان کی توبہ کی قبولیت کے احکامات نازل ہوئے اور ان کو ستونوں سے کھول دیا گیا تو یہ اپنا سارا ساز و سامان گھروں سے اٹھا کر لے آئے اور عرض کیا "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مال و اسباب کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہ ہو سکے اس لئے حضور اسے فی سبیل اللہ تقسیم کر دیجئے ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا"

چنانچہ سورۃ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی:

ترجمہ: "اے نبیؐ آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیں (اور اس ذریعہ سے) ان کو پاک کریں اور بابرکت بنائیں اور ان کے حق میں دعائے رحمت کریں۔ کیونکہ آپ کی دعا ان کیلئے باعث تسکین ہوگی۔" (توبہ۔۱۰۳)

چنانچہ آپ نے ان کے مال میں سے ایک تہائی لے لیا اور فی سبیل اللہ وقف کر دیا۔ اس واقعہ سے ایک مفید نکتہ ملتا ہے کہ گناہوں کیلئے زبان اور قلب کی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی توبہ کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔ اور اس عمل کی ایک بہتر صورت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی راہ میں مال خیرات کرے۔ اس سے گناہ کی نحوست جو تھوڑی بہت توبہ کے بعد باقی رہ جاتی ہے دور ہو جاتی ہے اور انسان کا نفس پاکیزگی کی طرف آ جاتا ہے۔ خیر

کی طرف پلٹنے کی استعداد بڑھتی ہے اور آئینہ دل جو گناہ کے گردو غبار سے آلودہ ہو جاتا ہے وہ بھی صاف ہو جاتا ہے۔

اس لئے توبہ کی قبولیت کے ساتھ ساتھ صدقات کا کردار بھی اپنی جگہ بہت اہم ہے کچھ مفسرین نے اس آیت میں صدقہ سے مراد زکوٰۃ کو لیا ہے اور نفلی صدقہ بھی۔ ان سے انسان کے مال کی اور ان کی ذات کی تطہیر بھی ہوتی ہے اور تزکیہ بھی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات انسان کے اخلاق و کردار کی طہارت اور پاکیزگی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔

صدقے کو صدقہ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خرچ کرنے والا اپنے دعوائے ایمان میں صادق (سچا) ہے۔ سچی توبہ سے اگرچہ گناہ تو معاف ہو جاتا ہے مگر گناہ کے معاف ہونے کے بعد اس کی کچھ کدورت اور ظلمت باقی رہ سکتی ہے جو آئندہ گناہ کے ارتکاب کا باعث بن سکتی ہے۔ صدقہ کرنے سے وہ کدورت دور ہو کر تطہیر کامل ہو جائے گی۔

کفّارات

کفارہ کے لغوی معنی ہیں مٹانے والا (محو کر دینے والا) کفارہ سے مراد یہ ہے کہ کسی خطا یا گناہ کی وہ سزا جو آخرت کا عذاب کم کرنے کیلئے دنیا میں ہی مقرر کر دی گئی ہو وہ کفارہ کہلاتی ہے یعنی گناہوں کو مٹانے والی جیسا کہ فرض و واجب روزہ توڑنے کے گناہ کا کفارہ دو ماہ کے متواتر روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور کفارہ دینے کے معنی ہیں گناہ کا جرمانہ ادا کرنا۔

اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان اور ماں سے زیادہ شفیق اور

رحم کرنے والا ہے۔وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی رحمت تو بندے کو بخشنے کیلئے بہانے تلاش کرتی ہے۔اس کا ارشاد ہے۔

''اگر تم بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو تمہاری خفیف برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ (جنت میں) داخل کرینگے۔'' (النساء۔۳۱)

آیت مذکورہ بالا کی تشریح یوں ہے کہ ایک تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے وہ چھوٹے گناہوں سے درگزر فرماتے ہوئے انہیں معاف کر دیتا ہے۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کی چھوٹی چھوٹی نیکیاں اس صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ وضو کرتے ہوئے ہر عضو کے دھونے سے اُس عضو کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔پھر جب مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔اسی طرح نماز اور دیگر اعمالِ صالحہ سے گناہوں کا کفارہ ہوتا رہتا ہے یعنی گناہ مٹتے رہتے ہیں۔ان سب گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔کبیرہ گناہ تو سچی توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے۔

حاکم اور بیہقی نے معاذ ابن جبلؓ سے روایت کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''پانچوں نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک کفارہ ہیں ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہوئے۔جبکہ وہ کبیرہ گناہ سے اجتناب کرے''۔(مسلم)

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو۔وہ اس مین روزانہ پانچ وقت غسل کرتا ہو تو کیا اس کے

جسم پر کوئی میل باقی رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کوئی میل باقی نہیں رہے گا۔ آپؐ نے فرمایا پانچ نمازوں کی یہی مثال ہے۔ اللہ ان سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

افضل ترین نیکی کفارۂ گناہ

یہ تو تھا نمازوں کا معاملہ کہ ان سے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ کسی گناہ کے بعد کوئی بھی نیکی کر لی جائے تو وہ اس گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ اس کی تائید میں ایک حدیث حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی نیک کام کرو تا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه نیکیوں میں سے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ نیکیوں سے افضل ترین نیکی ہے"۔

یہ تو تھیں عبادات ان کا درجہ تو بہت بلند ہے اور ان کی برکات بھی وسیع ہیں اور نیکیاں تو ہیں یہ نیکیاں۔ وہ کریم ورحیم پروردگار اپنے مومن بندوں پر اس قدر مہربان ہے کہ بندے کو کوئی مشکل پیش آ جاتی ہے یا کسی مصیبت یا رنج والم سے دوچار ہوتا ہے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں اور مومن بندے کے گناہ مٹ جاتے ہیں اور درجات بھی بلند ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل احادیث شاہد ہیں۔

i- حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو تکلیف، بیماری، رنج وغم، ایذائے غم حتی کہ اسے کوئی کانٹا بھی چھبتا ہے تو اس کی برکت سے اللہ خطائیں مٹا دیتا ہے (مسلم۔ بخاری)

ii- حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ کو بخار تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے جسم اطہر کو چھوا تو عرض کیا یا رسول اللہ حضور ﷺ کو بخار بھی بہت سخت آتا ہے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! مجھ کو تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوا کرتا ہے وہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ یہ اس لئے ہوگا کہ حضور کا ثواب بھی دگنا ہے۔ فرمایا ہاں! پھر فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جسے کوئی تکلیف بیماری وغیرہ پہنچے مگر اللہ تعالیٰ اس کے گناہ یوں جھاڑ دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتوں کو۔ (مسلم و بخاری)

iii- حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن اور مومنہ کو اس کی جان و مال اور اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ رب سے اس طرح ملتا ہے کہ اُس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ (ترمذی)

iv- عامر رام خضریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ مومن کو جب بیماری پہنچتی ہے۔ پھر اللہ اسے آرام دے دیتا ہے تو یہ گذشتہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کیلئے نصیحت (ابوداؤد)

حج و عمرہ

حج:

گناہوں سے پاک ہونے کا بہترین ذریعہ ہے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے حج کیا اور اس میں کسی شہوانی اور فحش بات کا ارتکاب نہ کیا اور نہ کوئی نافرمانی کی تو گناہوں سے ایسا پاک ہو کر واپس لوٹے گا جیسا وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

عمرہ

عمرہ ایک چھوٹا حج ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جو ان کے درمیان سرزد ہوں" (بخاری ومسلم)

تسبیح مع تحمید (سُبحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)

اِذَاجَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ○

ترجمہ: جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ اور تو لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں آتا دیکھ لے تو اپنے رب کی تسبیح بیان کر حمد کے ساتھ اور اس سے مغفرت طلب کر۔ یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (سورۃ النصر)

نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورۃ ہے جو آپ پر حجتہ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی اور اس کے نزول کے تقریباً اسی روز بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا متعدد احادیث میں ہے کہ اس سورۃ میں آپ کی وفات کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے تسبیح اور استغفار کی کثرت کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت کی تسبیح حمد کے ساتھ بیان کرنے اور مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ انبیاء تو معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو امام الانبیاء اور خاتم النبین ہیں۔ پھر یہ مغفرت کی استدعا یہ سب درجات کی بلندی محض ہم جیسے گنہگار امتیوں کیلئے ایک ترغیب اور نجات اخروی کیلئے ایک سبق ہے۔ اور خالق کون ومکاں سے مانگنے اور مغفرت کیلئے استدعا کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔ جیسا کہ آخری آیت میں ارشاد ہے

کہ تسبیح بیان کریں حمد کے ساتھ۔اس سے مراد ہے سبحان اللہ کہنا اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ بیان کرنا یعنی اس طرح کہ کہا جائے (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) ان کلمات کی بہت زیادہ فضیلت احادیث میں بیان ہوئی ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی چاہنے اور مغفرت طلب کرنے سے قبل اس غفور الرحیم کی توصیف وحمد بیان کرنا دعائے مغفرت کی قبولیت کیلئے انتہائی مفید ومعاون ہے مذکوہ کلمات کی فضیلت میں احادیث درج کی جاتی ہیں۔

(i) سب گناہ معاف

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو (شخص) دن میں سو دفعہ (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) پڑھے اس کی تمام خطائیں بخش دی جائینگی اگرچہ کفِ دریا یعنی سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔(مسلم و بخاری)

(ii) سب سے بہتر عمل

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صبح وشام سو دفعہ (سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) پڑھ لیا کرے تو قیامت کے دن کوئی شخص اس سے بہتر عمل نہیں لائے گا سوائے اس کے جو اس کی مانند یا اس سے زیادہ پڑھے (مسلم و بخاری)

(iii) میزان میں سب سے وزنی کلمہ

انہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے ہیں۔ترازو میں بھاری اور رحمان کو پیارے ہیں۔

(سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ) (سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ط) ۔(مسلم و بخاری)

(iv) ایک ہزار نیکیاں اور ایک ہزار گناہ معاف

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ حضور نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ روزانہ ایک ہزار نیکیاں کرلیا کرے۔ ہم نشینوں میں سے کسی نے پوچھا کہ کوئی روزانہ ہزار نیکیاں کیسے کرسکتا ہے۔ فرمایا ایک سو دفعہ سُبۡحَانَ اللّٰہ پڑھ لیا کرے اس کیلئے ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی ہزار خطائیں معاف کی جائیں گی۔ (مسلم)

(v) افضل ترین ذکر اور افضل ترین دعا

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افضل ترین ذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے اور افضل ترین دعا سُبۡحَانَ اللّٰہ ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

سب (چیزوں) سے پیارا ذکر جن پر سورج طلوع ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكۡبَرُ کہنا مجھے ان سب (چیزوں) سے پیارا ہے جن پر سورج طلوع ہوا۔ (مسلم)

عرفہ اور عاشورہ کا روزہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ یعنی حج والے دن کا روزہ ایسا ہے کہ ایک سال پچھلے اور ایک سال اگلے گناہوں کا کفارہ ہے اور محرم کی دس تاریخ کے بارے میں میرا گمان ہے کہ یہ آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ (ترمذی)

نوٹ: جو لوگ حج کے لئے میدان عرفات میں جمع ہوں ان کیلئے یہ روزہ نہیں ہے۔

کعب بن مالک اور ساتھیوں کی توبہ

غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جن تین صحابہ کا ذکر ہو رہا ہے ان کے اسماء یہ ہیں کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو روایت مندرج ہے جس کے راوی خود حضرت کعب ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں۔

جن دنوں غزوۂ تبوک کے لیے تیاری ہو رہی تھی میری صحت اور میری حالت بہت اچھی تھی۔ میرے پاس سواری کے لیے دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پیشتر کبھی میرے پاس سواری کے لیے دو جانور جمع نہیں ہوئے تھے۔ جمعرات کے دنؐ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ میں نے دل میں سوچا کہ چند ضروری کاموں سے جلدی جلدی فارغ ہو کر میں لشکر کے ساتھ جا ملوں گا۔ ایک دن بھی گزر گیا لیکن مجھے ان کاموں سے فراغت نہ ہوئی۔ دوسرا تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا لیکن میں فارغ نہ ہوا۔ جب کئی دن گزر گئے تو میں نے خیال کیا کہ اب تو لشکر بہت دور چلا گیا ہوگا اور اب میرا جانا بے سود ہے۔ چنانچہ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں بازار جاتا تو مجھے ان لوگوں کے سوا جو نفاق کی تہمت سے متہم تھے یا جو معذور تھے اور جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے اور کوئی مسلمان دکھائی نہ دیتا۔ مجھے اس حرماں نصیبی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک بار خیال آیا بھی کہ اگرچہ تاخیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی چلا جاتا ہوں۔ کاش! میں ایسا کرتا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضورؐ کے بخیر و عافیت مراجعت فرما ہونے کی اطلاعیں آنے لگیں مجھے رنج و غم نے آلیا۔ میں سوچنے لگا کہ بارگاہ رسالت

میں اپنی اس غیر حاضری کے لیے کیا عذر پیش کروں۔ خود بھی غور و فکر کیا کرتا اور دانشوروں سے بھی مشورہ لیا کرتا۔ حضورؐ جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو یکا یک تذبذب کی کیفیت جاتی رہی اور دل میں ٹھان لی کہ سچ سچ عرض کر دوں گا۔ اور اس بارگاہ میں اگر پناہ مل سکتی ہے تو سچ سے ہی مل سکتی ہے۔ جھوٹ بول کر تو اپنے آپ کو رسوا ہی کرنا ہے۔ حضور کریمؐ کی سنت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو نفل پڑھا کرتے اس کے بعد حضرت خاتون جنت کے ہاں قدم رنجہ فرماتے اور اس کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں کو زینت بخشتے۔ جب نبی رحمت مسجد میں تشریف لے آئے اور نفلوں سے فارغ ہو کر بیٹھے تو منافقین گروہ در گروہ حاضر ہو کر جھوٹے بہانے پیش کرنے لگے اور نبی کریمؐ ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کو تفویض کر کے ان کی ظاہر عذر داریوں کو قبول فرما لیتے۔ مجھے بھی بعض لوگوں نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حرماں نصیبی کی سچی سچی داستان عرض کر دی۔ حضورؐ نے میری عرضداشت سن کر فرمایا "اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ جاؤ اٹھو تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔" کئی لوگوں نے مجھے بڑی سرزنش کی کہ تم نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ واپس جا کر کوئی عذر پیش کروں لیکن پھر معاً یہ خیال آیا کہ ایک گناہ تو کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں کہ بارگاہ نبوت میں جھوٹ بولوں۔ میں یہ جرات ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ کسی اور کو بھی اس قسم کا حکم ملا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کو بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی منع فرمایا۔ اب ہمارے ساتھ نہ کوئی ہم کلام ہوتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا کہ

یہ وہ لوگ ہی نہیں جو پہلے تھے اور جن کو ہم جانتے تھے۔ یہ وہ دیس ہی نہیں ہے جس میں ہم نے عمر گزاری بلکہ یہ کوئی نیا دیس ہے جس کے کوچہ و بازار اور درو دیوار ہمارے لئے اجنبی اور بالکل غیر مانوس ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی اور نبی کریم نے نماز جنازہ نہ پڑھائی تو کیا بنے گا۔ یا خدانخواستہ اس عرصہ میں حضورؐ اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے تو میں عمر بھر اسی طرح سب لوگوں میں ذلیل و خوار ہوتا رہوں گا۔ میرے دو دوسرے ساتھی تو رات دن گریہ وزاری میں گزار دیتے۔ انھیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ انھوں نے تو باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ میں کبھی کبھی بازار آتا لیکن نہ کوئی مجھے سلام کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچا زاد بھائی ابی قتادہ کے پاس چلا گیا جو اس وقت اپنے باغ میں تھا۔ مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام دیا اس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا اے بھائی کیا تمھیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا وہ بولا تک نہیں۔ آخر چوتھی بار جب میں نے اسے یہی بات کہی تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بے اختیار میرے آنسو بہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا۔ یہ خط غسان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آجا، دیکھ میں کس طرح تیری قدردانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور

میں نے اس خط کو نذر آتش کر دیا اور اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو یہ جرات ہو رہی ہے۔ کہ میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالے۔ اس رنج و غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں جایا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا۔ اور پھر یہ دیکھا کرتا کہ کیا لب مبارک کو جنبش ہوئی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بیکس نواز آقا اپنی نگاہ لطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو اعراض فرمالیے۔ یہ لمحے میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ صحابی دوڑتے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا وہ حمزہ الاسلمی تھے۔ میں نے فرط مسرت میں دونوں کپڑے اتار کر اسے دے دیئے۔ پھر میں بارگاہ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لیے آرہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے مبارک ہو۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میری توبہ تو یہ ہے کہ میں اپنا سب مال و متاع اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں لیکن آپ نے ایک تہائی مال صدقہ کرنے کی اجازت دی۔ پھر میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات ملی ہے۔ اس لئے میں زندگی بھر سچ کے سوا کوئی کلمہ نہیں بولوں گا۔

ان تین پاکبازوں کے ذکر کے بعد جنھوں نے منافقوں کی طرح اللہ کے

رسول کی جناب میں جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کی اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی نگاہ لطف و کرم ان کی طرف مائل ہوئی اور اس کا ابر رحمت ان پر برسا اور ان کی کشت ایمان کو شاداب کر گیا۔ اب عام مسلمانوں کو انھیں کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہدایت کی جارہی ہے کیونکہ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ انسان سے خطا ہو جائے تو اعتراف جرم اور اظہار ندامت کے بعد عفو و درگزر کی التجا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی بھی اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ حدیث پاک بھی یقیناً مفید ہوگی۔ اس لیے اسے بھی تحریر کیسے دیتا ہوں۔ فرمایا "ہمیشہ سچ بولا کرو۔ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور انسان جب سچ بولتا رہتا ہے اور سچ بولنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اسے صدیق کا لقب عطا فرما دیا جاتا ہے۔

باب ہفتم

کن کی توبہ قبول نہیں

جن لوگوں کی توبہ قبول نہ ہونے کا قرآن پاک اور احادیث میں ذکر ہے ان میں کفار، مشرکین، منافقین، فاسقین اور گنہگار مومنین شامل ہیں۔ کچھ کی توبہ ہرگز قبول نہ ہونے میں قطعیت کا اظہار ہے اور کچھ کی توبہ موت کے وقت سے پہلے مشروط ہے۔ توبہ کا قبول عام آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے یعنی وقوع قیامت کے آثار سامنے آجانے سے پہلے ہے۔ آیات قرآنی اور احادیث ملاحظہ ہوں۔

☆ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خَالِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ط

یقیناً جو کفار اپنے کفر پر مر جائیں ان پر اللہ تعالیٰ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ (البقرہ۔۱۶۱،۱۶۲)

☆ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الضَّآلُّوْنَ (آل عمران۔۹۰)

بے شک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر کریں پھر کفر میں بڑھ جائیں ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی یہی گمراہ لوگ ہیں۔

☆ وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا

اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے جائیں پھر یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو کہہ دے کہ اب

الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰئِکَ اَعْتَدْنَا لَھُمْ عَذَاباً اَلِیْماً (النسا۔۱۸)

میں نے توبہ کی اور ان کی توبہ بھی قبول نہیں جو کفر پر ہی مر جائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے

اب لوگوں کی مذکورہ بالا اقسام کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

کفار

کفار کافر کی جمع ہے۔ یہ لفظ کفر سے بنا ہے۔ کفر کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلے میں بولا جاتا ہے۔ ایمان کے معنی ہیں مان لینا، قبول کرنا، تسلیم کر لینا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، روک دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رو سے کفر کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ انسان سرے سے خدا ہی کو نہ مانے، اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہ کرے اور اس کو ساری کائنات کا خالق و مالک اور واحد معبود نہ مانے، دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اس کے احکامات و ہدایات، علم و قانون کو نہ مانے تیسرے یہ کہ اللہ کا پیغام اور احکام لانے والے نبیوں اور پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے۔ کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔

پانچویں یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں کے ذریعے آنے والی تعلیمات وعقائد و احکام کو یا ان میں سے کسی کو قبول نہ کرے۔

چھٹے یہ کہ سب چیزوں کو مان لے مگر دانستہ ان کی نافرمانی کرے اور اس پر اصرار بھی کرے۔

یہ سب مختلف طرز ہائے فکر و عمل اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں باغیانہ ہیں۔ اور

ان میں سے ہر ایک رویے کو قرآن پاک کفر قرار دیتا ہے۔ کفار کیلئے مزید احکام قرآنی کے تراجم ملاحظہ ہوں۔

☆ جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا ایمان لا کر پھر کفر کیا پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے اور اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا اور نہ ہی ان کو راہ ہدایت دکھائے گا۔ (النساء۔۱۳۶۔۱۳۷)

☆ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ (النساء۔۱۶۸)

☆ جنہوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں۔ (المائدہ۔۱۰)

الحدیث: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے غرغرہ سے پہلے۔ (ترمذی)

غرغرہ سے مراد ہے نزع کی حالت جب موت کے فرشتے نظر آ جائیں۔

اس وقت کفر سے توبہ قبول نہیں کیونکہ ایمان کیلئے ایمان بالغیب ہونا ضروری ہے اب غیب مشاہدہ میں آ گیا اسی لئے فرعون کی توبہ قبول نہیں ہوئی تھی۔ جب اس نے آثار موت دیکھے اور غیب کی چیزیں مشاہدہ میں آ گئیں تو پکار اٹھا اٰمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی موسیٰ کے رب پر ایمان لایا لیکن توبہ کا وقت تو گزر چکا تھا۔

مشرکین

مشرکین مشرک کی جمع ہے۔ اور مشرک کہتے ہیں شرک کرنے والے کو۔

شرک کے لغوی معنی ہیں شریک کرنا اور شریعت محمدیہ کی رو سے شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات یا حاکمیت اعلیٰ میں کسی اور کو شریک کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی معبود حقیقی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی عبادت جائز نہیں۔ کچھ مذاہب چاند، سورج، ستاروں، دریاؤں، درختوں، جانوروں اور دیگر مظاہر قدرت کے علاوہ اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے پتھر کے بتوں اور مورتیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ یہ سب شرک میں داخل ہے۔

وہی خالق و مالک اور پروردگار ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ سب کا ہادی و راہنما ہے۔ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی ثانی و ہمسر نہیں۔ وہ ہر عیب سے پاک اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ وہ روز حشر اور جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔ وہ جس کو ہدایت دے کوئی اس کو گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اس کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک کرنے والا ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے اور مشرک کی بخشش کسی صورت نہیں ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شرک

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ اور جو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بہتان باندھا اور گناہ عظیم کیا۔ (النساء۔۴۸)

علامہ ابوعبداللہ الانصاری قرطبی نے اپنی تفسیر الجامع الاحکام القرآن میں شرک کے متعلق بہترین بحث کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین درجے ہیں اور تینوں حرام ہیں۔

1- اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی انسان، جن، شجر و حجر کو اِلٰہ (معبود) یقین کرنا یہی شرک اعظم ہے اور عہد جاہلیت کے مشرکین یہی شرک کرتے تھے۔ جیسے سورۃ

الصّٰفّٰت میں ان کے متعلق ہے کہ "جب انہیں بتایا جاتا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے اور کہتے کیا اس شاعر دیوانہ کے
کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں۔"

2- شرک کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ مستقل
طور پر اور بالذات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس شخص کو اِلٰہ
نہ مانتا ہو۔

3- کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور یہ "ریا" ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے
عمل کی قبولیت کیلئے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے
کیا جائے۔ جہاں ریا آ گئی وہ عمل ضائع ہو گیا۔

ریا کاری (شرکِ اصغر)

ریا کاری سے مراد ہے نمود و نمائش، دکھاوا وغیرہ یعنی وہ نیک عمل یا عبادت جو
اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے کرنا تھا اس میں کسی اور کو شامل کر لیا کہ فلاں دیکھے گا تو
سمجھے گا کہ بڑا نمازی و پرہیز گار ہے۔ اس طرح وہ دوسرے لوگوں کو جن کو دکھلاوے کیلئے
وہ عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لیتا ہے۔ اور اس کا وہ عمل خالصتاً اللہ کیلئے نہیں رہ جاتا
اور وہ اس شرک اصغر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ حدیث نبوی ہے۔

جو شخص ریا کاری سے نماز پڑھتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ جو شخص ریا کاری سے
روزہ رکھتا ہے وہ شرک کرتا ہے۔ جو شخص ریا کاری سے صدقہ (خیرات) کرتا ہے وہ
شرک کرتا ہے"۔ (مشکوٰۃ)

شرک ایک ایسا گناہ ہے جس سے بڑا اور برا کوئی اور گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی

شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اور ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی رضا اور خوشنودی کو بھی شامل کر لیتا ہے تو اس کی ساری نیکی ضائع جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

☆ ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ پس آپ اللہ کی عبادت کریں طاعت و بندگی کو اسی کیلئے خالص کرتے ہوئے خبردار دینِ خالص اللہ ہی کا حق ہے۔ (الزمر۔۲،۳)

دین کے معنی طاعت اور عبادت و بندگی کے ہیں۔ اور اخلاص کا مطلب ہے صرف اور صرف اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے نیک عمل کرنا۔ جیسا کہ صحیح حدیث مبارکہ میں ارشاد نبویؐ ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّات (عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے) اس کار خیر میں جیسی نیت ہوگی اس کے مطابق اس کا اجر و ثواب مرتب ہوگا۔ اسی لئے مندرجہ بالا آیت کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ فقط اللہ کی عبادت کرو، اور اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اپنے خالق حقیقی کے بغیر کسی اور کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اللہ تعالیٰ سے بغاوت ہے۔ اپنے خالق و مالک حقیقی کے احکام کو نظر انداز کر کے کسی غیر کی اطاعت کا دم بھرنا کسی صاحب ایمان کو زیب نہیں دیتا بلکہ ایسی حرکت کے بعد اس کا نام اہل ایمان کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے اور وہ مشرکین میں شمار ہوتا ہے۔ خالص اور بے آمیز بندگی کا حق فقط اللہ تعالیٰ کا ہے بلکہ بندگی کا مستحق کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ مندرجہ بالا آیت کی تشریح میں ایک حدیث مبارکہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

”ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ و خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضا کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف و ثنا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ

تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں کرتا جس میں کسی غیر کا شریک کیا گیا ہو۔ (قرطبی)

شرک کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد معلوم ہونا چاہیے کہ شرک کیوں ظلم عظیم ہے اور اس جرم کی بخشش کیوں نہیں ہوگی۔ شرک قادر مطلق، خالق و مالکِ کائنات کے خلاف بغاوت ہے۔ اس کی فرمانروائی اور بادشاہی میں کسی کو شریک کرنا اور اس کو آمر مطلق تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ ظاہری حکومتیں سنگین جرم کرنے والوں کیلئے عفوو در گزر کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں۔ لیکن علم بغاوت بلند کرنے والا گردن زدنی ہوتا ہے۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ اس حقیقی بادشاہ جو خالق و مالک بھی ہے اور قادر مطلق بھی اس کی الوہیت کا جو انکار کرے یا کسی اور کو اس جیسا یا اس کا مد مقابل سمجھے اس سے بڑا بھی کوئی اور جرم ہو سکتا ہے۔ یہ قطعی نا قابل معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

☆ بے شک جو لوگ اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرکین سب درزخ کی آگ میں (جائیں گے) جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔ (البینہ-٦)

البتہ اگر وہ موت سے پہلے سچے دل سے توبہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

حضرت امام احمد رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت شدادؓ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت شداد رونے لگے۔ رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی جس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ میری امت شرک اور شہوت خفیہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حضورؐ کی

امت حضور کے بعد شرک کرنے لگے گی؟ فرمایا ہاں! لیکن وہ سورج چاند کی پوجا نہیں کریں گے اور نہ کسی پتھر اور بت کی پوجا کریں گے بلکہ وہ لوگوں کو دکھانے کیلئے عمل (ریا کاری) کریں گے۔

ان احادیث سے واضح ہوا کہ کوئی کام خواہ وہ کتنا ہی نیک اور اعلیٰ درجے کا ہو اگر اس میں ریا اور نمود آ جائے تو بارگاہ رب العالمین میں وہ قطعاً منظور و مقبول نہیں ہوگا۔ وہاں تو وہی عمل قبول ہوتا ہے جس سے فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو۔ ریا سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔ نفس کی انگیخت اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ رہنا اللہ رب العزت کی توفیق اور فضل کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے رسول نے ہماری کمزوریوں پر رحم فرماتے ہوئے ہمیں ایک ایسا طریقہ تعلیم کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ ہم شیطان کی شر انگیزی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تم میں شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ میں تمہیں ایک دعا سکھاتا ہوں اگر تم یہ دعا مانگو گے تو اس کی برکت سے چھوٹا اور بڑا ہر قسم کا شرک تم سے دور ہو جائے گا۔ الفاظ یہ ہیں۔ ان کو تین بار کہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ

ترجمہ: اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس شرک سے جو نادانستہ مجھ سے سرزد ہو۔

ریا کے سلسلے میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

روز حشر سب سے پہلا فیصلہ (عالم، شہید اور سخی)

قیامت کے روز لوگوں میں جن کا فیصلہ سب سے پہلے سنایا جائے گا ان میں ایک شہید ہوگا جس کو سب سے پہلے بلا کر اللہ تعالیٰ اپنی اس نعمت کا اظہار کرے گا جو اس پر کی گئی۔ وہ اس کو تسلیم کرے گا۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا جائے گا کہ اس سے کیا کام لیا۔ وہ کہے گا کہ تیری رضا کیلئے جہاد کیا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ ارشاد ہوگا۔ یہ جھوٹ ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ لوگ بہادر کہیں گے۔ سو کہا جا چکا اور جس غرض کیلئے جہاد کیا گیا تھا وہ حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد اس کو حکم سنا دیا جائیگا۔ اور منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

دوسرے وہ عالم ہوگا جس نے علم پڑھا اور پڑھایا اور قرآن پاک کا علم حاصل کیا۔ اس کو بلا کر جو انعامات اس پر کئے گئے ان کا اظہار کیا جائے گا اور وہ اقرار کرے گا۔ اس کے بعد اس سے بھی پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں سے کیا کام لیا۔ وہ عرض کرے گا تیری رضا کیلئے علم پڑھا اور لوگوں کو پڑھایا۔ قرآن پاک کا علم تیری رضا کیلئے حاصل کیا۔ جواب ملے گا جھوٹ بولتا ہے۔ تو نے علم اس لئے پڑھا تھا کہ لوگ عالم کہیں اور قرآن کا علم اس لئے حاصل کیا تھا کہ لوگ قاری کہیں سو کہا جا چکا (یعنی پڑھنے پڑھانے کی جو غرض تھی وہ پوری ہو چکی) اس کے بعد اس کو بھی حکم سنا دیا جائے گا اور وہ بھی منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

تیسرے وہ مال دار ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے وسعت رزق عطا فرمائی اور ہر قسم کا مال عطا فرمایا۔ اس کو بھی بلایا جائے گا اور نعمتوں کے اظہار اور ان کے اقرار کے بعد پوچھا جائے گا کہ ان نعمتوں سے کیا کام لیا۔ وہ کہے گا کہ کوئی مصرف خیر ایسا نہیں کہ جس

میں خرچ کرنا تیری رضا کا سبب ہو اور میں نے اس میں خرچ نہ کیا ہو۔ جواب ملے گا کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ لوگ سخی کہیں سو کہا جا چکا۔ اس کو بھی حکم کے مطابق منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (مشکوٰۃ عن مسلم)

یہ ہے ریا کاری کا انجام کہ سب سے بڑے نیک اعمال حرف غلط کی طرح مٹا دیئے گئے

منافقین

منافقین، منافق کی جمع ہے۔ منافق کا لفظ نفاق سے بنا ہے اور اسم فاعل ہے۔ نفاق کے معنی ہیں کہ انسان ظاہر میں کچھ ہو اور باطن میں کچھ اور دل وزبان میں یکسانیت نہ ہو۔ زبان سے ایمان کا اظہار تو کرے لیکن دل میں کفر ہو۔ منافق وہ ہوتا ہے جس کے دل میں نفاق ہو۔ یہ لفظ مکار، ریا کار اور کافر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم خداوندی مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لے گئے تو وہاں آپ کا واسطہ منافقین کے گروہ سے پڑا جن کا سردار عبد اللہ بن ابی تھا۔ مدینہ منورہ میں جب لوگ بڑی تعداد میں دائرۂ اسلام داخل ہو گئے اور ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست اور حکومت وجود میں آ گئی تو منافقین نے سلامتی اسی میں سمجھی کی بظاہر اسلام میں داخل ہو جائیں تا کہ اس بڑھتی ہوئی اسلامی طاقت کی مخالفت سے بچ جائیں اور وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو پہنچنے والے مفادات سے بھی استفادہ کرتے رہیں لیکن درحقیقت وہ دل میں نفاق رکھتے تھے۔ درون خانہ اسلام کے دشمن تھے اور ان کی ہمدردیاں کفار ومشرکین کے ساتھ تھیں۔ اور وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔ منافقین ہر دور میں ہوتے رہے ہیں اور آج بھی

موجو ہیں۔ یہ طبقہ غداران ملک وملت کا کردار ادا کرتا ہے اور ملت اسلامیہ کیلئے انتہائی خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوتا رہا ہے۔ اب ملاحظہ کریں کہ منافقین کے بارے میں قرآن پاک میں کیا ارشاد ہے۔

نفاق کی بیماری

مگر جب ایک محکم صورت نازل کر دی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو آپ نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری تھی وہ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو۔ (محمد-۲۰)

اس آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین جہاد سے بچتے تھے اور اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں لگانے سے جی چراتے تھے حالانکہ سچے مومنین جہاد میں حصہ لینے کیلئے بے چین تھے وہ جنگ کے احکام کا بے صبری سے انتظار کیا کرتے تھے۔ اس آیت میں منافقین کے دلوں میں جس بیماری کا ذکر ہے۔ وہ بیماری اس منافقت کی تھی۔

منافقین جھوٹے، دوزخی اور شیطان کے گروہ سے ہیں

وہ (منافقین) سب دوزخی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا۔ وہ اس کے سامنے بھی اسی طرح قسمیں کھائیں گے جس طرح آپ کے سامنے کھاتے ہیں۔ اور سمجھیں گے کہ وہ بھی کسی دلیل پر رہیں۔ خوب جان لو کہ وہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔ ان پر شیطان مسلط ہو چکا ہے اور اس نے خدا کی یاد ان کے دل سے بھلا دی ہے۔ وہ شیطان کے گروہ کے لوگ ہیں۔ خبردار شیطان کے گروہ والے خسارے میں رہنے والے ہیں۔ (المجادلہ-۱۷ تا ۱۹)

منافقین کے بارے میں اللہ کی گواہی

اے نبیؐ! جب یہ منافقین تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ ہاں اللہ جانتا ہے کہ آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں۔ مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ (المنافقون-۱)

منافقین کی نشانیاں

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کی نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

i- منافقین کی تین نشانیاں ہیں (اگر چہ وہ نماز پڑھتا ہو اور روزہ رکھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتا ہو) یہ کہ جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ جب کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔ (بخاری و مسلم)

ii- چار صفتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ چاروں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔ اور جس میں کوئی ایک صفت ان میں سے پائی جائے تو اس کے اندر نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک وہ اسے چھوڑ نہ دے۔ یہ کہ جب امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بولے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کر جائے جب لڑے تو اخلاق و دیانت کی حدیں توڑ ڈالے۔ (بخاری و مسلم)

اب آیات قرآنی کے تراجم ملاحظہ ہوں کہ منافقین کے بارے میں کس قدر سخت احکامات ہیں۔

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ ان کا ٹھکانہ

جہنم ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ (التحریم۔۹)

منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لئے دردناک عذاب یقینی ہے۔ (النساء۔۱۳۸)

اور تاکہ ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانیاں رکھنے والے ہیں۔ وہ خود ہی برائی کے پھیر میں آ گئے ہیں اللہ ان پر ناراض ہوا اور انہیں لعنت کی۔ اور ان کیلئے دوزخ تیار کی اور وہ لوٹنے کی (بہت) بری جگہ ہے۔ (الفتح۔۶)

توبہ کرنے والے منافقین

منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مدد گار نہ پاؤ گے البتہ جو ان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں۔ اور اپنے دین کو اللہ کیلئے خالص کر دیں۔ ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہونگے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء ۱۴۵۔۱۴۶)

منافقین کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا حکم

منافقین کے بارے میں قرآن پاک میں یہاں تک سخت احکامات آئے کہ بالآخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی نماز جنازہ تک پڑھنے سے منع کر دیا گیا ارشاد ہے۔

اور آئندہ ان (منافقین) میں کوئی مر جائے تو آپ اس کی نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھیں اور ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور ان کی موت اس حال میں آئی کہ وہ فاسق تھے۔ (التوبہ۔۸۴)

سورۃ توبہ کی مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ اگرچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن اس کا حکم عام ہے۔ ہر شخص جس کی موت کفر و نفاق اور فسق پر ہو وہ اس میں شامل ہے۔

اس کی شانِ نزول یہ ہے کہ غزوہ تبوک کے تھوڑے عرصہ بعد جب عبداللہ بن ابی مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہؓ بن عبداللہ جو مخلص مسلمان تھا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا کرتہ مانگا تا کہ باپ کو کفن میں پہنایا جائے اور دوسرے آپ کی خدمت میں اس کی نماز جنازہ پڑھانے کی بھی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کمال فراخدلی کے ساتھ) کرتہ بھی عنایت فرمادیا اور نماز جنازہ بھی پڑھادی۔ جب آپ نماز جنازہ پڑھا کر واپس لوٹے تو سورۃ توبہ کی یہ دونو آیات نازل ہوئیں۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ ان آیاتِ کریمہ کے نزول کے بعد تا دمِ وصال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھائی اور نہ کسی منافق کی قبر پر کھڑے ہوئے۔

فاسقین

فاسقین، فاسق کی جمع ہے۔ فاسق کے معنی ہیں نافرمان اللہ تعالیٰ کے احکام سے بغاوت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور یاد سے پھر جانا ہی فسق ہے اور وہی فاسق ہے جو رب کائنات کی ہدایت سے پھر جائے۔ بعض مقامات پر قرآن پاک میں کافر کو بھی فاسق کہا گیا ہے۔

صاحبِ تفسیرِ مظہری علامہ ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ فسق، کفر سے خفیف اور عصیان سے سے قبیح ہے۔ اس سے مراد جماعت سے نکل جانا اور عقائد میں

ایسی بدعت کا ارتکاب کرنا ہے جس کے باعث اسے کافر نہ قرار دیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے فاسقین کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ عہد کا پاس نہیں کرتے۔

(فاسقین) وہ ہیں جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں۔ اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (البقرہ۔۲۷)

ان تینوں جملوں میں فسق اور فاسق کی مکمل تعریف بیان کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور بندے کے تعلق، انسان اور انسان کے تعلق کو بگاڑنے کا لازمی نتیجہ فساد ہے اور جو اس فساد کو برپا کرتا ہے وہی فاسق ہے۔

اس آیت مبارکہ میں دو قسم کے معاہدوں کا ذکر ہے۔ قرآن پاک میں اسے عہد اور مثاق کے نام سے تحریر کیا گیا ہے۔ عہد اس معاہدے کو کہا جاتا ہے جو فریقین کے درمیان طے پا جائے اور میثاق ایسے معاہدے کو کہا جاتا ہے جو قسم کے ساتھ مضبوط اور مستحکم کیا جائے۔ پہلا معاہدہ جو میثاق کی صورت میں پختہ کیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے جو تمام انسانوں نے اپنے رب کے ساتھ باندھا تھا یہ وہ عہد الست ہے جو اللہ تعالیٰ نے صلب آدم سے تمام روحوں کو نکال کر ان سے پوچھا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُم ُ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) سب نے کہا بَلٰى شَهِدْنَا (ہاں تو ہمارا رب ہے ہم سب گواہی دیتے ہیں۔ (مسند احمد و حاکم)

اس میں بڑی تاکید کے ساتھ اقرار ہے کہ اللہ جل شانہ ہمارا رب اور پروردگا ہے۔ اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ہم اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے سر مو انحراف نہ کریں۔ اس لئے یہ عہد ازل انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو چکا۔ اس کی پابندی کرنا ہر انسان کا فرض ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام کے ذریعے بھیجے

ہوئے احکامات کی پیروی سے کریں۔ یہ تو تھا انسان کا تعلق اور عہد اللہ کے ساتھ جس کو توڑنے سے فسق لازم آتا ہے۔

بندے کا دوسرا عہد جس کے توڑنے سے بندے کا نام فاسقین میں لکھا جاتا ہے وہ ہے انسان کا انسان کے ساتھ جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا اور اس نے اسے قطع کر ڈالا۔ انسان کا یہ تعلق اپنے والدین، رشتہ داروں، ہمسایوں اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ اور عام انسانوں کے ساتھ بھی اس کے ذمہ کچھ فرائض ہیں۔ ان تمام تعلقات کے پورے حقوق ادا کرنے ہی کا نام اسلام ہے۔ انہی میں کوتاہی کرنے سے زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔ اور اس نتیجے کے طور پر آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہی لوگ بڑے خسارے میں ہیں۔

ارشاداتِ ربِّ ذوالجلال

☆ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سنو! اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

(المائدہ۔۱۰۸)

☆ یقیناً ہم نے آپ کی طرف روشن دلیلیں نازل کی ہیں جن کا انکار سوائے فاسقوں (نافرمانوں) کے کوئی نہیں کرتا۔ (البقرہ۔۹۹)

☆ اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبہ۔۲۴)

☆ (اے نبیؐ) تو ان کیلئے استغفار کریا نہ کر۔ اگر تو ستر مرتبہ بھی ان کیلئے استغفار کرے تو بھی اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ ایسے فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(التوبہ۔۸۰)

☆ تم (اپنے مال) راضی خوشی خرچ کرو یا بہ کراہت وہ ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے۔ یقیناً تم فاسق لوگ ہو۔ (التوبہ۔۵۳)

ان آیات میں سے پہلی چار آیات میں وضاحت موجود ہے کہ فاسق لوگ محروم القسمت ہیں اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے محروم رکھتا ہے۔ اور آخری آیت میں ان کو یہاں تک خبردار کیا گیا ہے کہ ان کے صدقات بھی ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے۔ اب ان آیات کریمہ کا اندراج کیا جاتا ہے۔ جن میں فاسق لوگوں کیلئے عذاب کا ذکر ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

☆ پھر جب وہ بالکل ہی فراموش کر گئے جو ان کو سمجھایا گیا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور ان لوگوں کو جو زیادتی کرتے تھے ہم نے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا اس سبب سے کہ وہ فاسق تھے۔

(الاعراف۔۱۶۵)

☆ جن لوگوں نے فسق کیا (نافرمانی کی) ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب کبھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے اس میں لوٹا دیے جائیں گے اور کہہ دیا جائے گا کہ اپنے جھٹلانے کے بدلے آگ کا عذاب چکھو۔ (السجدہ۔۲۰)

☆ اور جس دن کفار کو آگ کے قریب لایا جائے گا (اور کہا جائے گا) تم نے اپنی نیکیاں دنیا کی زندگی میں ہی برباد کر لیں اور ان سے فائدہ اٹھا چکے۔ پس آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ تم فسق (حکم عدولی) کیا کرتے تھے۔ (الاحقاف۔۲۰)

گنہگار مومنین

بندۂ مومن پر اللہ رب العزت کا بڑا فضل و کرم ہے مومن وہ ہے جس کا توحید اور رسالت پر پختہ ایمان ہو۔ صاحب ایمان ہونا بہت بڑی نعمت ہے۔ مومن کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس کو بخشش کیلئے رحمت حق بہانے تلاش کرتی ہے۔ وہ کسی نیک کام کا ارادہ بھی کر لیتا ہے لیکن نیکی نہیں کرتا پھر بھی اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اور اگر گناہ کا ارادہ کرے تو نامہ اعمال میں گناہ لکھا نہیں جاتا بلکہ گناہ کا ارادہ کر کے گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو ایک نیکی کا حقدار قرار پاتا ہے۔ مزید یہ کہ مومن کو اگر کوئی مشکل یا پریشانی پیش آجائے، کوئی تکلیف یا ضرر پہنچ جائے۔ حتی کہ ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو اس سے بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور احادیث کی رو سے اگر مومن بار بار گناہ کر کے بار بار توبہ کرتا ہے تو رب غفور الرحیم اس کی توبہ قبول کر کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔

کرم اے خداوندِ چرخ وز میں　　تری ذات ہے ارحم الراحمیں
میں عاصی تیرا نام غفار ہے　　نہ کر فاش پردہ کہ ستار ہے

مناجات بدرگاہ الٰہی

کدھر جائے بندہ گناہگار تیرا

الٰہی میں ہوں بس خطاوار تیرا
مجھے بخش ہے نام غفار تیرا

مرض لادوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا میں بیمار تیرا

سوا تیرے کوئی نہیں میرا یارب
تو مولا ہے میں عبد بے کار تیرا

نہ پوچھے سوا نیک کاروں گر تو
کدھر جائے بندہ گنہگار تیرا

چلا نفس و شیطاں کے احکام پر میں
نہ مانا کوئی حکم زنہار تیرا

گنہ میرے حد سے زیادہ ہیں یارب
مجھے چاہیے رحم بسیار تیرا

الٰہی رہے وقت مرنے کے جاری
بہ تصدیق دل لب پہ اقرار تیرا

میں ہوں عبد تیرا تو معبود میرا
تو مسجود میں ساجدِ زار تیرا

بھکاری ترا جاوے محروم کیونکر
کہ نت خوانِ بخشش ہے تیار تیرا

کوئی تجھ سے کچھ کوئی کچھ چاہتا ہے
میں تجھ سے ہوں یارب طلبگار تیرا

اٹھا غم رکھ امیدا امدادِ حق سے
تجھے غم ہے کیا رب ہے غم خوار تیرا

نہ ڈر فوجِ عصیاں سے گرچہ بہت ہے
کہ ہے رحم حق کا مددگار تیرا

(حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ)

باب ہشتم

توبہ کے واقعات

اس باب میں چند بزرگان دین، اولیائے عظام اور کچھ عام لوگوں کی توبہ کے واقعات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔ان واقعات میں راہ ہدایت کے گم گشتہ راہ بندگان خدا کیلئے راہنمائی اور سبق آموز نصائح موجود ہیں۔وہ لوگ جو احکام خداوندی کے باغی اور خالق کائنات کی صد ہا نعمتوں اور نوازشوں سے بہرہ مند بھی ہیں اور رب کائنات کی ناشکری اور نافرمانی میں بھی دور تک چلے گئے ہیں اور گمراہی کی ظلمتوں میں بھٹک رہے ہیں اور رب ذوالجلال کی پکڑ سے بے خوف ہو کر گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جا رہے ہیں۔شاید یہ واقعات ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دیں۔اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے وہ گناہوں سے توبہ کر کے راہ راست اختیار کر لیں۔

اے رب رحیم و کریم! ہم سب کو توبہ کی توفیق عطا فرما اور اپنی اور اپنے رسول مقبول ﷺ کی اطاعت پر کاربند رکھ۔آمین۔

عشق مجازی سے توبہ

صاحب فتوحات مکیہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ لکھتے ہیں کہ شیخ روز بہان مکہ میں کچھ عرصہ مجاور رہے ہیں۔وہ وجد کی حالت میں بہت شور و فریاد کرتے تھے جس کے باعث بیت اللہ کا طواف کرنے والے حضرات کو تشویش ہوتی تھی۔(ان کی توجہ میں فرق پڑتا تھا)اس بات سے آگاہ ہو کر وہ حرم کی صحن میں اپنے وجد میں مصروف رہتے۔ وہ ایک صادق الحال مرد تھے اتفاقاً وہ ایک گانے والی عورت کی محبت میں مبتلا ہو گئے اور

کسی کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ وجد میں شور وفریاد اسی طرح باقی تھا لیکن پہلے اللہ کیلئے تھا اب اس عورت کیلئے کرتے تھے انہوں نے خیال کیا لوگ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میرا شور وفریاد اللہ ہی کیلئے ہے اس لئے وہ حرم کے مشائخ کی خدمت میں آئے اور اپنا خرقہ اتار کر ان کے سامنے رکھ دیا اور اپنا قصہ لوگوں سے بیان کر دیا۔ کہا کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے حال میں کذب سے کام لوں (عشق مجازی کو عشق حقیقی کی صورت میں پیش کرتا رہوں) اس کے بعد آپ اس گانے والی کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ اس عورت سے لوگوں نے ان کے عشق ومحبت کا حال بیان کیا اور اس کو بتایا کہ وہ ایک بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ اس عورت نے توبہ کر لی اور آپ کی خدمت کو لازم کر لیا۔ جب یہ صورت حال رونما ہوئی تب اس عورت کی محبت آپ کے دل سے رخصت ہو گئی۔ اور آپ دوبارہ مشائخ کی مجلس میں آئے اور اپنا خرقہ ان سے لے کر پہن لیا۔ (نفحات الانس)

دعاء ولی سے توبہ کی توفیق

حضرت حاتم اصم نے ایک دن دعا فرمائی کہ اے خدا اس مجلس میں جو سب سے زیادہ گنہگار ہے تو اس کی بخشش فرما دے وہاں ایک کفن چور تھا رات کو جو وہ کفن چرانے کی غرض سے قبر کھود رہا تھا اسے آواز آئی آج ہی تو حاتم کی دعا کے طفیل تیری نجات ہوئی تھی اور آج ہی تو پھر گناہ کرنے کیلئے آ پہنچا ہے یہ آواز سنی تو اس نے ہمیشہ کیلئے توبہ کر لی اور برے کام سے باز آ گیا۔

ایک دروازہ

ایک دفعہ ایک امیر آدمی اپنے باغ میں گیا اسکی نظر اپنے کسان کی بیوی پر پڑی جو بڑی خوب صورت تھی اس نے کسان کو کسی کام کی غرض سے کہیں بھیج دیا اور عورت

سے کہا کہ تمام دروازے بند کر دو۔ عورت نے سب دروازے بند کرتے ہوئے کہا کہ ایک دروازہ جو ہمارے اور رب کے درمیان ہے میں اسے بند کرنے کی ہمت نہیں رکھتی امیر آدمی اس سے شرمسار ہوا اور ارادہ گناہ سے توبہ کر لی۔

اثر توبہ

حضرت عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک جرم میں گرفتار کر کے بلخ کی جانب لے چلے میں راہ میں یہ سوچتا رہا کہ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوگیا ہے کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ جب میں بلخ میں پہنچا تو عوام کو چھتوں پر چڑھے ہوئے مجھے پتھر مارنے کیلئے تیار پایا اسی وقت مجھے الہام ہوا کہ تو نے حضرت ابوالحسن کے مصلٰی پر پاؤں رکھا ہے اسی وقت توبہ کی تو لوگ جن کے ہاتھوں میں پتھر تھے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ مجھے پتھر مار سکے۔ زنجیریں ٹوٹ گئیں اور مجھے رہا کر دیا گیا۔

حبیب عجمیؒ کی سود سے توبہ

ابتداء میں آپ بہت مالدار تھے۔ روپیہ سود پر دیتے اور سختی سے وصول کرتے تھے۔ ایک دن ایک مقروض کے گھر طلب و تقاضا کیلئے گئے۔ وہ گھر پر نہ تھا۔ اہل خانہ سے کہا میرا آنا بے کار نہ جائے، کچھ تو دو۔ انہوں نے کہا بکری کا تھوڑا سا گوشت ہے چاہو تو لے جاؤ۔ آپ وہی لے آئے اور بیوی کو دیا کہ پکائے۔ اس نے پکنا رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک سائل آیا اور کہا "کچھ کھلاؤ بھوکا ہوں"۔ آپ نے اس سے کہا ہم نے مشقت تیرے لئے نہیں کی۔ چلا جا"

سود کی برائی

پھر آپ نے گوشت طلب کیا۔ بیوی نے ہانڈی اُتار کر پیش کی۔ دیکھا تو وہ

سب خون ہی خون تھا۔ بیوی نے کہا۔ "یہ سب تمہاری بدبختی کا ظہور ہے۔ اسے کھا۔ یہ سود کا شوربہ ہے"۔ اس واقعہ نے آپ کی حالت متغیر کر دی، اُٹھے اور سیدھے حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں پہنچے اور توبہ کی۔ مال و دولت غرباء کو بانٹا اور خود مصروف عبادت ہوئے۔ پھر اس درجہ کو پہنچے کہ خود حضرت حسنؒ ان کے پاس جانے لگے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "کہ سود کا ایک درہم زنا سے چھتیس گنا بدتر ہے"

ابن ساباط کی توبہ

ابن ساباط بغداد کا نامی چور تھا۔ کوئی شریف آدمی اس کا نام سن کر انتہائی نفرت کا اظہار کئے بغیر نہ رہتا تھا۔ وہ اپنے پیشہ میں ایسا ماہر تھا کہ بیسیوں چوریاں کرنے کے باوجود قانون کی گرفت میں نہیں آیا تھا۔ لیکن آخر کب تک۔ ایک دن حکام نے اسے گرفتار کر ہی لیا۔ قانونِ وقت کے مطابق اس کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا گیا۔ اور پھر اس کو ایک ناقابل اصلاح مجرم قرار دے کر مدت العمر کے لئے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ اہل بغداد اب اس کا ذکر "ہتھ کٹے شیطان" یا ایک ہاتھ کے شیطان" کے نام سے کرتے تھے۔ دس برس کی طویل زندگی قید خانہ میں بسر کر کے ایک دن ابن ساباط کسی طرح بھاگ نکلا اور قید خانے سے باہر آتے ہی اپنے قدیم پیشہ کو از سر نو شروع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک ہاتھ کے نقصان اور قید و بند کی طویل پُر صعوبت زندگی نے اس کے مزاج اور کردار پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا تھا۔ آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہی چوری کی خواہش نے اسے بے تاب کر دیا اور رات کا اندھیرا پھیلتے ہی وہ اپنی مُہم پر چل کھڑا ہوا ادھر ادھر پھرتے تین پہر رات گذر گئی لیکن اس کو کسی مکان میں داخل ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ آخر اسے ایک وسیع حویلی نظر آئی۔ جس کے چاروں طرف دور دور تک سناٹا تھا۔ اس

حویلی کے وسط میں ایک بہت بڑا پھاٹک تھا۔ابن ساباط پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا۔اور سوچنے لگا کہ اندر جانے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔اسی سوچ بچار میں اس کا ہاتھ پھاٹک پر جا پڑا۔وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔اس نے آہستگی سے دروازہ پیچھے کی طرف دھکیلا اور اندر داخل ہو گیا۔یہ ایک وسیع احاطہ تھا جس کے اندر چاروں طرف کمرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں ایک بڑا کمرہ تھا۔ابن ساباط اس بڑے کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اسے یقین تھا کہ یہ کسی بڑے امیر یا سوداگر کا مکان ہے۔جونہی اس نے دروازے کو ہاتھ لگایا وہ بھی پھاٹک کی طرح فوراً کھل گیا۔کمرے میں داخل ہو کر اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی مگر اس کو قیمتی ساز وسامان سے بالکل خالی پایا۔ایک طرف کھجور کے پتوں کی ایک پرانی چٹائی بچھی تھی۔اس کے قریب چمڑے کا ایک تکیہ اور بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں۔ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے چند تھان بکھرے پڑے تھے ابن ساباط ایسے معمولی سامان کو دیکھ کر جھلا اٹھا اور مکان کے مالک کو بے تحاشا گالیاں دینے لگا کہ اس احمق نے اتنے بڑے مکان میں کیسا گھٹیا کپڑا اور سامان رکھا ہوا ہے۔بہر حال مکان سے خالی ہاتھ جانا اسے منظور نہ تھا اس نے پشمینہ کے تھانوں کی ایک گٹھڑی بنائی اور اس کو باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔لیکن ہزار جتن کے باوجود ایک ہاتھ سے صوف کے موٹے کپڑے کو گرہ نہ لگا سکا اور ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔عین اس وقت دروازہ کھلا اور ایک شخص ہاتھ میں چراغ لئے کمرے میں داخل ہوا۔خوف اور دہشت سے ابن ساباط کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔اس نے داخل ہونے والے آدمی کو دیکھا۔اس کا قد دراز، کمر خمیدہ اور جسم انتہائی نحیف تھا جس پر ملگجے رنگ کی ایک لمبی قبا تھی اور سر پر بھیڑ کی کھال کی ایک کشادہ سیاہ ٹوپی تھی۔اس قدر نحیف و نزار ہونے کے باوجود اس شخص کے چہرے پر عجیب طرح کا

اطمینان اور نور تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جس سے کوئی دوسرا شخص اثر پذیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے کمرے میں داخل ہو کر چراغ ایک طرف رکھ دیا اور انتہائی شیریں آواز میں ابن ساباط سے مخاطب ہو کر کہا۔

میرے بھائی خدا تم پر رحمت کرے یہ کام روشنی اور کسی ساتھی کی مدد کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔ دیکھو یہ چراغ روشن ہے اور تمہاری مدد کے لئے میں حاضر ہوں اب ہم دونوں یہ کام اطمینان کے ساتھ کر لیں گے"۔

ابن ساباط حیرت سے اجنبی کے منہ کی طرف تک رہا تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اتنے میں اجنبی نے تھانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور پھر ان کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں پھر اچانک اسے خیال آیا اور اس نے ابن ساباط سے مخاطب ہو کر کہا "میرے بھائی معاف کرنا مجھے خیال ہی نہیں کہ ایسا تھکا دینے والا کام کر کے تمہیں بھوک لگ رہی ہو گی۔ میں ابھی تمہارے لئے گرم گرم دودھ لاتا ہوں اسے پی کر تم تازہ دم ہو جاؤ گے۔ یہ کہ کر اجنبی کمرے سے باہر نکل گیا اور ابن ساباط عالم تحیر میں کھو گیا۔ یکا یک اسے کوئی خیال آیا اور اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا میں بھی کیسا احمق ہوں اتنا بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ کوئی میرا ہی ہم پیشہ ہے۔ اتفاق سے آج ہم دونوں اس مکان میں جمع ہو گئے ہیں۔ یہ گھر کا بھیدی معلوم ہوتا ہے اسے معلوم تھا کہ آج یہ مکان رہنے والوں سے خالی ہے۔ اسی لئے وہ روشنی کا سامان لے کر آیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو اس سامان میں سے آدھے کا حق دار بننے کیلئے میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا" وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اجنبی ہاتھ میں دودھ کا پیالہ لئے پھر کمرے میں داخل ہوا اور یہ کہہ کر پیالہ ابن ساباط کے ہاتھ میں پکڑا دیا کہ اسے پی لو یہ تمہاری بھوک اور تکان کو دور کر دے گا۔

ابن ساباط کو فی الواقع سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے آناً فاناً دودھ کا پیالہ خالی کر دیا اور پھر کڑک کر اجنبی سے کہا۔

"دیکھو میں تم سے پہلے پہنچ گیا تھا اس لئے ہمارے پیشہ کے اصول کے مطابق تمہارا اس مال پر مطلق کوئی حق نہیں۔ تاہم تم نے مال سمیٹنے میں جس مستعدی کا ثبوت دیا ہے اس کے پیشِ نظر میں تمہیں تھوڑا بہت مال دے دوں گا۔ چلو اب گٹھڑیاں اٹھائیں اور چلیں۔

ابن ساباط کے جواب میں اجنبی مسکرایا اور پھر شفقت آمیز لہجے میں کہا "میرے بھائی تم میرے حصے کا خیال کر کے کیوں اپنا دل میلا کرتے ہو۔ میں تم سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ تمہارا ایک ہاتھ ہے یہ چھوٹی گٹھڑی تم اٹھا لو اور بڑی گٹھڑی میں اٹھا لیتا ہوں۔ جہاں تم کہو میں پہنچا دوں گا۔" ابن ساباط نے کہا بس ٹھیک ہے تمہیں مجھ سے بہتر سردار سارے ملک میں نہیں مل سکتا۔ میں یہ چھوٹی گٹھڑی اٹھا لیتا ہوں اور تم بڑی گٹھڑی اٹھا کر میرے آگے آگے چلو۔" نحیف الجثہ اجنبی نے پورا زور لگا کر بڑی گٹھڑی کمر پر لادلی۔ اس کی خمیدہ کمر اس کے بوجھ سے اور بھی خمیدہ ہو گئی اور وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ابن ساباط کے آگے آگے چل پڑا۔ لیکن ابن ساباط کو بہت عجلت تھی کیونکہ رات تیزی سے ختم ہو رہی تھی۔ وہ بار بار اجنبی کو ٹھوکے دیتا کہ تیز چلو۔ اجنبی کئی بار ٹھوکر کھا کر گرا لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ہانپتا کانپتا پھر تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔ ایک جگہ چڑھائی تھی۔ اجنبی کو بھاری بوجھ کی وجہ سے سخت مشکل پیش آئی اور وہ ایک جگہ بے اختیار گر پڑا۔ ابن ساباط نے اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور پھر اس کی کمر پر زور سے ایک لات رسید کی اجنبی جوں توں کر کے اٹھ کھڑا ہوا اور ابن ساباط سے معذرت کرنے لگا۔ ابن اباط نے گٹھڑی پھر اس کی پیٹھ پر رکھ دی اور دونوں چلتے چلتے شہر سے دور

ایک پرانے کھنڈر میں پہنچے۔ یہاں ابن ساباط کی پناہ گاہ تھی۔ وہ اپنی گٹھڑی باہر رکھ کر کھنڈر کی دیوار پر سے اندر کود گیا اور اجنبی نے دونوں گٹھڑیاں باہر سے اندر پھینک دیں۔ اس وقت چاند کی روشنی میں ابن ساباط نے اطمینان سے اجنبی کے چہرے پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے کھڑا ہانپ رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اجنبی کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ یکا یک وہ ملکوتی تبسم کے ساتھ یوں گویا ہوا۔ میرے بھائی یہ مال تمہیں مبارک ہو۔ اس مکان کا مالک میں ہی ہوں۔ اور یہ مال تجھے خوشی سے بخشتا ہوں۔

افسوس کہ میں تمہاری خاطر خواہ خدمت نہیں کر سکا بلکہ راستے میں اپنی کمزوری اور سستی کی وجہ سے تمہارے لئے پریشانی کا باعث بنا۔ خدا کیلئے مجھے معاف کر دو۔ اچھا اب میں تم سے رخصت چاہتا ہوں۔ خدا حافظ"۔

اجنبی یہ کہہ کر تیزی سے شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کے الفاظ خنجر بن کر ابن ساباط کے سینے میں پیوست ہو گئے۔ سیاہ کاری کے اس پتلے کے دل و دماغ کو اجنبی کے محیرّ العقول حسن سلوک نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا دنیا میں ایسے انسان بھی ہوتے ہیں۔ میں نے اسے کیا سمجھا اور اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ سوچتے سوچتے اسکا دماغ ماؤف ہو گیا۔ ضمیر کی خلش نے اسے بے چین کر دیا اور سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی اجنبی کی تلاش کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ اب اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں تھا بس یہی آرزو تھی کہ اس اجنبی کے قدموں پر سر رکھ دے۔ رات والا مکان ڈھونڈھنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔

اس کے باہر کھڑے ہو کر ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کس تاجر کا مکان ہے؟

اس شخص نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا میاں تم مسافر معلوم ہوتے ہو۔

یہاں کسی تاجر کا کیا کام یہ تو شیخ جنید بغدادیؒ کی قیام گاہ ہے۔

ابن ساباط نے یہ نام سن رکھا تھا لیکن شیخؒ کی صورت سے آشنا نہ تھا۔ پھاٹک سے اندر داخل ہوا اور دیکھا کہ سامنے والے بڑے کمرے کا دروازہ کھلا ہے اور چٹائی پر تکیہ سے سہارا لگائے وہی رات والا اجنبی بیٹھا ہے اور اسکے سامنے تیس چالیس آدمی مودبانہ انداز میں بیٹھے ہیں۔ ابن ساباط ٹھٹک کر وہیں کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں مسجد سے آذان کی آواز آئی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جب وہ سب چلے گئے تو شیخ بھی اٹھے جونہی انہوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا ابن ساباط روتا ہوا ان کے قدموں پر گر گیا۔

انفعال کے آنسوؤں نے اس کے دل کی ساری سیاہی دھو ڈالی تھی۔ شیخ نے نہایت محبت اور شفقت سے اس کو زمین سے اٹھایا اور گلے لگا لیا۔ ابن ساباط کے دل کی دنیا اب بدل چکی تھی۔ دوسروں نے جو راہ برسوں میں نہیں طے کی تھی۔ ابن ساباط نے وہ چند لمحوں میں طے کر لی۔ وہ شیخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گیا اور ان کے فیض صحبت سے ہتھ کٹے شیطان کے بجائے شیخ احمد ابن ساباطؒ بن گیا اور اہل اللہ میں شمار ہوا۔ جس شخص کو چالیس سال تک دنیا کی ہولناک سزائیں نہ بدل سکیں اسی کو ایک مرد خدا کے حسن اخلاق اور قربانی نے چند ساعتوں میں خاصانِ خدا کی صف میں شامل کر دیا۔

عشقِ مجازی سے توبہ

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو حفص حدادؒ ابتدائی جوانی میں ایک جوان خوش شکل عورت کے دامِ محبت میں پھنس گئے مگر وہ عورت کبھی مائل التفات نہ ہوئی۔ انھی دنوں نیشاپور میں ایک یہودی جادوگری میں مشہور تھا۔ اس کے پاس گئے اور اپنا حال دل بیان کیا۔ یہودی نے کہا اگر تم چالیس روز تک کوئی عبادت نہ کرو کسی نیک کام میں حصہ نہ لو۔ حتیٰ کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کا نام تک زبان پر نہ لاؤ تو میں ایک ایسا عمل

کروں گا کہ یہ عورت تمہارے قدموں میں سر رکھ دے گی۔ ابو حفص حدادؒ نے ویسا ہی کیا۔ چالیس دن کے بعد یہودی نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس دوران کوئی نیک کام کر دیا ہے انہوں نے یقین دلایا کہ میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا البتہ ایک دن میں نے سرِ راہ ایک پتھر پڑا پایا اسے اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ تا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یہودی نے کہا کہ اللہ کی ذات کتنی مہربان اور بامروت ہے کہ تو نے چالیس دن تک اس کا نام تک زبان پر نہ لیا مگر اس نے چالیس روز تک اپنے خزانہ رُزق سے تمہیں رزق دیا اور اس دوران نیکی کرنے کی توفیق بھی دی۔ یہ بات سنتے ہی ابو حفصؒ کے دل میں جذبۂ ایمان روشن ہوا اور یہودی کے ہاتھ پر توبہ کی۔ اور اللہ کی عبادت میں ہمہ وقت مشغول ہو گئے۔ ظاہراً حدادی یعنی آہنگری کا کام کرتے تھے جو کچھ کماتے درویشوں کو دے دیتے۔ خود شام کے اندھیرے میں گداگری کرتے تا کہ ان کا نفس غرور و تکبر سے نجات پائے اس طرح آپ ایک عرصہ تک گزر اوقات کرتے رہے آپ کے استغراق کا یہ عالم ہوتا کہ بسا اوقات کارخانۂ آہن گری کی بھٹی میں ہاتھ بڑھا کر آتش شدہ لوہے کو اٹھا لیتے مگر آپ کے ہاتھ کو کچھ نہ ہوتا۔ بسا اوقات یوں ہوتا کہ دست پناہ (سنّی) کی بجائے گرم لوہا ہاتھ سے نکال کر آئرن پر رکھتے اور ہاتھ سے پکڑ کر شاگرد کو کہتے کہ اس پر ہتھوڑے مارتے جاؤ۔ شاگرد کانپ اٹھتے کہ آپ نے ہاتھ سے گرم لوہا پکڑ ا رکھا ہے۔ اس بات سے آپ استغراق سے ہوش میں آتے اور ہاتھ کھینچ لیتے اور سنّی کا استعمال کرتے۔ آخر کار آپ نے اپنا تمام کارخانہ فروخت کر دیا۔ اور جو کچھ ملا، فقراء، غربا اور ماکین میں تقسیم کر دیا اور خود ہمہ وقت یادِ خداوندی میں مشغول و مصروف ہو گئے۔

(خزینۃ الاصفیاء)

شیخ ابونصر ہرویؒ کی توبہ

آپ کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن ایک شخص آپ سے فتویٰ لینے آیا۔ فتویٰ کا مضمون یہ تھا کہ "علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی جوانی کے عالم میں غصہ میں چند ڈنڈے ایک دراز گوش کو مارے۔ اس دراز گوش نے منہ موڑ کر ان سے کہا کہ اے خواجہ اس وقت تو مجھ مظلوم اور عاجز پر اپنا غصہ اتار رہے ہو لیکن کل قیامت کے دن اس غصے کی سزا سے کیونکر بچ سکو گے؟ اب بیس سال ہو گئے ہیں کہ وہ شخص اس غم سے ہر وقت روتا رہتا ہے اب اس کی آنکھوں کا پانی خون سے بدل گیا ہے، ایسے شخص کی طہارت اور اس کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جب شیخ ابونصرؒ نے یہ فتویٰ پڑھا تو اس مضمون کی ہیبت سے بیہوش ہو گئے جب ان کو ہوش آیا تو اس شخص سے ملنے کیلئے چل پڑے۔ جب شیخ اس کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ اسی غم واندازہ کے عالم میں اس شخص کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب یہ اندر پہنچے تو دیکھا کہ ایک پیر مرد ہے جس کا سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے ہیں اس کی دونوں آنکھوں سے نکلنے والا خون اس کے چہرے پر جم گیا ہے پھر بھی چہرہ بہت نورانی ہے اور وہ ہنس رہا ہے۔ ابونصرؒ کو اس کی ہنسی سے سخت تعجب ہوا۔ پھر اس نورانی چہرہ والے بزرگ کی تجہیز و تکفین کی گئی انہوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور روتے ہوئے وہاں سے واپس ہوئے واپسی میں ایک پیر مرد سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا اے جوان! کیوں روتے ہو۔ شاید تم نے قرآن کی کوئی آیت سنی اور اس پر عمل نہیں کیا۔ لیکن تمہارا یہ رونا تو دامن جلے لوگوں کا رونا ہے، دل جلوں کا رونا تو معلوم نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ پیر مرد چل دیے لیکن شیخ ابونصرؒ نے چوٹ پر چوٹ کھائی اور درد پر درد۔ یہ گھر

واپس آئے اور جو کچھ مال و متاع ان کے پاس تھا، سب سے دست بردار ہو کر سیر و سفر کی ٹھان لی۔ چنانچہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تین سو مشائخ کی خدمت سے بہرہ اندوز ہوئے یہاں تک کہ خضر علیہ السلام کی صحبت میں بھی رہے۔ حرم شریف، مدینہ منورہ اور بیت المقدس میں عرصہ تک مجاہدے اور عبادات میں مصروف رہے اس مجاہدے اور ریاضت کے بعد، پھر ہرات واپس آ گئے۔ (نفحات الانس)

اب اگلے صفحات میں دور حاضر کے ایک نومسلم کی دین مسیحی سے تائب ہو کر دین اسلام قبول کرنے کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں۔ ان سبق آموز حالات میں دیگر مذاہب کی حقیقت پر بھی تبصرہ موجود ہے۔

ڈاکٹر خالد شیلڈرک (انگلستان)

ڈاکٹر خالد شیلڈرک نے 1903ء میں اس وقت اسلام قبول کیا جب ان کی عمر صرف 17 برس تھی اور وہ مذہب عیسوی کی تبلیغ کی تعلیم وتربیت حاصل کر رہے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان پر عیسائی مصنفین کی خلافِ اسلام کتابوں کی وساطت سے اسلام کی حقانیت واضح ہوئی۔ جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کے والد نے انہیں گھر سے نکال دیا' لیکن نوجوان خالد نے راہ حق میں ہر طرح کی صعوبتوں کا پامردی سے مقابلہ کیا تن دہی سے اسلام کی روشنی کو دوسرے ذہنوں میں اتارنے کی مہم شروع کر دی۔ چنانچہ ان کے اخلاص' طرز تبلیغ اور انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ انگلستان کے بہت سے ذہین اور معروف لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

''میں اپنے خطبہ کا آغاز کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سے کرنا چاہتا ہوں کہ میرے جذبات مسرت کا تقاضا یہی ہے۔ میں نے دین اسلام کافی غور وفکر کے بعد قبول کیا ہے اور آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میں نے اس دین کی تعلیمات پہلے پہل اس کے موافقین کی کتابوں سے نہیں بلکہ اس کے مخالفین کی تصانیف سے حاصل کی ہیں۔

میں برطانوی والدین کے گھر پیدا ہوا جو پروٹسٹنٹ چرچ سے وابستہ تھے۔ میرے والد کی آرزو تھی کہ وہ مجھے اس چرچ کا ایک پادری دیکھے' اس لئے مجھے دینی کتب کے مطالعہ اور مذہبی موضوعات پر مباحثہ میں مصروف دیکھ کر اسے بہت مسرت ہوتی۔

یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان بظاہر عیسائیت کا پیرو ہے، لیکن نوے فیصد انگریز عیسائیت سے ناواقف ہیں اور میں بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ میں خود اپنی زندگی میں ایک دن کے لئے بھی عیسائیت کے مزعومہ اصولوں کا قائل نہ ہوسکا۔ آپ جانتے ہیں کہ عیسائیت کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم ہے کہ خدا کی ذات واحد تین شخصیتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے کہ جسے عقل قبول کرنے سے انکار کرتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ اور بیٹا ہر زمانے مین ساتھ ساتھ موجود ہوں۔ جس کسی زمانے میں باپ کا وجود فرض کرلیا جائے بیٹے کا وجود بھی اس کے ساتھ لازم ہو۔ یہ ایک نا قابل فہم عقیدہ ہے جسے کوئی عقل سلیم کا مالک قبول نہیں کرسکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ عیسائی اس عقیدے کو سمجھے بغیر سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

اسی طرح باپ بیٹے کا مسیحی عقیدہ بھی قطعی پرانے بت پرستوں کے عقائد سے ماخوذ ہے۔

اس تردد اور پریشانی کی حالت میں، میں مقدور بھر تمام مذہبی فرقوں میں جا کران کا مطالعہ کرتا اور ان سب کی تواریخ اور تعلیمات پر غور کرتا رہا۔

آخر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ مذہب جسے میں نے اپنی فطرت اور عقل کے مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے دل میں جگہ دے رکھی ہے، عیسائی گرجوں کی تعلیم سے مختلف ہے۔ سب سے پہلے میں نے محسوس کیا کہ گرجوں نے مجھے تعلیم دی ہے کہ میں گناہ کی وجہ سے عمل میں آیا ہوں اور یوں انہوں نے میرے قریب ترین اور سب سے زیادہ پیارے رشتہ دار والدین کی سخت توہین کی ہے۔ میں نے پڑھا کہ وہ دونوں میری پیدائش کی خاطر ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بھلا میں اس بات کو

مان کر ان کا بیٹا کہلا سکتا تھا؟ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ میں خود فطرتاً گناہگار ہوں اور میں گناہ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے میں اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی ہمت اور طاقت کے مطابق بہت زیادہ گناہ کر کے ایک بہت بڑا گناہگار بن کر خدا تعالیٰ کی رضا کا موجب ہوں گا کہ اس نے گناہ میری فطرت اور خلقت کا ایک لازمی جزو بنایا ہے۔ انسانی سرشت کا یہ نقشہ کس قدر بھدا' بھیانک اور مضحکہ خیز ہے اور اس انداز فکر میں خالق حقیقی کی تدبیروں کی کیسی تحقیر و توہین کی گئی ہے۔ آج کا پڑھا لکھا انسان اس پر کیونکر ایمان لا سکتا ہے۔ پھر یہ عقیدہ کہ باری تعالیٰ نے کوئی بیٹا اپنا متبنّیٰ بنایا اور اس کو انسانی خواہشات عطا کیں۔ یہ بھی میرے خیال میں ایک کلمہ کفر ہے۔ مزید یہ کہ اگر کوئی شخص اس بناوٹی عقیدہ پر ایمان نہ لائے تو اسے مورد تعزیر خیال کیا جاتا ہے۔

ان اعتقادات کی رو سے خدا تعالیٰ گویا (نعوذ باللہ) اپنے بیٹے اور نسل انسانی کا سخت ترین دشمن ٹھہرتا ہے۔ انسان کو فطرتاً گناہگار پیدا کرنا اسے بھی ہوا و ہوس کا ہی شکار ثابت کرتا ہے۔ وہ تو ایک ایسا سخت فطرت خالق نظر آتا ہے جو انسان کو بھی کبھی میسر نہیں آئی ہوگی۔ کیونکہ ایسا کون باپ ہوگا جو اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جان بوجھ کر اپنے ہی بیٹے کو قتل کر دے۔ میں نے دیکھا کہ جس وقت عیسائی مذہب بڑے عروج پر تھا تو ہر وہ شخص جو اپنی تسلی اور اطمینان کی خاطر ان عقائد پر جرح قدح کرتا' یا تو اسے آگ کی نذر کر دیا جاتا یا قید کر دیا جاتا۔ بائبل کی تاریخ اور واقعات کی تدوین سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ نامعلوم الاسم مصنفین کا مجموعہ ہے۔ متی' مرقس' لوقا اور یوحنا وغیرہ ان اناجیل کے مصنف نہیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بائبل میں بہت کچھ دستبرد اور تخریب و تبدل ان چند سالوں میں بھی عمل میں آیا ہے۔ مزید برآں عیسائی مذہب کبھی بھی تحمل

و برد باری اور برداشت کا مذہب ثابت نہیں ہوا۔ جونہی شہنشاہ قسطنطنیہ نے اس مذہب کو قبول کیا۔ اس وقت سے ہم دیکھتے ہیں تثلیث پرستوں نے غیر مسیحیوں کو نہایت بے رحمی سے دکھ دینے شروع کر دیئے۔ الغرض جب کبھی اس مذہب کو عروج حاصل ہوا ہے تو جس کسی نے اس کے ساتھ اختلاف رائے کے اظہار کی جرأت کی' اسے سخت مصائب کے شکنجہ میں کسا گیا ہے۔

متذکرہ بالا تمام باتوں نے میرے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ کلیسا کو پیشتر اس کے کہ وہ یسوع اور اس کی تعلیم پر کچھ بتائے' بائبل کے ان اصلی نسخوں کو تلاش کرنا چاہے جو فی الحقیقت ان ایام کے پیغمبروں اور مرسلینؑ کے تصنیف کردہ ہیں ورنہ ایک نامعلوم اور غیر معتبر کتاب کو یسوع کے مشن کی شہادت میں پیش کرنے کی وجہ سے عیسائیت ایک غلط مذہب ثابت ہوتا ہے۔

مجھے ڈبلیو سٹوارٹ راس جیسے زبردست مصنف سے جو صلاح الدین غازی اسلام کا اس قدر مداح ہے کہ اس نے اپنا تاریخی نام بھی صلاح الدین رکھا' ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ ''اگر خدا موجود ہے تو وہ اس تصور سے جو عیسائیت نے پیش کیا ہے بلند اور اعلیٰ تر ہے اور اگر اس عالم میں کسی اعلیٰ طاقت خداوند تعالیٰ کی ہستی ممکن ہے (اور میں اس سے کبھی منکر نہیں ہوا) تو وہ ان عاجزانہ اور غریبانہ تصویروں سے کہیں بڑھ کر ہو گی جو بائبل نے پیش کی ہیں پھر اگر خدا تعالیٰ کی شکل و صورت کے عین مطابق اس کا صحیح انعکاس ہماری فطرت میں ہے تو وہ اعلیٰ نقشہ اسلام نے ہمارے آگے پیش کیا'' اس زبردست اہل قلم کے ذریعہ میں نے بدھ مت کا بھی مطالعہ کیا۔ مگر وہ مذہب مذہب نہیں بلکہ نرا خشک فلسفہ ہے۔ ایک شخص کو کشکول ہاتھ میں لے کر بدھ مت کے بھکشو کی طرح در بدر بھیک مانگتا پھرے

یا یسوع کی طرح دشت نوردی میں زندگی بسر کرے تو آج کا کوئی انسان اس پر عامل ہوگا......؟ نہیں آج اسلام جیسے مذہب کی ضرورت ہے جو انسان کو زندگی کی باوقار اور معزز راہیں دکھائے۔

مجھے ایسے مذہب کی ضرورت تھی جو قابل عمل ہو۔ نرے فلسفہ محض خیالات اور صرف خوابوں کا مذہب نہ ہو نہ اس کو اپنا کر دوسرے لوگوں سے قطع تعلق کرنا پڑے اور مجھے ایک ایسے دستورالعمل کی ضرورت تھی جس پر چل کر میں ہر آن دوسروں کے لئے اور اپنے لئے مثالی نمونہ بن جاؤں۔ میں نے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے دوسرے مذاہب کا بغور مطالعہ کیا۔ بالآخر مجھے معلوم ہوا کہ میرے اپنے خیالات جو ایک عقیدہ کی صورت میرے ذہن نشین ہو گئے تھے ہو بہو اسلام میں پائے جاتے ہیں۔ میں اس نتیجہ پر اس وقت پہنچا تھا جب کہ ابھی تک میں نے کسی مسلمان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی مسلمان سے ملاقات کا موقع میسر آیا تھا۔ میں نے اسلام پر عیسائی مصنفین کے متواتر حملوں کو دیکھا اور اپنے آپ سے سوال کیا "یہ لوگ اسلام سے اتنے خائف کیوں ہیں؟ اسلام نے وہ کون سی تعلیم دی ہے جس کی وجہ سے وہ کلیسا کا زبردست دشمن ٹھہرا ہے۔" میں نے جہاں تک ہو سکا تمام کتابیں حاصل کیں مگر وہ سب کی سب عیسائی محققین کی لکھی ہوئی تھیں، انہی کتابوں سے اپنے دل میں اصل معاملہ کو حل کر لینے کے بعد دس سال قبل اس حقیقت پر پہنچ گیا کہ اسلام برحق دین ہے اور پہلا مسلمان جس سے مجھے ملنے کا شرف حاصل ہوا وہ ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تھا۔ جنہوں نے خود بھی عیسائیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنے اور نہایت تحقیق و تدقیق کے بعد میرے تمام شکوک رفع ہو گئے اور میں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اسلام عروج اور ترقی کی طرف لے جانے والا مذہب ہے' اس لئے دنیا کو بھی اس عروج کی طرف جانا اور روشن ضمیر ہونا چاہئے تاکہ وہ پاک وصاف اور اعلیٰ کردار کی مالک ہو جائے۔ دوسری طرف عیسائیت کا جہاں تک تعلق ہے' اس نے ہمیشہ لوگوں کے فہم وادراک کو کچلنے اور دبانے کی کوشش کی ہے اور اسے آگے بڑھنے نہیں دیا۔ یسوعؑ کی زندگی کا بھی کوئی حال معلوم نہیں اس لئے ہم ان سے کوئی رہنمائی حاصل نہیں کر سکتے۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک دن کا حال ہم پر پورے طور پر منکشف ہے۔ تیرہ برس تک آپؐ کو اپنا انتقام لینے اور ان کو تباہ برباد کر دینے کا پورا اختیار حاصل تھا' آپ نے ان سب کو معاف کر دیا۔ کوئی شخص رحمدل اس وقت کہلا سکتا ہے' جب اسے انتقام لینے کا پورا موقع اور طاقت میسر ہو اور وہ معاف کر دے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپؐ کو غرور کا احساس تک بھی نہیں تھا کیونکہ آپ حکمران کی حالت میں بھی خود اپنے گھر میں جھاڑو دیتے اور خود اپنی جوتیاں گانٹھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنا تمام مال و دولت محتاجوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں صرف کر دیا اور آپ ﷺ کی زندگی پیدائش سے لے کر رحلت تک دنیا کے لئے نمونہ تھی۔ اسلام نے ہمیں ایثار اور نیک کاموں کی ہدایت کی ہے۔ یہی وہ پاکیزہ شعار ہیں جو ہمیں بہشت کا وارث بنا سکتے ہیں۔ نرا زبانی ایمان اور اقرار کسی کام کا نہیں اگر اس کے ساتھ نیک اعمال نہ ہوں خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور تمام انسانوں کی باہمی اخوت و برادری اسلام کے ہمہ گیر بینظیر اصول ہیں۔ یہ ایسے اصول ہیں' جس پر مسلمانوں کو فخر کرنا چاہئے۔ مجھے مسلمان ہونے پر کبھی بھی کوئی افسوس نہیں ہوا اور نہ میں خدا اور اس کے پاک رسول کا دامن پکڑنے پر کبھی شرمندہ ہوں گا۔

مناجات

(خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ)

بدستِ مکرِ شیطانی مرا مسپار یااللہ
ہوا و حرصِ نفسانی زِمن بردار یا اللہ

خداوندا تو میدانی کہ بد کردم بہ نادانی
چنینم بادلِ پرخوں فرومگوار یا اللہ

منم درماندۂ محزوں توئی فریادرس بیچوں
چوں بگزارند خلقانم مرا مگذار یا اللہ

خداوند اگنہگارم گناہاں بے عدد دارم
بہ بخش از رحمتِ خویشم با ستظہار یا اللہ

من ازدرویشِ مسکینم کہ نے دنیاست نے دینم
بروں ازخرقۂ پشمینم دروں زنار یااللہ

نہ دنیا دوست میدارم نہ عقبیٰ راخریدارم
مرا چیزے نمی باید بجز دیدار یااللہ

من آں کاکی کہ بدکردم ہر آنچہ بدسزد کردم
مکن چوں کاک رخ زردم درآں بازار یااللہ

باب نہم

متفرق

سچی توبہ کے بعد مومن کا انداز حیات

سچی توبہ کے بعد بقیہ زندگی میں گناہوں کے ارتکاب سے بچنے اور ان کے وبال سے نہ صرف محفوظ رہنے بلکہ کارہائے خیر کے سرانجام دینے کیلئے ایسے ذرائع اختیار کیے جائیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے حفظ وامان میں رکھے اور اس کی رحمتوں کا نزول بھی ہوتا رہے۔ اس کے اوامر ونواہی پر کاربند رہنے کیلئے اور ربِ کائنات جل مجدہٗ کے قرب کے حصول کیلئے ہمیں بہترین راہنما اصول اس کی سچی کتاب قرآن حکیم اور اس کے سچے پیغمبر اور نبی آخر الزماں رحمت اللعالمین کی احادیث مبارکہ سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔

اللہ رب العزت کی نازل کردہ سچی اور آخری کتاب قرآن مجید میں روزِ حشر کے وقوع پذیر ہونے تک جملہ بنی نوع انسان کیلئے خواہ وہ کسی ملک وملت اور کسی خطہ ارض سے تعلق رکھتے ہوں راہنمائی کیلئے زریں اصول موجود ہیں۔ خواہ یہ راہنمائی انسان کی معاشرت سے متعلق ہو خواہ اقتصادیات سے، خواہ دنیاوی حیاتِ مستعار سے وابستہ ہو خواہ اخروی حیات ابدی سے تعلق رکھتی ہو اس آخری الہامی کتاب سے استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں ہے اس لئے کتاب ہذا کے اس باب میں کتاب اللہ کی فصل سدا بہار سے خوشہ چینی کرتے ہوئے نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق چند نہایت اہم آیات مبارکہ کے تراجم تحریر کیے جاتے ہیں تا کہ ان کو توشۂ آخرت بنا کر آئندہ زندگی بسر کرنے

کیلئے اپنی راہیں متعین کرسکیں جس سے نہ صرف انفرادی، دنیوی اور اخروی زندگی سنور جائے بلکہ ایسی صفات کے حامل افراد پر مشتمل معاشرہ بھی جنت نظیر بن جائے۔

خسارے والے اور توبہ کرنے والے (از قرآن الحکیم)

کہہ دیجئے (اے نبی) کہ ہم تمہیں بتا دیں کہ اعمال کے لحاظ سے تم میں سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی کی تمام تر کوششیں بیکار گئیں۔ اور ان کو یہ گمان رہا کہ وہ بہت اچھا کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات تسلیم کرنے اور رب کے سامنے پیش ہونے کا یقین نہ کیا۔ اس لئے ان کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دینگے۔ ان کی جزا جہنم ہے اس کفر کے بدلے جو انہوں نے کیا اور میری آیات اور رسولوں کا مذاق اڑایا۔

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان کی رہائش گاہ جنت الفردوس ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس جگہ کو بدلنے کا وہ کبھی ارادہ بھی نہ کریں گے۔ (کہف ۱۰۳تا۱۰۸)

ان (نیک لوگوں) کے بعد ناخلف لوگ آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی۔ پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دو چار ہوں سوائے ان کے جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں۔ وہ جنت میں جائیں گے اور ان کی ذرہ بھر حق تلفی نہ ہوگی۔ ان کیلئے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ (مریم ۵۹تا۶۱)

اہل ایمان متقین

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لا چکے پس ہمارے گناہ معاف فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ یہ لوگ صبر کرنے والے سچ بولنے والے اور فرمانبرداری کرنے والے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور آخر شب اللہ سے مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔ (آل عمران۔۱۶تا۱۷)

ذکر و فکر میں مگن رہنے والے

آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے بدلتے رہنے میں عقل مندوں کیلئے یقیناً (بڑی) نشانیاں ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور آسمان اور زمین کو پیدا کرنے پر غور و فکر کرتے ہیں۔ (اور پکار اٹھتے ہیں) اے ہمارے پروردگار یہ سب کچھ تو نے بیکار پیدا نہیں فرمایا۔ تو پاک ہے (اس بات سے کہ عبث کام کرے) پس تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔

(آل عمران۔۱۹۰تا۱۹۱)

قرآن حکیم کی روشنی میں

ہدایت یافتہ اور نجات پانے والے کامیاب لوگ

الٓمّٓ ۔ اس کتاب (یعنی قرآن کے اللہ کی کتاب ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ یہ ہدایت ہے ان پرہیزگار لوگوں کیلئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل کی گئی اور جو کتابیں آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح (نجات) پانے والے ہیں۔ (البقرہ ۱۔۵)

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مستحقین

یَھْدِیْ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ ط

جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اللہ اسے ہدایت دے دیتا ہے۔ (الشوریٰ ۱۳)

متقین (اللہ سے ڈرنے والوں) کی فضیلت

وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ.

اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔ (البقرہ ۱۹۴)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ .

اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ فلاح پا جاؤ (آل عمران ۲۰۰)

اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ .

اللہ تعالیٰ صرف متقین (پرہیزگاروں) سے

(عمل) قبول کرتا ہے۔ (المائدہ۔۲۷)

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ. — اور دار آخرت متقیوں کیلئے بہتر ہے۔ (الانعام۔٦)

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. — اور اچھا انجام پرہیزگاروں کیلئے ہے۔ (القصص۔۲۸)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. — اور اللہ تعالیٰ متقیوں کا دوست ہے۔ (الجاثیہ۔۱۹)

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. — تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی (ڈرنے والا) ہے۔ (الحجرات۔۱۳)

احکام خداوندی اور متقین کی صفات

سود خوری

اے ایمان والو! سود نہ کھاؤ اضافہ در اضافہ اور اللہ سے ڈرو تا کہ نجات پا جاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کیلئے تیار کی گئے ہے۔

اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت

اور اللہ اور رسول کا حکم مانو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

جدوجہد برائے حصول جنت و مغفرت

اور اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو اور اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو کہ متقیوں (پرہیزگاروں) کیلئے تیار کی گئی ہے۔

انفاق، عفو و درگزر

جو لوگ آسانی اور سختی میں بھی خرچ کرتے ہیں اور اپنا غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

ذکر اللہ و استغفار، مغفرت اور جنت کی بشارت

جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور استغفار کرتے ہیں۔ اور کون ہے گناہ بخشنے والا سوائے اللہ کے۔ وہ اپنے کئے پر دیدہ و دانستہ اصرار نہیں کرتے۔ ان کے رب کی طرف سے ان کا بدلہ مغفرت ہے اور جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک

عمل کرنے والوں کیلئے۔ (آل عمران۔۱۳۰تا۱۳۶)

اللہ و رسول کی اطاعت

اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اس کو لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور بہ اعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔ (النساء۔۵۹)

سجدہ صرف اللہ کیلئے

اور دن رات اور سورج چاند بھی (اسی کی) نشانیاں ہیں۔ تم سورج کو سجدہ نہ کرو نہ چاند کو بلکہ سجدہ اس اللہ کیلئے کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اگر تم نے اسی کی عبادت کرنی ہے تو۔ (حٰم السجدہ۔۳۷)

صلح جوئی وعدل

اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں (گروہ) لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو پھر انصاف کے ساتھ صلح کرا دو۔ اور عدل کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

احترام آدمیت

اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے۔ یہ ان سے بہتر ہوں۔ اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب سے یاد کرو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔

بدگمانی عیب جوئی وغیبت

اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین جانو بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور (لوگوں کے) بھید نہ ٹٹولو۔ اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

تقوی

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی (پرہیزگار) ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔ (الحجرات۔ ۹ تا ۱۳)

عفت وپاکیزگی

مسلمان مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کیلئے پاکیزگی ہے۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اللہ ان سب سے

باخبر ہے۔ (النور۔۳۰)

مسلمان خواتین کیلئے تحفظ عصمت کے احکام

اور مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمتوں کی حفاظت کریں۔ اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے۔ اور اپنے گریبانوں پر اپنی اوڑھنیاں ڈالے رکھیں۔ اور اپنی آرائش کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوند کے یا اپنے والد کے یا اپنے خسر کے یا اپنے لڑکوں کے یا اپنے خاوند کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے یا اپنے میل جول کی عورتوں کے یا لونڈیوں کے یا ایسے نوکر چاکر مردوں کے جو شہوت والے نہ ہوں اور ایسے بچوں کے جو ابھی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف نہیں۔ اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں جس سے ان کی پوشیدہ زینت ظاہر ہو جائے۔ اور تم سب اللہ کے حضور توبہ کرو تا کہ تم دونو جہانوں میں کامیاب ہو جاؤ۔ (النور۔۳۰تا۳۱)

مومنین کی صفات

مفسر قرآن حضرت عبداللہ ابن عباس سے ابن کثیر نے روایت کیا ہے کہ پورا اسلام تیس حصوں میں دائر ہے۔ جن میں سے مومنین کی دس صفات سورۃ برأت (توبہ) میں، دس صفات سورۃ احزاب میں اور دس صفات سورۃ المومنون میں مذکور ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان تمام چیزوں کا حق ادا کیا اور سب امتحانات میں پورے اترے اور کامیاب رہے۔

مومن مردوں اور عورتوں کا کردار وانعام

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (معاون اور

دوست ہیں۔وہ بھلائیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہیں۔نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ جلد رحم فرمائے گا۔بے شک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے۔(التوبہ۔۷۱)

اللہ تعالیٰ نے ان مومن مردوں اور عورتوں سے ایسی جنتوں کا وعدہ فرمایا ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور صاف ستھرے اور پاکیزہ محلات کا جوان ہمیشگی والی جنتوں میں ہیں اور اللہ کی رضا سب سے بڑی ہے یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔(التوبہ۔۷۲)

مومنوں سے اللہ کا سودا اور وعدہ

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں۔قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے تورات میں انجیل میں اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اور کون ہے اپنے وعدے کو پورا کرنے والا۔تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم سے معاملہ ہوا ہے خوشی مناؤ۔اور یہ بڑی کامیابی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے،حمد کرنے والے،روزہ رکھنے والے،رکوع اور سجدہ کرنے والے،نیک باتوں کی تعلیم دینے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے ہیں۔آپ ایسے مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔(التوبہ۔۱۱۱تا۱۱۲)

قرآنی معیارِ ایمان (سورۃ المومنون آیات ۱تا۱۱)

یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی۔

☆ جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

☆ جو لغو باتوں سے دور رہتے ہیں۔

☆ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

☆ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان عورتوں (لونڈیوں) کے جو ان کی ملکیت ہیں۔ سو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

البتہ جو اس کے سوا کچھ اور چاہیں وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں یہی وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ (سورۃ المومنون۔ ۱تا۱۱)

سورۃ السجدہ کی آیت نمبر 24 میں ان تمام صفات کو صبر اور یقین میں حصر کر دیا گیا ہے اور جب ان لوگوں نے صبر کیا تو ہم نے ان میں سے ایسے لوگوں کو امام (پیشوا) بنایا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

سورۃ مومنون کی مندرجہ بالا آیات مقدسہ میں **مومنین** کی فلاح اور کامیابی و کامرانی کا ذکر ہے آیت میں ایمان والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے نبی آخر الزماں ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کرلیا۔ اس آیت مبارکہ میں دوسرا لفظ جو قابل وضاحت ہے وہ ہے "فلاح" ہے۔

فلاح

فلاح کے معنی کامیابی و کامرانی اور خوشحالی ہے۔ یہ لفظ "خسران" کی ضد ہے۔ خسران کا لفظ نقصان۔ گھاٹے اور ناکامی و نامرادی کے معنوں میں استعمال

ہوتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ سے مراد ہے یقیناً وہ شخص کامیاب ہوا اور اپنی مراد کی پہنچا۔ اس کی جد و جہد بار آور ہوئی۔ شریعت محمدی کی نظر میں کامیابی وہ ہے جو دنیاوی زندگی کے دوران ایسے اعمال کرے جن میں رب کائنات کی رضا ہو۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے وہ اس کی رحمت اور مغفرت کا مستحق قرار پائے اصل کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔

سورۃ المومنون کی ان آیات میں مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں جن کو اختیار کر کے اور اوران پر عمل پیرا ہو کر مومن مکمل فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہو جاتا ہے اور دنیا و آخرت کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی ان صفات کا حامل بنائے آمین یا ارحم الرحمین۔

خشوع

سورۃ المومنون کی دوسری آیت میں خشوع کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی وہ مومنین فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔ خشوع کے اصل معنی ہیں کسی کے آگے جھک جانا، دب جانا، اظہار عجز و انکسار کرنا۔ اس کیفیت کا تعلق دل سے بھی ہے اور جسم سے بھی۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ مومن اللہ کی ہیبت و خوف اور عظمت و جلال سے مرعوب ہو جائے جسم کا خشوع یہ ہے کہ اس کے حضور سر جھک جائے۔ اعضاء ڈھیلے پڑ جائیں۔ نگاہ پست ہو جائے آواز دب جائے اور ہیبت کے سب آثار اس پر طاری ہو جائیں۔ نماز میں خشوع سے مراد جسم اور دل کی یہی کیفیت ہے۔

شریعت محمدی میں نماز کے کچھ ایسے آداب بھی مقرر کر دئے گئے ہیں جو کہ قلبی خشوع میں مددگار ہوتے ہیں اور دوسری طرف فعل نماز کی گھٹتی اور بڑھتی کیفیات خشوع کو معیار خاص پر قائم رکھتے ہیں۔ یعنی نمازی دوران نماز ادھر ادھر دائیں بائیں نہ دیکھے نہ

سر اٹھا کر اوپر دیکھے۔قیام میں نگاہ سجدہ گاہ پر مرکوز رکھے۔کپڑوں کو بار بار سمیٹنا
۔جھاڑنا منع ہے۔نماز میں تن کر کھڑے ہونا۔نماز میں ہلنا مختلف سمتوں میں جھکنا۔زور
زور سے ڈکارنا۔جمائیاں لینا نماز کے آداب کے خلاف ہے۔نماز جلد جلد اور تیزی
میں نہ پڑھی جائے تعدیل ارکان کا خیال رکھا جائے۔نماز میں ادھر ادھر کے خیالات اور
سوچوں سے پرہیز کیا جائے۔ایسی نماز ہی حدیث کی رو سے معراجِ مومن ہے۔

مومن مردوں اور مومن عورتوں کی صفات قرآن کی نظر میں

فرماں برداری۔راست بازی۔صبر۔خیرات۔صوم۔ذکر اللہ

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ،مومن مرد اور مومن عورتیں
فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبردار عورتیں ،راست باز مرد اور راست باز عورتیں،
صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی
کرنے والی عورتیں ،روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہوں کی
حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں ۔بکثرت اللہ کا ذکر کرنے
والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں ان (سب کے) لئے اللہ نے (وسیع) مغفرت
اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب۔۳۵)

حقیقی مومنین کی صفات

اللہ کا خوف۔نماز کی پابندی

بے شک ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آجاتا ہے تو
ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان
کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

اور وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی حقیقی مومن ہیں۔ ان کے رب کے پاس انکے بڑے درجے ہیں۔ اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ (الانفال۔۲ تا ۴)

مومنین کا عجز وانکسار اور خوشخبری

اور عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔ جو مصیبت بھی انہیں پہنچتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں۔ نماز قائم کرنے والے ہیں۔ اور جو رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (الحج۔ ۳۵)

نجات پانے والے لوگ

اور جو بھی اطاعت کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی اور اللہ سے ڈرتے رہیں اور تقویٰ اختیار کریں وہی ہیں نجات پانے والے۔ (النور۔۵۲)

رحمان کے بندے اور ان کی صفات (الفرقان ۶۳ تا ۷۶)

اللہ تعالیٰ نے اب ان نیک بخت لوگوں کی صفات بیان کی ہیں جن خوش نصیبوں کو اپنے بندے (عباد الرحمٰن) کے لقب سے یاد کیا ہے۔

رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر فروتنی (عاجزی) سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہونے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں سلام ہے (یعنی ان سے اعراض برتتے ہیں الجھتے نہیں) اور جو اپنے رب کے سامنے سجود اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں

اور وہ لوگ جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! دوزخ کا عذاب ہم سے دور رکھ کیونکہ اس کا عذاب تو چمٹ جانے والا ہے۔ بے شک وہ رہنے اور ٹھہرنے کے لحاظ سے بدترین جگہ ہے۔

اور وہ جو خرچ کرتے وقت بھی نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ کنجوسی بلکہ دونو کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہو مگر بجز حق کے۔ نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور جو کوئی بھی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر بہت وبال لائے گا۔ اسے قیامت کے دن دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلت اور خواری کے ساتھ ہمیشہ اس میں مبتلا رہے گا۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ اللہ بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے۔

اور جو شخص توبہ کرلے اور نیک عمل کرے وہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سچا رجوع کرتا ہے۔ اور وہ لوگ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہوتا ہے تو شرافت سے گزر جاتے ہیں۔

اور جب انہیں ان کے رب کے کلام کی آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے نہیں بن جاتے۔ اور یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار تو ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کے صبر کے بدلے جنت کے بلند بالا خانے دیئے جائیں گے۔ جہاں انہیں دعا و سلام پہنچایا جائے گا۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ

بہت ہی اچھی جگہ اور عمدہ مقام ہے۔(الفرقان۔۶۳ تا ۷۶)

اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے نیک کام کرے اور کہے کہ بیشک میں مسلمانوں میں سے ہوں۔(حم السجدہ۔۳۳)

متقین کیلئے جنت

اس دن جنت متقین (پرہیزگاروں) کے بالکل قریب کردی جائے گی۔ ذرا بھی دور نہ ہوگی۔ ارشاد ہوگا یہ ہے وہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر اس شخص کیلئے جو رجوع کرنے والا اور بڑی نگہداشت کرنے والا تھا۔ جو بن دیکھے رحمان سے ڈرتا تھا اور جو قلب منیب (بار بار رجوع کرنے والا دل) لایا تھا۔ تم سلامتی کے ساتھ اس جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔(سورۃ ق ۳۱ تا ۳۴)

دو جنتیں

اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔(الرحمان۔۴۶)

خوف خدا اور نفس کی اصلاح

ہاں وہ شخص جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور خواہش نفس کو روکتا رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

(النازعات۔۴۰ تا ۴۱)

نیک اعمال کی قبولیت کی شرط، ایمان اور اطاعت رسول ﷺ

اور جس نے نیک عمل کیے وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان کے ساتھ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔(النساء۔۱۲۴)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کی قبولیت کیلئے ایمان کا ہونا

لازمی اور شرط اولین قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک کاشتکار ایک قطعہ زمین کو ہموار کرتا ہے۔ جڑی بوٹی اکھاڑ کر باہر پھینک دیتا ہے۔ پھر آبپاشی کرتا ہے اور رات دن اس کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کھیت میں بیج نہیں ڈالتا تو اس کی محنت و مشقت سب رائیگاں جائے گی۔ اس قطعہ اراضی میں نہ فصل اُگے گی اور نہ کسان اناج حاصل کر سکے گا۔ اسی طرح عمل صالح کی قبولیت کیلئے ایمان کا ہونا بمنزلہ بیج کے ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان کا بیج ہی نہیں بوتا تو نیک اعمال کی فصل سے اخروی فوائد کا حصول ناممکن ہے۔ اور اس کی تمام نیکیاں بے ثمر ثابت ہونگی۔

مومن اور کافر کی نیکیوں کا اجر

صحیح مسلم میں بروایت حضرت انسؓ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا مومن جو نیک کام کرتا ہے اس کا کچھ بدلہ دنیا میں ملتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب ملتا ہے اور کافر کا حساب دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے"۔ (صحیح مسلم)

ابھی ابھی آپ نے مطالعہ کیا کہ نیک اعمال کی قبولیت کیلئے پہلی شرط بندے کا صاحب ایمان ہونا ہے۔ صاحب ایمان ہونے کے بعد دوسرے ضروری امور میں ایک یہ ہے کہ اس کے عمل کی بنیاد للّٰہیت پر ہو یعنی اس کا وہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہو۔ اس میں ریا کاری کا شائبہ تک نہ ہو۔ اور سب سے ضروری یہ کہ وہ کام یا عملِ صالح سنت مطاہرہ کے مطابق سر انجام دیا جائے ورنہ قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچے گا وضاحت کیلئے حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

امام قرطبی رقمطراز ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول اور عمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول و عمل اور نیت کو سنت کی مطابقت کے بغیر قبول نہیں کرتا"۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
ہر گز بمنزل نخواہد رسید

ترجمہ: جو کوئی بھی رسول کریم ﷺ کے طریقہ سنت کے خلاف چلے گا وہ کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

گویا کوئی عمل بھی خواہ وہ کتنی ہی فضیلت کا حامل کیوں نہ ہو اگر وہ نبی مکرم ﷺ کی سنت مطاہرہ کے مطابق انجام نہ دیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے شرف کو نہیں پہنچ سکتا۔

سب سے ضروری

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت

راہ مستقیم

کسی بھی منزل مقصود کے حصول کیلئے ضروری ہے کہ ایسی راہ اختیار کی جائے جو مشکلات اور صعوبات سے بچا کر آسانی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچا دے۔ ایسی راہ کے اختیار کرنے کیلئے کسی راہنما کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو مقصودہ منزل تک رسائی کے راستوں سے بخوبی آشنا ہو۔ یہ تو تھا کسی دنیوی منزل کے سفر کا معاملہ۔ اور جب معاملہ ہو اخروی زندگی اور حیات ابدی کا تو نجات اخروی کیلئے تو منزل کے حصول کیلئے راستہ اختیار کرتے ہوئے بہت زیادہ محتاط ہونے کی ضرورت ہے اور راہ مستقیم کی تلاش زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ اس راستے کی راہنمائی کیلئے کسی ایسے بدرقہ اور راہنما کی ضرورت ہے جو منزل تک رسائی کیلئے سیدھے اور آسان راستے سے آشنا ہو۔ اور ہم مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اس ہدایت والے راستے کے حصول کیلئے دعا کرتے رہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان ایک دن رات میں کم از کم پانچ بار نماز کے دوران ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے۔

اِهْدِ نَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ط صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ط (سورۃ فاتحہ)

ترجمہ: (اے اللہ) ہمیں ہدایت فرما سیدھے راستے کی طرف ان لوگوں کے راستے کی

طرف جو تیرے انعام یافتہ ہیں۔ان لوگوں کے راستہ پر نہ چلانا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کے راستہ پر۔

سورۃ فاتحہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کی گئی ہے۔لغت میں ہدایت کے معنی ہیں لطف وعنایت سے کسی منزل تک پہنچادینا۔سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنا۔راہ راست پر چلانا۔عربی میں اسے رشاد،توفیق،الہام اور دلالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ہم اللہ رب العزت سے دعا کرتے ہیں اے اللہ کریم! ہم کمزور اور ناتواں ہیں اور نفس کی فریب کاریاں،فتنہ پردازیاں اور شیطان لعین کی وسوسہ اندازیوں کے جال جا بجا بچھے ہوئے ہیں۔تو ہی ہماری راہنمائی فرما تا کہ ہم راستے کی بھول بھلیوں،بدانجامیوں اور گمراہیوں سے بچ کر تیری رضا حاصل کرلیں اور منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

اس کے ساتھ مزید التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن کو تو نے انعامات سے نوازا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور جو گمراہ ہو گئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ کونسا ہے اور وہ ہے۔اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ

اس راستے کی تشریح ہمیں سورۃ النساء میں ملتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ”اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں“۔(سورۃ النساء۔۶۹)

ہم نے سورۃ فاتحہ کی قرأت میں یہ دعا کی تھی کہ ”اے اللہ ہمیں سیدھی راہ پر چلا جس پر تیرے انعام یافتہ لوگ چلتے رہے نہ کہ تیرے مغضوب اور گمراہ لوگوں کا۔سورۃ النساء کی اس آیت مبارکہ میں وضاحت کی گئی ہے کہ تمہیں ضرور ان انعام یافتہ لوگوں کا راستہ دکھلائیں گے بشرطیکہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔یہ صراط مستقیم محض اپنی عقل و ذہانت سے حاصل نہیں کی جا سکتی بلکہ اس کا حصول اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی سے ممکن ہے۔یہ صراط مستقیم وہی ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے زبانی اور عملی طور پر دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔یعنی قرآن و سنت کے احکام اور اوامر ونواہی پر صدق دل سے پوری طرح عمل پیرا ہوں تو ہمارا انجام اور حشر نشر ان انعام یافتہ اور پاکباز لوگوں کے ساتھ ہوگا اور ان مقدس ہستیوں کی رفاقت حاصل ہوگی جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بارش ہوئی یعنی انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی رفاقت۔اے مولائے کریم ہمیں بھی ان میں شامل فرما اور انجام بخیر ہو۔(آمین)

انتہائی ضروری

روزِ حشر اور فکرِ آخرت

قرآن پاک کی مختلف آیات اور سورتوں میں قیامت کی خوفناک، دردانگیز اور ہولناک منظر کشی کی گئی ہے جس کے مطالعہ سے دل دہل جاتا ہے۔

☆ اس دن کی سختی، بچوں کو بوڑھا کر دے گی۔ اس سختی سے آسمان پھٹا جا رہا ہوگا۔ (مزمل۔۱۷تا۱۸)

☆ اس دن کوئی شخص کسی کے کام نہ آ سکے گا اور سب کی سب حکومت اس دن اللہ کی ہوگی۔ (الانفطار۔۱۹)

☆ اس دن (قیامت بپا کرنے کا) اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ (مزمل۔۱۸)

☆ وہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ (المدثر۔۹)

☆ جب ستارے اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ (القیامہ والمرسلات۔۸)

☆ اس دن فرار کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ (القیامہ۔۱۰)

جو لوگ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی حقیقت سے فرار چاہتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ صدیوں پرانی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندگی کی طرف کیسے لوٹ سکیں گی خالق کائنات جل مجدہٗ کا ارشاد ہے کہ جو ہستی نہ صرف انسان کو بلکہ ہر ذی روح کو عدم سے ہستی میں لا سکتی ہے۔ مردوں کو زندہ کرنا اس کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

اس دن سب جن وانس کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ہر ایک کا اعمال نامہ اسکے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ تم اپنی دنیوی زندگی میں یہ یہ اچھے اور برے عمل کرتے رہے ہو۔ اس دن انسان اپنے اعمال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہوگا۔ جس

کسی کے نیک اعمال کا پلڑا بھاری ہوگا وہ سرخرو ہوگا اور نہ صرف عذاب سے بچ جائے گا بلکہ جنت کی ابدی زندگی مین عیش کرے گا۔اور جس کے برے اعمال اس کی نیکیوں سے زیادہ ہونگے دوزخ اس کا مقدر ہوگا اور وہ دردناک عذاب میں معینہ مدت تک یا ہمیشہ کیلئے مبتلا رہے گا۔

درحقیقت خوفِ آخرت ہی انسان کیلئے کارخیر اور نیک اعمال کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔اور اعمال بد سے اجتناب کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔اگر خوف آخرت اور اپنے دنیوی اعمال کیلئے جوابدہ ہونے کا تصور ختم ہوجائے تو انسان شترِ بے مہار بن کر ہر طرف فساد برپا کرتا پھرے اور دنیا میں معاشرتی زندگی اجیرن ہوجائے۔

انسان نے اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور آخرت کو پس پشت ڈال کر بے محابا جلبِ زر میں کھو گیا ہے۔ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال و دولت جمع کرنے کے درپے ہے۔حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اور دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشا ہے۔درحقیقت آخرت کا مقام ہی ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو متقی (پرہیزگار) ہیں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے"۔(الانعام۔۳۲)

ہم دنیا کی محبت میں اندھے ہوکر کھوئے چلے جارہے ہیں اور دنیوی منفعت کے حصول میں برائی کو برائی بھی نہیں سمجھتے اس بارے میں ارشاد نبوی ہے:

حُبُّ الدُّنیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ (الحدیث)

ترجمہ:دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

دنیا کی اس زندگی مین انسان کو موقع فراہم کیا گیا ہے کہ وہ موت کو یاد رکھتے ہوئے اخروی زندگی کیلئے نیک کمائی کا ذخیرہ کرلے اس ایمان اور یقین کے ساتھ کہ ایک دن اسے خالق کائنات کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کیلئے جوابدہ

ہوتا ہے۔ انسان اس جہاں فانی میں جو بوئے گا وہی کاٹے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ اس دنیا میں وہ کانٹے بوئے اور آخرت میں پھولوں کی امید رکھے۔ آقائے دو جہاں ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔:

الدنیا مزرعة الا خرہ — یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

روزہ حشر کس قدر ہولناک ہوگا اور اس کے بعد انسان کو کن کن منازل سے گزرنا ہوگا۔ اس کی وضاحت کیلئے قرآن پاک کی کچھ سورتوں اور چیدہ چیدہ آیات کے تراجم درج ذیل ہیں تاکہ انسان صرف مال سمیٹنے میں ہی مصروف نہ رہے بلکہ اس چند روزہ حیات مستعار میں خوفِ آخرت کو پیش نظر رکھے اور اپنی بداعمالیوں کے طفیل ہونے والے دردناک عذاب سے بچنے کی جدوجہد کرے اور نیک اعمال جمع کر کے توشۂ آخرت بنائے۔

القرآن

☆ زیادہ سے زیادہ (دنیا جمع کرنے) کی ہوس نے تمہیں غفلت میں رکھا حتی کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہرگز نہیں تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں پھر تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں اگر تم یقینی طور پر جان لیتے۔ بے شک تم جہنم دیکھ کر رہو گے۔ اور تم اسے یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر اس دن لازماً تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ (سورۃ التکاثر)

☆ ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جو (روبرو) طعنے دینے والا اور غیبت کرنے والا ہو۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ شخص یقیناً حُطَمَہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حُطَمَہ کیا ہے۔ وہ خوب بھڑکائی ہوئی اللہ کی آگ

ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ ڈھانپ کر ان پر بند کو دی جائے گی (سورۃ الھمزہ)

☆ جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس کے واقعہ ہونے کو کوئی نہ جھٹلا سکے گا۔ کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی۔ جب زمین تھرتھر کانپے گی۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے۔ (الواقعہ۔ ۱ تا ۶)

☆ روز قیامت تمہارے رشتہ دار اور تمہاری اولاد کوئی نفع نہ پہنچا سکے گی۔

(الممتحنہ۔ ٦٠)

☆ (روز قیامت) جب نظر پتھرا جائے گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا (بے نوری میں) چاند اور سورج یکساں ہو جائیں گے۔ انسان کہے گا کہ بھاگ کر کہاں جاؤں۔ ہرگز نہیں وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔ اس روز تیرے رب کے حضور ہی ٹھہرانا ہوگا۔ اس روز انسان کو ان اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا جو اس نے آگے بھیجے اور پیچھے چھوڑے۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے نفس کے احوال سے خوب واقف ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی معذرتیں پیش کرے۔ (القیامہ۔ ٦ تا ١٥)

☆ جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ جب ستارے بکھر جائیں گے جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھٹی پھریں گی۔ جب وحشی جانور یکجا کر دئے جائیں گے۔ اور جب سمندر بھڑکا دئے جائیں گے۔ جب جانیں (جسموں میں) جوڑ دی جائیں گی۔ جب زندہ در گور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال اتار لی جائے گی۔ اور

جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ اور جب جنت نزدیک کر دی جائے گی تو اس دن ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا ہوگا۔ (التکویر۔ ۱۵تا۱۵)

☆ جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب سمندر بہہ نکلیں گے۔ اور جب قبریں کھول دی جائیں گی۔ (اس وقت) ہر شخص اپنے اگلے پچھلے اعمال کو جان لے گا۔

☆ اے انسان تجھے اپنے رب کریم سے کس چیز نے بہکایا جس نے تجھے پیدا کیا تجھے درست کیا تجھے متناسب بنایا۔ جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے کر جوڑ دیا۔ ہرگز نہیں تم تو جزا اور سزا کے دن کو جھٹلاتے ہو یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہونگے اور یقیناً بدکار جہنم میں ہونگے۔ (الانفطار۔ ۱تا۱۴)

☆ پھر جب کان بہرا کرنے والا (قیامت کا) شور اٹھے گا۔ اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے بھاگے گا اس دن ان میں سے ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن چمک رہے ہونگے ہنستے ہوئے، خوش و خرم اور کئی چہرے اس دن غبار آلود ہونگے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر و فاجر لوگ ہونگے۔

(عبس۔ ۳۳تا۴۲)

اب ان آیات مبارکہ کو سپرد قلم کیا جاتا ہے جن میں دونوں رخ موجود ہیں۔ ہر دو قسم کے افراد کا ذکر موجود ہے۔ ان کا بھی جو اپنی بداعمالیوں کے سبب رب ذوالجلال کے غیض و غضب کا شکار ہوئے اور عذاب دوزخ کے مستحق ٹھہرے۔ اور ان خوش نصیب حضرات کا بھی ذکر ہے جو اپنی نیکیوں اور اللہ کے فضل کے طفیل جنت کی فضاؤں میں

ہمیشہ ہمیشہ کے عیش وعشرت کے مستحق ٹھہرے۔

☆ اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا۔ پھر تم فوج در فوج چلے آؤ گے۔ اور آسمان کھول دیا جائے گا تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا۔ اور پہاڑ چلائے جائیں گے پس وہ سراب بن جائیں گے۔ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانا جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ نہ اس میں وہ ٹھنڈک کا مزا چکھیں گے نہ پانی کا سوائے کھولتے ہوئے پانی اور گرم پیپ کے۔ ان کے گناہوں کی پوری سزا۔ یہ لوگ روز حساب کی توقع ہی نہ رکھتے تھے۔ اور ہماری آیات کو انہوں نے سختی سے جھٹلا دیا تھا۔ حالانکہ ہم نے ہر چیز کو گن گن کر لکھ لیا تھا۔ پس اے منکرو اپنے کیے کا مزا چکھو۔ ہم تمہارے عذاب میں ہی اضافہ کرتے رہیں گے۔

☆ یقیناً متقین کیلئے کامیابی ہے۔ باغات ہیں اور انگور ہیں اور نوجوان کنواری ہم عمر لڑکیاں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام۔ وہاں وہ لغو اور کوئی جھوٹی بات نہیں سنیں گے۔ بڑا کافی انعام یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا۔ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جس کے سامنے کسی کو بات کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

☆ جس روز روح اور ملائکہ صف بستہ کھڑے ہونگے تو کوئی کلام نہ کر سکے گا سوائے اسکے جس کو رحمان اجازت دے۔ اور جو ٹھیک بات کہے۔ یہ دن برحق ہے۔ اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف پلٹنے کا راستہ اختیار کر لے۔ بے شک ہم نے جلد آنے والے عذاب سے تمہیں ڈرا دیا ہے۔ اس روز ہر شخص دیکھ لے گا (ان اعمال کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے۔ اور کافر پکار اٹھے گا کاش میں مٹی ہوتا۔ (النباء ۱۰ تا ۴۰)

☆ پھر جب سب سے بڑی آفت (قیامت) آ جائے گی۔ جس دن انسان اپنے کئے ہوئے کاموں کو یاد کریگا۔ اور ہر دیکھنے والے کے سامنے جہنم ظاہر کر دی جائے

گی۔تو جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی۔اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہو گا۔اور جو کوئی اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈر گیا یقیناً جنت ہی اسی کا ٹھکانا ہوگا۔(النازعات۔۳۷تا۴۱)

خود کو اور اپنے اہل کو نار جہنم سے بچاؤ

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ط (التحریم ٦٦)

ترجمہ:اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) آگ سے بچاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کی توجہ ایک اہم فریضہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ ایک شخص کی ذمہ داری صرف اپنی ذات کو نار جہنم سے بچانے تک محدود نہیں بلکہ یہ بھی اس کے فرض منصبی مین داخل ہے کہ فطرت نے جس خاندان یا افراد کی سربراہی کا بوجھ اس کے کندھوں پر ڈالا ہے اپنی بساط کی حد تک ان کو ایسی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرے کہ وہ ایک مہذب انسان اور صالح مومن کی صفات سے متصف ہوں اور خوفِ خدا اور آخرت ان کے دل ودماغ میں بس جائے تا کہ وہ بھی آتش دوزخ سے بچ جائیں

مذکورہ آیت میں اہل سے مراد بیوی،اولاد متعلقین اور ملازم شامل ہیں۔جن سے ایک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔اسی طرح ایک اور آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا ط (طٰہٰ۔۱۳۲)

اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیجئے اور خود بھی اس کے پابند رہئے۔

اس خطاب میں نبی کریم ﷺ کی ساری امت شامل ہے یعنی ہر مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ نہ صرف وہ اپنے گھر والوں سے نماز کی پابندی کرائے بلکہ خود بھی اس پر کار بندر ہے۔نماز جنت کی کلید اور مومن کی معراج ہے۔اور دین کا ستون ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ روزانہ صبح کی نماز کے وقت حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کے مکان پر جا کر آواز دیتے الصلوٰۃ الصلوٰۃ۔

بخاری شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا

"تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور وہ اپنی رعیت کے بارے میں جوابدہ ہوگا۔"

آج کے اس دور میں نام نہاد روشن خیالی، بے حیائی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ اور ذرائع ابلاغ پر بے پردگی۔فحاشی اور بے حیائی کی ترغیب دی جارہی ہے اور ہماری نوجوان نئی نسل خوف خدا اور آخرت سے بے نیاز ہو کر اس تند و تیز سیلاب کی لہروں میں بہتی چلی جارہی ہے۔اس لئے والدین پر اس ذمہ داری کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے اہل کو اس سے بچائیں۔اسلامی شعار اور نماز کا پابند بنائیں۔خود بھی نار جہنم سے بچیں اور اہل وعیال کو بھی بچائیں۔

حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو وصیت (القرآن۔سورۃ لقمان)

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا اے پیارے فرزند کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔یقیناً شرک ظلم عظیم ہے۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم نے انسان کو تاکیدی حکم دیا کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔اس کی ماں نے اس کو کمزوری پر کمزوری کے باوجود شکم میں اٹھائے رکھا اور اس کے دودھ چھڑانے میں دو سال لگے کہ شکر کرو میرا اور اپنے والدین

کا۔ آخر کار تم نے میری طرف لوٹنا ہے۔

اور اگر وہ دونو (والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے تو ان کا کہنا نہ مان۔ البتہ ان کے ساتھ دنیا میں اچھی طرح بسر کرنا۔ اور پیروی کر واس کی جس نے میری طرف رجوع کیا۔ تمہیں میری طرف ہی لوٹنا ہے۔ پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔

اے پیارے فرزند اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر وزنی ہو یا پھر کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں (پوشیدہ) ہو تو اللہ تعالیٰ لے آئے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت باریک بیں، ہر چیز سے باخبر ہے۔

اے بیٹے نماز قائم کر اور نیکی کا حکم دیا کر اور برائی سے روکتا رہ۔ اور ہر مصیبت پر جو تجھے پہنچے صبر کیا کر۔ بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

اور (تکبر کرتے ہوئے) اپنے رخسار لوگوں کی طرف سے نہ پھیر لے اور اتراتے ہوئے زمین پر نہ چلا کر۔ بے شک اللہ تعالیٰ گھمنڈ کرنے والے۔ فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اور اپنی رفتار میں درمیانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو دھیمی رکھ۔ بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔ (سورۃ لقمان۔ ۱۳۔ ۱۹)

اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب لوگ

☆ یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے اور پاک وصاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (آل عمران۔۳)

☆ بے شک اللہ تعالیٰ متقیوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آل عمران۔۷۶)

☆ بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (آل عمران۔۱۵۹)

☆ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آل عمران۔۱۴۶)

☆ اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔ (آل عمران۔۱۴۸)

☆ بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ (المائدہ۔۴۲)

☆ اور اللہ تعالیٰ خوب پاک رہنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔ (التوبہ۔۱۰۸)

مناجات

(خواجہ باقی باللہؒ)

خدایا ایں غریب بے نوارا | بہ خود درماندہ نا آشنارا
ہدایت کن رہے کا ید بسویت | بہ یک روئی رود در جستجوئیت
دمے از نیک و بد آسودہ بینند | زمانے از ہوس فارغ نشیند
اگر در نعمتے بینی سکونم | ممکن یک لحظہ زاں نعمت برونم
نخست از معصیت آسودہ دارم | زنور توبہ رونق دہ بہ کارم
چوں دل در غبت دنیا زند رائے | بہ آسانی زکارم عقدہ بکشائے
مرا بگزار کایم آرزو خواہ | بکن . ازز شتی ایں کارم آگاہ

سبب بیں چشم از بینش تہی دار
سرم روشن زنور آ گہی دار

مناجات
(خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ)

چوں من پر جرم وعصیانم توئی غفّار یااللہ
چومن باعیب ونقصانم توئی ستار یااللہ

بخواب مستی وغفلت زسرتاپا گنہگارم
بہ ذکروطاعتِ خودکن مرا بیدار یااللہ

چنیں کزفعل زشت من خلائق جملہ بیزارند
تو بامن باد خوشنود و مشو بیزار یااللہ

چناں کن ازکرم برمن بنائے توبہ مستحکم
کہ رانم برزباں ہرلحظہ استغفار یااللہ

رود ہرلحظہ درطاعت دل من جانب دیگر
چنیں وسواسِ شیطانی زمن بردار یااللہ

چوں گورِتیرہ تر وحشت نماید برمنِ مجرم
بہ شمع مغفرت گرداں پرازانوار یااللہ

معین الدین عاصی راکہ می نالد بہ صدزاری
گناہم بخش، ایمان راسلامت دار یااللہ

دعا بہ درگاہ رب غفور الرحیم

اے الرحم الرّاحمین مولا! اپنے پیارے رسولؐ اور اپنے حبیب ﷺ کے طفیل امت محمدیہ پر رحم فرما۔ سب کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف فرما اے غفور الرحیم مولا تیرے در کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں۔ اپنی ردائے عفو ومغفرت سے ستر پوشی فرما اور جملہ مومنین ومومنات اور مسلمین ومسلمات کی مغفرت فرما۔

یہ حقیر و پر تقصیر راقم سراپا جرم وعصیاں تیری بارگاہ صمدیت میں دست بدعا ہے کہ اس سرتاپا آلودہ عصیاں کی پردہ پوشی فرما۔ میرے ربِ کریم ورحیم مولا! میں صمیمِ دل سے استغفار وتوبہ کرتا ہوں۔ اپنے سحابِ رحمت کے چند چھینٹے اس درماندہ و بے نوا پر بھی مرحمت فرما کر اس کے مقدر کی سیاہیاں دھو ڈال اور آئندہ بھی اپنی ردائے رحمت و عافیت میں مستور رکھ۔ اور اس کاوشِ تالیف کو قبولیت کا مشرف عطا فرما کر میرے اور سب قارئین کیلئے ذریعہ نجات بنا۔

آمین یارب العالمین

دست بہ دعا

غلام دستگیر نقشبندی

کتابیات

کتاب	مصنف	ناشر
1- تفسیر ضیاء القرآن	پیر کرم شاہ بھیروی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
2- تفسیر معارف القرآن	مفتی محمد شفیع	ادارۃ المعارف کراچی
3- تفسیر تفہیم القرآن	مولانا مودودی	ترجمان القرآن لاہور
4- تفسیر مظہری	مولانا ثناء اللہ پانی پتی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
5- زادِ راہ (مجموعہ احادیث)	مولانا جلیل احسن ندوی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور
6- راہِ عمل (مجموعہ احادیث)	مولانا جلیل احسن ندوی	اسلامک پبلی کیشنز لاہور
7- مشکوٰۃ شریف		مکتبہ اسلامیہ لاہور
8- اقوالِ اولیا	مولانا محمد شریف نقشبندی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
9- سیرت رسول عربی	علامہ نور بخش توکلی	تاج کمپنی لاہور
10- ہم کیوں مسلمان ہوئے	عبدالغنی فاروق	تاج کمپنی لاہور
11- احوالِ بزرگانِ دین	سعید اے شیخ	رابعہ بک ہاؤس
12- حکایات صوفیہ	طالب ہاشمی	شعاعِ ادب لاہور
13- حکایات صوفیا	عالم فقری	شبیر برادرز
14- اعلیٰ اخلاق	چلڈرن قرآن سوسائٹی	
15- عارفانِ حق	فضل باری	
16- اندازِ معرفت	میاں عبدالغفور	
17- حمد و مناجات	ضیا محمد ضیاء	مکی کتب خانہ لاہور

ایک نادر کتاب
جمالِ قربِ الٰہی
مصنف: سید غلام دستگیر زیدی نقشبندی مجددی
☆ صوفیاء و سالکین کیلئے حسین تحفہ اور طالبان مولےٰ کیلئے بے مثل کتاب۔
☆ خالق کائنات کی معرفت۔ رضا اور قرب کے حصول کیلئے بہترین رہنما۔
☆ مقصد تخلیق کی تکمیل اور سبیل عقبیٰ کیلئے روشنی کا مینار۔
☆ تصوف کے معاملات و مسائل کو آسان اور سلیس اردو میں پیش کرنے کی قابلِ قدر کاوش۔
☆ تصوف و طریقت کی منازل طے کرنے کا آسان راستہ۔
عامۃ المسلمین، طالبان مولےٰ اور عاشقانِ الٰہی کے لئے بہترین تحفہ۔
قرب الٰہی کے ذرائع، شریعت، طریقت اور معرفت پر سیر حاصل تبصرہ اور درجہ ولایت تک رسائی کے لوازمات کو وضاحت کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔ نیز فضائل قرآن، فضائل درود و سلام، اہم ترین احادیث نبوی، جزا و سزا، گناہ صغیرہ و کبیرہ پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔
ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور
فیصل آباد:
اقراء بک سیلرز۔ حبیب نثار پبلشرز
غزالی پبلی کیشنز

قرآنی معلومات اور کلام الٰہی کے فضائل و برکات پر

بے مثل کتاب

عرفان القرآن

مرتبہ: سیّد غلام دستگیر زیدی نقشبندی مجددی

خصوصیات:

☆ نزول قرآن جمع وتدوین قرآن کی ضروری معلومات۔

☆ قرآن کی عظمت و جامعیت حقائق کی روشنی میں۔

☆ قرآن کی حقانیت بے نظیر و بے مثال۔ فصاحت و بلاغت۔ غیب کی خبروں اور پیشگوئیوں کی روشنی میں۔

☆ قرآن کی حقانیت اعداد کی روشنی میں۔

☆ مسلمانوں پر قرآن کے حقوق۔ تلاوت کے آداب۔ تدبر و تفسیر و تجوید کی ضرورت و اہمیت۔

☆ قرآن پاک کی سورتوں اور مخصوص آیات کے فضائل و مسائل احادیث کی روشنی میں۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور

فیصل آباد:

اقراء بک سیلرز۔ حبیب نثار پبلشرز

غزالی پبلی کیشنز

مادہ پرستی کے اس دور میں پریشانیوں
سے نجات اور اطمینان قلب کیلئے
ایک بے مثال کتاب
جمالِ ذکرِ الٰہی
مؤلفہ: سیّد غلام دستگیر زیدی نقشبندی مجددی،
خصوصیات:
☆ موجودہ دور میں ذکر کی ضرورت واہمیت۔
☆ قرآن وحدیث کی روشنی میں ذکر الٰہی کے احکام۔
☆ ذکر کے فضائل اور اقسام۔
☆ شیطان مردود اور نفس امارہ کے وساوس کا موثر علاج۔
☆ روحانی ارتقاء کے حصول کیلئے روزمرہ کے معمولات۔
☆ سلسلہ نقشبندیہ، چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ کے اذکار و وظائف۔
☆ ذکر کے سلسلہ میں اولیائے عظام کے اقوال۔
☆ عامتہ الناس اور صوفیا و سالکین کیلئے ایک لاجواب راہنما۔
ضیاء القرآن پبلی کیشنز: گنج بخش روڈ لاہور
فیصل آباد:
اقراء بک سیلرز۔ حبیب نثار پبلشرز
غزالی پبلی کیشنز

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

کی شہرۂ آفاق تفسیر کا جدید، سلیس، دلکش، دلآویز اردو ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف کی زیر نگرانی

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی ایک نئی کاوش

تفسیر درمنثور ۶ جلد

زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کتاب رشد و ہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے

نور و سرور اور جذبہ حب رسول ﷺ پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت

اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن

مفسر قرآن، علامہ مفتی محمد جلال الدین قادری

آیات احکام کا مفصل لغوی و تفسیری حل امہات کتب تفسیر کی روشنی میں

مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔

اس لئے یہ کتاب طلباء، علماء، وکلاء، ججز

اور عوام و خواص کے لئے قیمتی سرمایہ

آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان